طبع جدید

آثار جعفریہ

یعنے

سوانح عمری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام

مؤلفہ و مرتبہ

خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی

مؤلف

سیرۃ المصطفویہ ... سراج المبین شرح ... صحیفۃ العابدین

آثار باقریہ آثار جعفریہ علوم کاظمیہ ... تحفۃ المبین سیرۃ النقی وغیرہ

۱۹۲۱

مطبع ... پریس دہلی طبع شد

۱۴

چودہ معصوم

بانیان ادیان برحق کی پاک و پاکیزہ زندگی کے مفصل حالات و سوانح جو ان کے قول و عمل بلکہ زندگی کا نمونہ ہیں جیسے چھوڑے ہیں ان کی مقدس سیرت کے مفصل حالات سے اسلامی دنیا آج تک خالی پڑی تھی۔ الحمد للہ کہ یہ شرف خدمات سب سے پہلے مقبول پریس کو حاصل ہوا۔ جس نے چودہ کے چودہ معصوموں کی سوانح کا مقدس سلسلہ شائع کردیا وہ متبرک سلسلہ جناب خان بہادر مولوی سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی پنشنر و آنریری مجسٹریٹ و ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ گیا کہ ضلع آرہ مسلسل سال عمر عزیز صرف کرکے بڑی جانکاہی اور عرق ریزی سے ایسے عنوان شایستہ سے ترتیب دیا ہے کہ مسلمان تو مسلمان اقوام غیر کے صاحبان علم و بصیرت نے قدر کی نگاہوں سے دیکھا یہاں تک کہ ملک کے بعض سربرآوردہ اور لائق زبانداں نے اس سلسلہ کی بعض کتابوں کو انگریزی اور دوسری زبانوں میں

ترجمہ کرنیکی خواہش

ظاہر کی اور مصنف ممدوح سے اجازت چاہی۔ زبان و طرز بیان اتنا سلیس کہ بلا پس و پیش اور بے کھٹکے ہر مذہب و ملت والے کے سامنے ان سوانح عمریوں کو پیش کر دیجئے سوائے خوبیوں کے اعتراف کے اعتراض کی گنجائش نہ ہوگی۔ پس کوئی اسلامی گھر تو کم از کم اس مقدس ذخیرہ سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔ ساتھ ہی صاحبان ثروت اور باہمت احباب کا فرض ہے کہ اس سلسلہ کی تمام کتابوں کو ہر مذہب و ملت کے علم دوست افراد تک پہنچانے میں سعی بلیغ سے کام لیں تاکہ اسلام جیسے پاک و مقدس مذہب کی حقانیت ہر دوست دشمن پر واضح اور آشکار ہوجائے اور اس طرح تبلیغ و اشاعت دین کا اہم فرض بھی خوبی کے ساتھ ادا ہوجائے

اس متبرک سلسلہ کا مہیا کرنا

ہمارا فرض تھا اب توسیع و اشاعت آپ کا فرض ہے جسے پورا کرکے داخل حسنات ہونا چاہیئے۔

نیازمند
سید امین الدولہ

مقبول پریس
گندہ نالہ۔ دہلی

فہرست مضامین آثارِ جعفریہ یعنی سوانح عمری جناب امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام

طبع جدید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

...للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین

...فر کنیت ابو عبد اللہ اور مشہور ترین لقب
...آپ کی والدہ مطہرہ کا نام اُمِّ فروہ بنت قاسم
...ہے جن کا شمار مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ
...احمد محمد پارسا فصل الخطاب میں اور ابن حجر صواعق
...ا۔

...قاسم ابن محمد ابن ابوبکر الصدیق رضی
...ہم من الفقہاء السبعۃ۔

...حالات میں لکھا ہے کہ یہ خاتون معظمہ بہت
...ر نیک بی بی تھیں۔ نور ایمان سے آراستہ اور
...ے پیراستہ۔ زیور معرفت سے مزین اور انوار تقیت
...ن۔ ان کے محامد و محاسن میں جناب امام جعفر
...م خود فرماتے ہیں۔

...واتقت احسنت واللہ یحب المحسنین و قال
...ام فروہ انی لا ادعوا اللہ لمذنبی شیعتنا فی الیوم
...لانا نحن فیما ینوبنا من الرزایا فصبر علی ما نعلم
...ھم یصبرون علی ما یعلمون۔
...پروردگار نیکوکار ہیں اور خدا وند عالم نیکو

کار دل کو دوست رکھتا ہے۔ میرے پدر بزرگوار ان کو دوست رکھتے تھے اور فرماتے تھے اے امّ فروہ ہمارے شیعوں کو جو مصائب پیش آتے ہیں وہ ان کے ثواب سے واقف نہیں لہٰذا وہ مصائب ان کو سخت ناگوار معلوم ہوتے ہیں ہم ان کے جزائے خوب واقف ہیں اور اے امّ فروہ میں اپنے شیعوں کے لیے شب و روز میں ہزار مرتبہ دعا کرتا ہوں۔

احکام شرعیہ میں کامل دستگاہ رکھتی تھیں۔ ایک بار خانہ کعبہ میں حج کے مناسکات ادا فرما رہی تھیں۔ اسوقت کسی خاص مصلحت سے ایک ایسی ردا اوڑھے ہوئے تھیں جس میں آپکی شناخت نہو سکے جب حجر اسود کے پاس پہنچیں تو الٹے ہاتھ سے رسم استلام ادا فرمایا۔ ایک شخص نے بڑھ کے ٹوکا کہ یہ خلاف سنت ہے آپنے اُس کے جواب میں نہایت متانت سے جواب دیا انا لاغنیاء عن علمک ہمکو تمہارے علم کی ضرورت نہیں ہے۔

اس خاتون معظمہ کی قابلیت اور جامعیت کے ثبوت میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی صحبت کا شرف صرف کافی ہے اسی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ جس مخدرہ عظمیٰ کو یہ سعادت حاصل ہو کہ تو امام محمد باقر علیہ السلام کے ایسے مقدس بزرگوار کی خدمت میں رہے

تو دیکھا تو اسے دیکھکر عبدالملک کہنے لگے کہ خدا کی پناہ۔ یہ لشکر حرم خدا پر
جاتا ہے کہ ابن زبیر سے جو ایسا ایسا ہے جنگ کرے۔ مگر اپنے
زمانہ میں انہیں کے حکم سے حجاج کے ساتھ لشکر پر لشکر مکہ پر چڑھائے
گئے اور وہیں ابن زبیر قتل بھی کیے گئے اور سولی بھی چڑھائے
گئے مگر عبدالملک کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

سلطنت کا غرور اور دولت کا نشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ انسان کو
انسانیت کے سوا اور کچھ نہیں دکھلائی دیتا۔ حقیقت امر یہ ہے
کہ عبدالملک نے یہ کلام اس وقت کہا تھا جس وقت تک یزید کے
ایسا ان کو بھی دنیا کی بادشاہی کا لطف نہیں ملا تھا مگر کچھ آگے
چلکر جب یزید کی طرح ان کے منہ بھی خون لگ گیا تو یہ بھی اسکے
مقلد ہو گئے۔ یزیدی فوج کشی دیکھکر تو خوف خدا کا احساس ہوا
مگر جب اسی مقام پر اپنی فوج کشی کا وقت پہنچا تو وہ خوف خدا
ادب خانہ حرم اور رعایت خون مسلمین سب رخصت اس سے
بڑھکر ان کی خود غرضی۔ نفسانیت اور قساوت قلبی کے اور کیا ثبوت
ہوں گے۔

عمر ابن سعید کے مخفی قتل کیے جانے کا واقعہ بھی عبدالملک کے
حسن اخلاق اور وعدہ وفائی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ بعض
مورخین نے تو صاف صاف لفظوں میں لکھدیا کہ خلیفہ میں سب سے
پہلے جس نے غدر اختیار کیا وہ عبدالملک تھا (دیکھو روضۃ الصفا)
جیسا کہ عمر ابن سعید کے ساتھ انکے مخاصمانہ سلوک سے پورے
طور پر ثابت ہے۔ عمر ابن سعید کی پُردرد داستان کا خلاصہ
یہ ہے کہ عمر ابن سعید اراکین شام میں بہت بڑے تجربہ کار
اور ذی وجاہت اور صاحب اختیار تھے معاویہ کے وقت
سے لیکر زمانہ موجودہ تک تمام کاروبار ملکی میں دخیل چلے آتے
تھے۔ یزید کے مرنے کے بعد جب سلطنت شام کے ہزاروں
امیدوار نکل پڑے تو ان میں ایک یہ بھی تھے۔ آخر کار ان میں
اور مروان کے درمیان میں یہ صلاح ٹھہری کہ عمر مروان کے کاموں
میں کوئی دست اندازی نہ کرے اور مروان کے حصول سلطنت
کے بعد عمر ابن سعید کو اپنا ولیعہد مقرر کر دے اور مروان کے بعد
عمر ابن سعید خلیفہ ہوں۔ مگر جب مروان کے بعد معاملہ دگرگوں ہوا
تو عمر نے عبدالملک کے مقابلہ میں تو اپنی پوری مستعدی اور آمادگی

دکھلائی آخر میں عبدالملک سے بھی مقابلہ کیا ہو ادھر یہ قرار
پایا کہ دونوں شخص سلطنت سے متعلق ایک دوسرے کے
معین و مددگار رہیں۔ اور ... سلطنت وسیع ہے ... بلاد
اسلامیہ کو نصف نصف بانٹ لیں۔

یہ امر طے ہو گیا۔ فریقین میں صلح ہو گئی۔ اور ایک دوسرے کا
رفیق اور معین بن گیا۔ جب عبدالملک کی سلطنت قوی ہو گئی
اور اس کے انتظام میں استحکام آگیا تو عبدالملک کو ان کے
مٹانے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ آخر عمر ابن سعید کو ایک دن اپنے محل
میں مشورہ کے بہانہ سے خلوت میں بلایا اور ... سپرد
کرکے اپنے بھائی عبدالعزیز کے سپرد کیا اور قید کا حکم دیکر
نماز میں مشغول ہو گیا۔ یا ... نماز تھی۔

یحییٰ ابن سعید کو جب بھائی کی گرفتاری کی خبر ملی تو وہ اپنی
جمعیت کے ساتھ عبدالملک کے دار الامارۃ کے دروازہ پر
جمع ہو گئے اور اپنے بھائی کو طلب کرنے لگے۔ عبدالملک نے
ان سے کہا کہ میں تمہارے بھائی کو ... بھیجے دیتا
ہوں۔ وہ سب انتظار میں کھڑے ... رہ گئے
وہاں عبدالملک نے اندر جاکر عمر ابن سعید کا قصہ تمام کر دیا۔
(دیکھو روضۃ الصفا صفحہ ۵۱) عروہ ابن زبیر کو بھی ایسا ہی
معاملہ پیش ہونے والا تھا۔ مگر ... اس کی جان بچ گئی
کیفیت یوں ہے کہ جب عبداللہ ابن زبیر قتل ہو چکے تو عروہ
یہ سوچکر کہ حجاج کی مردم آزاری اور خونخواری سے جانبری
ناممکن ہے۔ اپنے آپ عبدالملک کے پاس حاضر ہو گیا۔
عبدالملک بھی اس وقت اس کی ... دیکھکر اس کے ساتھ
کوئی تعرض نہ کر سکا مگر دو چار دن کے بعد حجاج نے عروہ
کے فرار ہونیکی خبر پاکر عبدالملک کو لکھ بھیجا کہ عروہ عبداللہ ابن
زبیر کا سب مال و دولت لیکر چلتا ہوا ہے آپ اسکو ہمارے
پاس بھیجدیں کہ اس سے رقم کثیر جس کو ابن زبیر نے جمع کیا
ہاتھ لگے۔ عبدالملک نے حجاج کا یہ تاکیدی خط پاکر عروہ کے
گرفتار کیے جانے اور مکہ بھیجدیے جانیکا حکم عام دیدیا
عروہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ اپنی جان سے ہاتھ دھوکر
اسی وقت عبدالملک کے دربار عام میں پہنچا اور خلیفہ کو مخاطب

وہ ولایت الشمس کالنصف النہار ظاہر و آشکار تھے ؎

از لوح جبین او جبندی ۔ ۔ ۔ می تافت ستارۂ بلندی

ولید ابن عبدالملک کی سلطنت

ولید ۔ ربیع الاول ۸۶ھ میں تخت نشین ہوا ۔ اور جمادی الاول ۹۶ھ میں فوت ہوا ۔ نو برس تک سلطنت کرتا رہا ۔ مولوی شبلی صاحب کے سلسلۂ ہیروز دا اسلام ۔۔۔ میں ولید کا نام بھی ہے ان کی بابت امام ذہبی نے صاف صاف لفظوں میں لکھدیا ہے وکان جبارا عنیدا ظلوما غشوما ۔ جابر تھا ظالم تھا ۔ مردم آزار تھا اور ستم شعار تھا ۔ صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ کسی بچہ کا نام ولید رکھتے تھے تو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے کراہت فرماتے تھے ۔ اور فرماتے تھے کہ ولید فرعون کا نام تھا ۔ اور علامہ ابن خلکان اور امام سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کہا کرتے تھے کہ ولید شام میں حجاج عراق میں عثمان ابن حارہ حجاز میں اور قرہ ابن شریک مصر میں فرمانروا ہیں ۔ خداوندا جہان ظلم سے بالکل بھر گیا ۔ تاریخ الخلفاء میں یہ بھی لکھا ہے کہ ولید علم نحو سے بالکل کورا تھا باپ کی تجویز سے نحویوں کو جمع کرکے ایک علیحدہ مکان میں نحو پڑھنے کے لئے بٹھلایا گیا ۔ چھ مہینے تک پڑھتا رہا مگر نکلا تو پہلے سے بھی زیادہ جاہل تھا ؎ تربیت نا اہل را چوں گردگاں بر گنبد است ۔

مورخ ابوالفدا نے ولید کی غلط عربی بولنے کے متعلق ایک دلچسپ حکایت لکھی ہے جو ذیل میں درج کیجاتی ہے ۔

"ایک اعرابی نے دربار خلافت میں اپنے داماد پر نالش کی ۔ ولید نے پوچھا ما شانک ولید کا اصلی مقصد یہ تھا کہ اس سے پوچھے کہ تیرا کیا حال ہے مگر چونکہ بہ فتح نون کہا تھا اس لئے اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تجھ میں کیا برائی یا عیب ہے ۔"

اعرابی متعجب ہو کر کہنے لگا اعوذ باللہ من الشیطن یا خدا سے برائی یا عیب سے پناہ مانگتا ہوں سلیمان ابن عبدالملک نے مدعی عرب کو سمجھایا کہ امیرالمومنین کہتے ہیں ما شانک تیرا کیا حال ہے یہ سنکر اس نے جواب دیا کہ میرے ختن (داماد) نے مجھ پر ظلم کیا ہے ۔ ولید نے پوچھا من ختنک بہ فتح نون یعنی کس نے تیرا ختنہ کیا ہے ؟ اب تو اس مرد اعرابی کو بھی امیر صاحب کی عربی دانی پر بیساختہ ہنسی آگئی اور وہ آداب خلافت سے تبسم زیر لب کرتے کہنے لگا ایک حجام نے میرا ختنہ کیا ہے سلیمان عرب نے خلیفہ کی غلط تقریر کو درست کرکے پھر اس عرب سے پوچھا کہ ما ختنک تیرا کون داماد ہے تب مستغیث نے اپنے مدعا علیہ کی طرف اشارہ کرکے بتلایا کہ یہ شخص میرا داماد ہے ۔

اس کے ایسے بہت سے واقعات اسلامی تاریخوں میں پائے جاتے ہیں جو خارج از بحث اور طوالت کا باعث ہونے کے سبب قلم انداز کیے جاتے ہیں ۔ مگر افسوس ایسے جاہل اور بے مایہ لوگ شریعت کے محافظ ۔ خلافت کے فرمانروا اور عامۂ امت کے مقتدا اور پیشوا تسلیم کیے جاتے ہیں اور احکام الہی اور شرع رسالت پناہی کے حامی ۔ ناصر اور معلم سمجھے جاتے ہیں ۔ اور اہل اسلام کی ہدایت عامہ درشادت نامہ ان کی معلومات کے سپرد کیجاتی ہے ؎

گر ہمیں مکتب است ایں ملا ۔ کار طفلاں تمام خواہد شد

ظالم حجاج نے ولید ہی کے ابتدائے ایام سلطنت میں سعید ابن جبیر سے عظیم المراتب بزرگ کو اصفہان ۔۔ سے بلا کر صرف محبت اہل بیت کے قصور پر قتل کیا ۔ اور ولید سے کچھ نہ کہا گیا ۔ یہ اگر کوئی مصلحت ملکی نہیں تھی تو خطائے اجتہادی تو ضرور ہوگی ۔ ولید نے آخر زمانہ میں اپنے بیٹے یزید کی ولیعہدی کے لیئے بڑے ۔۔۔ مگر چونکہ عبدالملک اپنے زمانہ ہی میں اس امر کا تصفیہ کر گیا تھا کہ میرے بعد ولید اور ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان تخت نشین ہو اس لیے ولید کی کچھ نہ چلی ۔ ولید کی اس مجنونانہ کوششوں سے بنی امیہ میں خانہ جنگی شروع ہو چلی تھی اور ان کے ابتدائے عروج کے وقت سے لیکر اس وقت تک ان لوگوں میں یہ نقص پیدا نہیں ہوا تھا ۔ اس کی شروع اور ابتدا ولید ہی کے زمانہ میں ہوئی سلیمان کے ولیعہد کر دینے سے اس خانہ جنگی کی اصلاح ہو گئی ۔ ورنہ بنی امیہ کے عروج و اقتدار میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتی ولید کے زمانہ میں چونکہ بنی امیہ زیادہ تر ملکی کاروبار اور اپنی

موجود تھا جنگی کے فکر و افکار میں پھنسے رہے اس لیئے انھوں نے مخالفت اہل بیت میں کوئی نئی ایجاد نہیں کی۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ولید کے زمانہ میں اپنے پورے شباب پر پہنچ گئے تھے اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر رہکر طالبان حق کو راہ ہدایت دکھلانے اور سالکان راہ ایمان کو احکام شریعت بتلانے کے مناصب و مدارج پر پورے طور سے فائز ہو چکے تھے۔

سلیمان ابن عبدالملک کی سلطنت

جمادی الثانی ۹۶ھ ہجری میں تخت نشین ہوا اور ڈہائی برس سلطنت کرکے ۹۹ھ ہجری میں مر گیا۔ یہ شخص بڑا کھاؤ اور پیٹو تھا اس نے ایک بیٹھک میں ستر انار چند برے دو بچہ گوسفند چھ مرغیاں۔ ڈیڑھ صاع طائف کی کشمش چٹ کی تھی۔ ابن الحدید معتزلی نے بھی ایسی ہی حکایت اس کے متعلق لکھی ہے جسے دیکھکر حیرت سی ہوتی ہے کہ یہ آدمی تھا یا جن۔ ان کا بیان ہے کہ سلیمان ایک مرتبہ بڑے بڑے بچہ گوسفند دو آبی استی۔ دلیوں کے ساتھ کھا گیا اور پھر حسب معمول لوگوں کے ساتھ اپنے وقت پر روزانہ دستور کے مطابق کھانا بھی کھایا۔

طائف کے ایک باغ میں مقیم تھا۔ ایک بجرا۔ پانچ مرغیاں اور ستو کا ایک بڑا پیالہ بھر کر اس کے سامنے رکھا گیا۔ یہ بندہ خدا سب چٹ کر گیا پھر باورچی سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ آج تو نے کیا پکایا ہے؟ اس نے کہا۔ کچھ او پر اسی دیگچیاں انواع و اقسام کے کھانوں کی تیار ہیں۔ یہ سنکر سلیمان ان میں ایک ایک کو منگانے لگا اور سب میں سے ایک ایک دو دو لقمے لیکر سب کا مزہ چکھنے لگا پھر اس کے بعد حسب معمول دسترخوان بچھایا گیا سب کے ساتھ بیٹھکر سلیمان نے اس خواہش اور چاٹ سے پوری طرح سیر ہو کر کھانا کھایا گویا پہلے کچھ کھایا ہی نہیں تھا۔

مؤرخ ابوالفدا ابن الحدید کا قول ہے کہ سلیمان کی موت بھی اسی زیادہ خوری کے باعث ہوئی۔ وہ اس طرح کہ ایک نصرانی خلافت سے پہلے اس کا دوست تھا۔ ایک روز وہ آیا تو سلیمان اس سے کہنے لگا کہ تو ولید کے زمانہ میں ہمکو طرح طرح کے کھانے کھلایا کرتا تھا اب اس طرح کی مہمانی اور مہربانی نہیں کرتا کیا باعث ہے؟ وہ مرد نصرانی پیشکر دو بھری ہوئی بڑی بڑی زنبیلیں ایک میں اُبلے ہوئے انڈے دوسری میں انجیر اس کے پاس لیکر گیا اور ایک انڈا چھیل کر اور ایک دانہ انجیر شامل کرکے دیتا اور سلیمان اس کو کھا جاتا یہانتک کہ وہ دونوں بھری ہوئی زنبیلیں صاف ہو گئیں اور ان میں چھلکے تک باقی نہ رہے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے سخت تخمہ ہوا اور وہ اسی میں فوت ہوا۔

صاحب روضۃ الصفا نے بھی اس کی زیادہ خوری کی ایک مزید نقل تحریر فرمائی ہے۔ لذت ناظرین کی غرض سے وہ یہاں مندرج کیجاتی ہے۔

سلیمان کے کھانے میں اکثر مرغ بریاں گرم گرم مطبخ سے لایا جاتا تھا چونکہ وہ اتنا گرم ہوتا تھا کہ اسکا ہاتھ سے اٹھانا دشوار تھا۔ اور سلیمان میں اتنا تامل کہاں کہ اس کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کریں۔ یہ اس مرغ بریاں کو اسی حالت میں اپنی لمبی آستینوں سے تھام کر کھانے لگتے تھے نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے کرتے کی آستینیں ہمیشہ شوربے سے تر اور کثیف رہا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس کی تصدیق اس واقعہ کی پورے طور پر ہوتی ہے کہ امام عاصمی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید کی صحبت میں سلاطین اموی کا ذکر نکلا جب سلیمان کا نمبر پہنچا تو میں نے کہا کہ وہ تو گرما گرم مرغ اپنے کرتے کی آستینوں سے پکڑ کر کھایا کرتے تھے۔ یہ سنکر ہارون نے کہا کہ سچ ہے۔ تم بنی امیہ کا ذرہ ذرہ حال جانتے ہو واقعی ایسا ہی ہے جیسا تم نے بیان کیا جب میرے پاس ملوک بنی امیہ کے وہ مال اور اسباب جو اہل لشکر غنیمت میں لائے تھے پیش کیئے گئے تو اس میں سلیمان کے کرتے بھی تھے میں نے ان کے کرتے کی آستینوں کو ایسا ہی غلیظ میلی اور آلودہ پایا جیسا تم نے ابھی ابھی کہا۔ چونکہ مجھ کو اس وقت تک حقیقت حال معلوم نہیں تھی اس لیئے مجھے تعجب تھا کہ اس کے

لباس میں خاصکر آستینوں کے خراب اور غلیظ رہنے کی کیا وجہ ہے۔ مگر اب تُمنے اس کی اصل وجہ بتلا کے میری تشفی کر دی۔ یہ کہکر ہارون رشید نے ان کرتوں کو منگایا۔ دیکھا تو وہ ویسے ہی تھے جیسے اوپر بیان کیئے گئے۔ ان کی زیادہ خوری کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ سونے کے وقت بھی ان کے سرہانے کھانے سے بھرے ہوئے دسترخوان رکھدئے جاتے تھے رات بھر میں جے بار ان کی آنکھ کھلتی تھی یہ اس میں سے نکال نکالکر کھایا کرتے تھے۔ ان کے روزانہ کھانے کا وزن پانچ رطل عراقی تک بتلایا گیا ہے۔ ان کے زمانۂ سلطنت میں اہل عرب نے سوائے کھانے اور پکانے کے اور کچھ حاصل نہیں کیا۔

مؤرخ ابوالفدا ان کی نسبت ان تمام واقعات کی تصدیق اپنی تاریخ میں کرتے ہوئے اتنا اضافہ اور فرماتے ہیں کہ سلیمان نے تمام مخنثوں کو جو مدینہ میں رہتے تھے حکم دیا کہ سب کو خصی کرا دو۔ چنانچہ ان کے عامل مدینہ ابوبکر ابن عمر الانصاری نے تمام مدینہ کے مخنثوں کو پکڑ کے خصی کرادیا غرض یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے عرب میں ہیجڑے بنانے کی ایجاد فاکم کی اور یہ امر اسی کی اولیت میں آج تک شمار کیا جاتا ہے سلیمان نے ابوہاشم حضرت محمد حنفیہ کے پوتے کو زہر دیکر شہید کیا جس کی پوری کیفیت ہم عباسیوں کے آغاز احوال میں تفصیل سے درج کریں گے۔

عمر ابن عبدالعزیز کی سلطنت کا زمانہ

سنہ ۹۹ ہجری میں عمر ابن عبدالعزیز تخت نشین ہوا اور سنہ ۱۰۱ ہجری میں فوت ہوا۔ اس کے ایام سلطنت دو برس اور پانچ مہینے ہوتے ہیں۔ خدا کے بیشمار مصالح ہیں جن کا علم سوائے اس کے کسی اور کو نہیں ہوتا ایک یہ امر بھی تھا کہ اس قادر مطلق نے بنی اُمیہ کے بدنام سلسلہ میں اس نیک نام خلیفہ کو خلق فرمایا جو اپنے ذاتی محاسن کی وجہ سے اپنے تمام اسلاف کا سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز ثابت ہوا۔ ہمارے فاضل معاصر صاحب کاشف الحقائق تحریر فرماتے ہیں۔

عمر ابن عبدالعزیز کو الاشج بنی العیصان [illegible]

کہا جاتا ہے مگر ہمارے نزدیک نظر با وصاف حمیدہ جو عمر میں تھے وہ اس سے زیادہ مدح کا مستحق ہے بلکہ اگر اس میں صرف یہی ایک وصف ہوتا کہ سب و شتم جناب مولانا امیرالمومنین علیہ السلام کو جو بنی اُمیہ نے چار دانگ عالم میں پھیلا رکھے تھے موقوف کرادیا۔ تو یہی اس کے لیئے کافی تھا۔ اس نے اس سے صرف شیعوں ہی کو روز قیامت تک اپنا زیربار احسان نہیں بنایا بلکہ خود اپنے لیئے بھی ایک معقول توشۂ راہ عاقبت کا بہم پہنچایا۔ علامہ سید رضی علیہ الرحمہ اپنے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں۔

یا ابن عبد العزیز لو بکت العین فتی من بنی
امیة لبکیتک غیر انی اقول انک طبت وان لم
تطب ولم یزک بیتک انت نزهت عن السبت
والقذف لو امکن الجزاء لجزیتک۔

اے پسر عبدالعزیز ہماری آنکھیں بنی اُمیہ میں سے اگر کسی کے لیئے گریاں ہوتیں تو البتہ تجھی پر روتیں۔ اب میں صرف اتنا کہتا ہوں کہ تم پاک و پاکیزہ ہو۔ ہر چند تمہارا خاندان اصلاً پاکیزگی نہیں رکھتا تونے ہمکو سب و شتم سے خلائق کی پاک کیا اگر ہم تیرے بدلہ دینے پر قدرت رکھتے تو البتہ تجھے اس کا بدلہ دیتے اس امر کی تحریک کے باعث جو امور ہوئے ان کو ہم معتبر تاریخوں کے اسناد سے اس کتاب کی پہلی جلد میں خاص عمر ابن عبدالعزیز کی زبانی نقل کر چکے ہیں۔ الغرض اس [illegible] ایک یہ امر بھی امتناع سب علی علیہ السلام کا باعث ہوا جسکو ہم تاریخ میں ابن اثیر کے اسناد سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

عمر ابن عبدالعزیز کی تعلیم سے ایک طبیب یہودی بغرض [illegible] اثنا میں داخل ہونے کے علاوہ بہت [illegible] اور ہر دل عزیز تھا۔ ایک دن دربار خلافت میں [illegible] عمر ابن عبدالعزیز کی لڑکی سے عقد کا خواستگار ہوا۔ اور بکمال آزادی خلیفہ سے اس امر نازک کا مستدعی ہوا عمر ابن عبدالعزیز نے نہایت متانت سے سب کے سامنے اس کو

جواب دیا کہ یہ پیوند ہمارے تمہارے کیسے ہوسکتا ہے کہ تم یہود ہو اور ہم مسلمان۔ ہماری تمہاری دینی مخالفت اس دنیاوی مواصلت کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ سنکر اس یہودی نے کہا کہ پھر کیونکر تمہارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لڑکی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو دی۔ عمر ابن عبد العزیز نے کہا سبحان اللہ اعلیٰ تو مصطفےٰ کے امت محمد سے تھے یہودی بولا تعجب ہے کہ پھر ایسے اعظم ترین شخص پر کیوں لعنت کیجاتی ہے۔ یہ سنکر عمر تمام حاضرین بنی امیہ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ آپ حضرات اسکا جواب دیں۔ یہ سب کے سب سر جھکائے خاموش رہے اور اسی دن سے عمر ابن عبد العزیز نے اس رسم قبیح کو تمام ممالک سے منسوخ کر دیا۔

ہمارے فاضل محقق روضۃ الصفا کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ اس کے علاوہ عمر نے ایک اور بڑا کام یہ کیا کہ علاقہ فدک کہ خلافت اول میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے ذالحصے کھلکر خلافت کے مقبوضات میں ملا لیا گیا تھا۔ اس نے اولاد فاطمہ کو واپس کیا۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اس کا متولی بنایا۔ اس پر بنی امیہ نے یہ شور مچایا کہ اس فعل سے شیخین پر تشنیع کی ہے۔ ایسی ہی باتوں سے ان لوگوں نے ناخوش ہو کر اسے زہر دیدیا۔

تاریخ ابو الفدا میں بھی ان کی وفات کا یہی سبب لکھا ہے ان کی عبارت یہ ہے کہ وہ شخص زہر کھا کر مرا۔ باعث اسکا یہ ہوا کہ بنی امیہ نے یہ خیال کیا کہ اگر یہ شخص مدت دراز تک جیتا رہا تو ہمارے ہاتھوں سے خلافت جاتی رہے گی۔ کیونکہ اس کے بعد اسکا ولیعہد یہی ہوگا جو اسی ایسا ہوگا۔ اس لیے ان لوگوں نے کچھ بھی دیر نہ کی اور شربت سم آلود پلا کر آخر کار اس کو مار ہی ڈالا۔

یزید ابن ولید کی سلطنت

عمر ابن عبد العزیز ایسا لائق شخص اپنے بعد یزید کے ایسے ناکارہ کو اپنا ولیعہد بنائے تعجب ہے۔ مگر جب تاریخوں سے اس تاریکی پر روشنی ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ عمر ابن عبد العزیز اس معاملہ میں بالکل بقصور اور مجبور تھا۔ اس کی خواہش ہرگز یہ نہیں تھی کہ وہ اس سلطنت کو جسے اس نے بڑی کوششوں کے ساتھ بدنامی سے نکالنا چاہا ہے پھر وہ یزید کے ایسے بدکردار اور ناستودہ اطوار شخص کے حوالہ کرے۔ چنانچہ اس کی اس رائے اور ارادے کا ثبوت شوذب بسطامی کے واقعہ سے پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے جس کو روضۃ الصفا کے ترجمہ سے خلاصہ کر کے ذیل میں مندرج کرتے ہیں۔

شوذب بسطامی خوارج کا رئیس تھا۔ حوالی کوفہ میں اس نے اسی آدمیوں کی قلیل جماعت کے ساتھ خروج کیا۔ عمر ابن عبد العزیز نے مقابلہ سے طرح دیکر خوارج کو مناظرہ کے ذریعہ سے ہدایت فرمانی چاہی۔ شوذب نے اپنے دو تین اصحاب مخصوصین کو مناظرہ و مباحثہ کی غرض سے عمر ابن عبد العزیز کے پاس بھیجدیا۔ ان میں سے ایک کا نام اشکری تھا۔ غرض ان لوگوں سے اور عمر سے خوب خوب مناظرے اور مباحثے ہوتے رہے۔ عمر ابن عبد العزیز نے ہر طرح ان کو زیر کیا۔ اور ان سب نے ان کے قول کی تصدیق کی مگر سب سے آخر میں اشکری نے عمر ابن عبد العزیز سے یہ سوال کیا کہ آپ ایسے شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ جو تمام مسلمانوں کا فرمانروا اور پیشوا ہو اور کاروبار دنیاوی میں پوری عدالت سے کام کرتا ہو مگر اپنے بعد وہ امر خلافت ایک ایسے نالائق شخص کے سپرد کرے جسے وہ خود ظالم ترین مردم خیال کرتا ہو۔ عمر نے جواب دیا کہ بیشک وہ شخص خاطی اور عاصی ہے۔ یہ سنکر اس یہودی نے کہا کہ اب آپ ہی انصاف سے بتلادیں کہ آپ اپنے بعد امر امارت یزید ابن ولید کو سپرد کرنیوالے ہیں یا نہیں۔ حالانکہ آپکو پورا علم ہے کہ وہ اس امر کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتا اور اس کا کوئی فعل نیک اور بہتر نہیں ہے۔ اس کے یہ کلام سنکر عمر ابن عبد العزیز رونے لگے اور کہنے لگے مجھے تین روز کی مہلت دیں کہ میں اس امر پر غور کروں گا۔ چنانچہ خوارج نے

تین دن تک عمر کے تصفیہ کا انتظار کیا۔ اس معاملہ کی کیفیت
قوم بنی اُمیہ کو معلوم ہوئی تو ان لوگوں نے یہ سوچکر کہ شاید
عمر ابن عبد العزیز ولیعہدی کا انتظام ہمارے قبیلہ سے
نکالکر کسی دوسرے قبیلہ کے ساتھ نہ کرے عمر کو ایک
خادمہ کے ذریعہ سے زہر دلوا دیا جس سے اُن کی وفات
واقع ہوئی۔ اور وہ تین روز معہودہ گزرنے بھی نہ پائے۔
یزید ابن ولید کو ان چالوں سے سلطنت ملی۔ اب ان کے
افعال و اطوار کی ذیل میں صاحب کاشف الحقائق امام
سیوطی کے اسناد سے لکھتے ہیں۔

یزید ابن ولید نے عمر ابن عبد العزیز کے بعد اُس کے تمام
کام اور قانون اور قاعدے بدل ڈالے۔ چالیس بوڑھے
ریش دراز بنی اُمیہ نے اس کے سامنے گواہیاں دیں
اور حلف اٹھائے کہ خلفاء کے لیئے نہ کوئی حساب ہے
نہ کتاب۔ نہ عذاب ہے نہ عقاب۔ بس پھر کیا تھا یزید
کفر و عصیاں کے دریا میں کود پڑا۔ پہلے ایک کنیز مسماۃ
سلامۃ النفس منظور نظر ٹھہری اور تمام کاروبار ملکی اُسی
کے سپرد ہوئے۔ پھر تھوڑے دنوں کے بعد حبابہ اُس پر
حاوی ہوئی۔ ڈوم ڈھاڑھی دور دراز ملکوں سے بلوائے
گئے۔ ناچ اور رنگ کی صحبتیں گرم ہوئیں۔ ابو حمزہ خارجی
کہا کرتا تھا اور ٹھیک کہا کرتا تھا کہ یزید نے دہنے ہاتھ پر
حبابہ اور بائیں ہاتھ پر سلامہ کو بٹھایا اور کہا میں پرواز
کرتا ہوں اور واقعی وہ اُڑ بھی گیا مگر کہاں اور کس طرف؟
لعنت خدا اور اُس کے عذاب دردناک کی طرف۔

آخر یہی حبابہ یزید کی جان لینے کی باعث ہوئی۔ یزید
اُردن کے مقام پر ایک باغ میں گیا۔ حبابہ ساتھ تھی۔
لطف صحبت میں ایک نئی قسم کی دل لگی سوجھی۔ انگور کے
دانہ اُس کی طرف پھینکتا تو وہ منہ میں لے لیتی۔ اتفاقاً ایک
دانہ اُس کے حلق میں اٹک گیا۔ حبابہ کی سانس بند ہو گئی اور
جان نکل گئی۔ یزید اس ناگہانی صدمہ سے کوہ غم ٹوٹ پڑا
سات روز تک اپنی پیاری محبوبہ کی لاش آگے رکھے دیکھتا
رہا اس عرصہ میں اُس مردہ لوتھ سے جماع بھی کیا جب
امرا اور خواصوں نے بہت لعنت ملامت کی تب اُس لاش کا
پیچھا چھوڑا۔ مگر یہ صدمہ ایسا نہ تھا کہ اُسے پنپنے دیتا۔ چند
روز مبتلائے غم و الم رہکر خود بھی دار دنیا سے کوچ کر گیا۔
ہر چند یہ ناپاک اور انسانیت سے گزری ہوئی باتیں عوام
کالانعام سے بھی بعیدی اور بد نما معلوم ہوتی ہیں۔ چہ جائیکہ
سلاطین کبار اور خواقین نامدار سے جب دیکھا جاتا ہے
کہ ان فواحش کے مرتکب وہ لوگ تھے جو مذہبی پیشوا۔ نیابت
اور جانشینی پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے
دعویدار تھے تو اس کی خرابی ایک سے ہزار اور اندک
سے بسیار ہو جاتی ہے۔

ہشام ابن عبد الملک کی سلطنت

ہشام ابن عبد الملک ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اُس وقت
اسکا سن چالیس برس کا ہو چکا تھا۔ صاحب کاشف الحقائق
مروج الذہب[1] مسعودی کے اسناد سے لکھتے ہیں کہ ہشام
احول چشم۔ درشت خو۔ تند مزاج۔ جمع اموال کا حریص اور
اسقدر کنجوس تھا کہ پھوٹی کوڑی بھی کسی کو نہ دیتا تھا۔ اسکے
عہد میں ابواب خیر و خیرات بالکل بند ہو گئے تھے۔ اسوجہ
اس کا زمانہ سخت ترین ایام گنا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ
اپنے مصاحبوں کے ساتھ ایک باغ میں گیا۔ ان لوگوں نے
کچھ پھل توڑ کر کھائے۔ پھر کہا کہ خدا اس باغ کے پھلوں
میں برکت دے۔ ہشام نے کہا۔ برکت کس میں دے گا
تمام پھل تو تم کھا گئے۔ پھر باغبان کو بلا کر کہا کہ تمام میوہ دار
درخت کاٹ کر پھینکدو اور انکی جگہ پر زیتون کے درخت
لگاؤ کہ کوئی اُسکا پھل نہ کھا سکے۔

عقال ابن شیبہ کہتا ہے کہ ہشام نے مجھے خراسان بھیجا تو
وہ قبائے پوستین پہنے ہوئے تھا۔ وہ تو مجھ سے کہتا تھا کہ
خراسان میں جاکر یہ کرنا اور وہ کرنا اور میں ٹکٹکی لگائے اُسکی
قبا کو دیکھ رہا تھا۔ پوچھا اس کپڑے کو کیوں دیکھ رہا ہے۔

---

[1] مروج الذہب۔ ابو الفدا بھی ان کے اوصاف میں یہی لکھتے ہیں
ترجمہ ابو الفدا مطبوعہ دلی ص ۲۹۱ - ۱۲۔

میں نے کہا یہ وہی لباس ہے کہ آپ خلافت سے پہلے اس کو پہنے ہوئے تھے یا کوئی اور ہے کہا ہاں وہی ہے۔ ایک مرتبہ صاحبزادے کا گھوڑا چونکہ لاغر اور ضعیف ہو گیا تھا اس نے دوسرا گھوڑا مانگا باوجودیکہ چار ہزار گھوڑے اصطبل میں خاصہ کے موجود تھے مگر بیٹے کو گھوڑا نہ دیا۔

ہشام اور شیخ کوفی کی ملاقات ہشام کی خلافت کا ایسا مشہور و معروف قصہ ہے جس کو تمام اسلامی مورخین نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ اور حقیقت میں یہ واقعہ قوم بنی امیہ کے عادات و اطوار اور اُن کے کردار و رفتار کا کامل اور صحیح فوٹو ہے جس میں ابوسفیان سے لیکر ہشام تک سب کے حالات اور عادات کی مختلف الالوان اور عجیب الشان تصویریں دکھلائی دیتی ہیں۔ ہم اُس کو روضۃ الصفا کے ترجمہ سے ذیل میں لکھتے ہیں۔

ہشام اپنے زمانہ سلطنت میں بغرض سیر و تفریح ایک جنگل کی طرف جا نکلا کہ یکایک اُس کے سامنے سے ایک غبار دکھلائی دیا۔ یہ دیکھکر ہشام نے اپنے ہمراہیوں کو وہیں ٹھہرنیکا حکم دیا اور خود ایک غلام کے ساتھ اُس غبار کی طرف چلا جب وہ قریب پہنچا اور وہ گرد بیٹھ گئی تو اُس نے دیکھا کہ سوداگروں کا ایک قافلہ ہے جو روغن زیت اور دیگر اشیاء تجارتی فروخت کرنے کی غرض سے لیئے جا رہے ہیں اُس قافلہ میں ایک مرد ضعیف ہے جو اپنی ذاتی وجاہت کی وجہ سے اُس قافلہ کا رئیس معلوم ہوتا ہے ہشام نے اُس سے پوچھا آپ کون ہیں کس قوم کس قبیلہ سے ہیں اور کس سرزمین کے رہنے والے ہیں۔ پیرمرد نے جواب دیا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں مگر آپ کو میری نسبت اتنی تلاش کی کیا ضرورت ہے۔ اگر میں عرب کے کسی نمودار قبیلہ سے ہوں تو اُس کی یادداری آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور اگر میں کسی ذلیل اور بدنام قبیلہ کا آدمی ہوں تو اُس کی ذلت آپ کی مضرت کا باعث نہیں ہو سکتی۔ پھر آپکا یہ مہمل سوال ایسا ہے جس سے نہ آپکو کوئی فائدہ ہو سکتا ہے نہ ضرر۔ یہ سنکر ہشام نے کہا کہ تیری تقریر سے مجھے معلوم ہو گیا کہ تجھے اپنے اصلی حال بتلانے میں حیا آتی ہے۔

وہ پیرمرد بولا کہ آپکی بدصورتی اور کریہ المنظری آپ کی پست نسبی اور دنائت کو ثابت کر رہی ہے جسے میں خوب پہچان گیا۔ میں خوب جانتا ہوں کہ خودستائی امر مستحسن نہیں ہے مگر چونکہ مجھے اس وقت اس کی ضرورت پیش آگئی ہے اس لیئے میں آپکو مطلع کرتا ہوں کہ میں فلاں قبیلہ سے ہوں اور فلاں فلاں سردار اور وہ اشخاص میرے عزیز و اقارب ہیں ہشام نے اتنا سا تو جواب دیا کہ میں قبیلۂ قریش کا ایک آدمی ہوں۔ پیرمرد بولا کہ قبیلۂ قریش تو ایک بہت بڑا اور وسیع قبیلہ ہے۔ جس میں چھوٹے بڑے ادنےٰ اعلیٰ ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ اب آپ مہربانی فرماکر یہ بتلا دیں کہ قبیلۂ قریش میں آپکا سلسلہ کس بطن اور کس عشیرہ سے ملتا ہے۔ اور ان کے محامد و اوصاف کیا ہیں۔ ہشام نے نہایت تمکنت سے کہا کہ میں اشراف و اعیان بنی امیہ سے ہوں اور فی زمانہ بنی امیہ وہ ہیں جن سے شرف و بزرگی میں عرب کا کوئی شخص برابری کا دعوےٰ نہیں کر سکتا اور کوئی متنفس اُن سے انتقام یا مقابلہ کی قدرت نہیں رکھتا یہ سُننا تھا کہ پیرمرد ٹھٹھے مار کر دیر تک ہنستا رہا۔ کچھ ہنسی کو ضبط کر کے کہنے لگا مرحبا بک یا اخی بنی امیہ آپ کیوں اتنی دیر تک اپنی شرافت نسبی کو چھپاتے رہے اور مجھکو بھی غلط فہمیوں میں ڈالے رہے۔ اچھا ہوا آپنے حقیقت حال صاف صاف لفظوں میں بیان کر دی اور جو کچھ شبہے اور مغالطے میرے دل میں تھے سب نکال دیئے اس میں شک نہیں کہ آپکا نسب بہت بڑا نیک۔ آپکا قبیلہ بہت بڑا پاک۔ آپکا خاندان بہت بڑا رفیع اور آپکا دودمان بہت بڑا مشہور و معروف ہے۔ افسوس آپکو اپنے موجودہ حسب نسب سے شرم اختیار کرنی چاہیئے۔ کیا آپنے نہیں سنا ہے کہ بنی امیہ ایام جاہلیت میں سودخوار تھے اور جب مسلمان ہوئے تو خاندان رسالت و دودمان نبوت کے حقوق پر دست تصرف دراز کرنے لگے اور آپکے راس الرئیس خاندان تو زمانۂ سابق میں شراب فروش و مےخوار اور آپ اُسی کے اعقاب یادگار سلاطین جبار اور ظلمۂ روزگار۔

آپ کے قبیلے نے پیاپے چالیس معرکوں سے راہ فرار اختیار کی ہے اور شکست پر شکست کھائی ہے اور اپنے سربرآوردہ اور نامی بہادروں کو مٹا دیا ہے اور اپنی شرم وحیا کو دھو دیا ہے اور پھر بھی انتقام کی جرأت نہیں کر سکتے بیشک وہی قوم ہمیشہ کے لیئے ذلیل وخوار ہے جو مذہبی اصول اور اخلاقی اعتبار دونوں طریقوں سے مذموم ہوں اور علاوہ بریں اُن کی شجاعت اور دلیری بھی اُن کی بزدلی اور جبن کا پورا ثبوت دے رہی ہو۔ اور ان امور کے ساتھ آپ ہی حضرات وہ بزرگوار ہیں جو موافق ارشاد جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل دوزخ ہیں۔ آپکا تمام قبیلہ اپنے ننگ وعار کی وجہ سے دنیا میں کسی کو اپنا مُنھ نہیں دکھلا سکتا اور آپ کی تمام قوم اپنی بداطواری اور غلاظت طبعی کی وجہ سے اپنے سر زانو ئے خجالت سے نہیں اُٹھا سکتی جنگ بدر میں جو کافروں کی طرف سے علمدار لشکر تھا وہ عتبہ تھا۔ وہ تمہارے ہی قبیلہ کا آدمی تھا۔ اور ہندہ جو تمام دنیاوی عیوب سے بھری ہوئی تھی تمہارے ہی قبیلہ کی عورت تھی۔ صخر ابن حرب یعنی ابو سفیان تمہارے ہی بزرگوں میں تھے۔ جو ایام جہالت میں شراب فروش تھے۔ کچھ تھوڑی ترقی ہو جانے پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیشہ لڑتا رہا۔ اور عاجز ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوا بھی تو اُس کو اسلام کی طرف سے عقیدت وخلوص کی توفیق نہ ہوئی۔ معاویہ۔ کہ سات بار جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے لیئے ایسا ایسا کہا۔ آپ کا راس الرئیس پیشوا اور مقتدا تھا۔ اُس نے ابن عم اور وصی جناب مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کی اور زیاد ولد الزنا زادہ کو اپنے نسب میں ملا لیا اور اُس کی منکوحہ ذات القلایہ کو طلاق دیکر اپنے نکاح میں لایا۔ جب اُس کے ایام دولت تمام ہونے لگے تو اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد کر گیا جسنے تمام شریعت نبوی کے اصول کو اُکھاڑ پھینکا۔ اور ہر سنت کے مقام پر ایک تازہ بدعت ایجاد کی اور ابن زیاد کو خونریزی پر دلیر اور حریص بنا دیا اور اُس کو شیعیان علی ابن ابیطالب علیہ السلام پر مسلط کیا اور عقبہ بن حبط کو جس کے قریشی ہونے سے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا تھا۔ اپنے نسب میں ملحق کر لیا اور اپنے اقربا کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بھی اُسے حوالہ کر دی۔ حالانکہ وہ قبیلۂ صفوریہ کے یہودیوں سے تھا جن کو بہترین عالم حضرت علی مرتضٰے علیہ التحیۃ والثناء نے قتل فرمایا۔ اور اُس کے تمام معائب اور شرمناک آپ حضرات کے ساتھ رہے۔ ایسا مشہور ومعروف اور ممدوح وموصوف شخص آپ ہی کے قبیلہ سے ہے اور آگے سُنیئے ان کے صاحبزادے ولید ابن عقبہ جب شراب پیکر مسجد کوفہ میں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو دو رکعت کی جگہ چار رکعت نماز پڑھا گئے۔ یہ وہی ہیں جن کے حق میں قرآن مجید میں خدا نے فاسق کا لفظ وارد فرمایا ہے۔ افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستوون وہی آپ لوگوں میں ممتاز بین الاقران ہیں۔ عبد الملک۔ جو آپکے بزرگوں میں تھے جن کے اصحاب مخصوصین میں حجاج سا لعین شامل تھا اور وہ تمام خائن بدکار۔ غدار اشرار آپ ہی کے اعوان والنصار میں اس وقت تک موجود ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے اولاد پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا منجنیقیں لگاکر پتھر اور غلیظ ونجس چیزیں حرم محترم میں پھینکیں۔ غرض میری تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپکا تمام خاندان بدکار۔ آنکا اول ناہنجار۔ اُن کا اوسط طرار۔ اور اُن کا آخر مکار کفار آپکے خاندان کے شریف خوار اور وضیع غدار ہیں۔

صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ پیر مرد کی یہ تقریر سُنکر ہشام کے ہوش وحواس جاتے رہے۔ اور ایسی شرم وندامت لاحق حال ہوئی کہ وہاں سے فوراً گھوڑے کی باگ پھیر کر چلتا ہوا۔ راستہ میں اپنے خادم سے پوچھا کہ اس پیرمرد کی تقریر تونے تو نہیں سُنی ہ چالاک اور نتیجہ شناس غلام نے کہا کہ پیر مرشد میں تو اُس کی لایعنی تقریر سُنکر ایسا مبہوت ہو گیا کہ مجھے مطلق خبر نہیں کہ وہ دیوانہ اپنی رَو میں کیا کیا بک گیا میں آپکے قدموں کی قسم ایسا خود فراموش ہو رہا تھا کہ اگر مجھ کو اُس وقت میرا نام بھی پوچھا جاتا تو شاید میں اپنا نام بھی نہ بتلا سکتا۔ اس لیئے مجھے اُس کے مہملات کا مطلق علم نہیں۔ بلکہ

درمیان گفتگو میں حضور کے حق نمک اور میری وفاداری اور جاں نثاری کا بار بار یہ تقاضا ہوتا تھا کہ لپک کے ضرب شمشیر سے اس کے سر کو قلم کر دوں۔ پھر مرشد ابو حنیفہ میں میں نے تو آج تک ایسا بوڑھا کافر دشمن شیخ کو دیکھا ہی نہیں تھا۔

غلام کی تقریر سنکر ہشام نے کہا خیریت ہو گئی کہ تو نے ان امور سے اپنی لاعلمی ظاہر کر دی۔ ورنہ میں تیری اسی وقت سر اور گردن اتاری ہوتی۔ اب بھی مزید احتیاط کے اعتبار سے تجھ کو سمجھاتا ہوں کہ اگر اس کی تقریر سے تجھ کو بھی کچھ یاد ہو تو اسے عمداً بھول جا اور خبردار کسی سے اس کا ذکر نہ کیجو۔ ورنہ تیری جان شامت جائیگی اور اگر کسی سے بیان نہیں کرے گا تو صاف بچ جائیگا اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

ہشام وہاں سے آگے بڑھا۔ جب اپنی فوج سے آملا تو حکم دیا کہ فلاں مقام پر اس شکل اور اس وضع کا ایک پیر مرد ہے اسے گرفتار کر کے میرے پاس حاضر کرو قبل اس کے کہ ہشام کے آدمی اس کی گرفتاری کے لئے موقع پہنچیں اس پیر مرد نے اپنے علم قیافہ سے پہچان لیا کہ یہ شخص جس سے ابھی ابھی ایسی مخالفانہ تقریر ہوئی ہے وہ حاکم وقت ضرور تھا۔ اپنے مقام پر پہنچکر میری گرفتاری کا حکم کرے تو کوئی تعجب نہیں۔ یہ خیال کر کے وہ وہاں سے فوراً لیٹا اور ایک غیر متعارف مقام میں پوشیدہ ہو گیا۔

ہشام کے فرستادہ سوار وہاں آئے اور اسے دیر تک تلاش کرتے رہے مگر کہیں اس کا نشان نہ ملا تو آخر مایوس ہو کر اپنے ہشام کو واپس گئے۔ ہشام کے ہمراہی غلام کا بیان ہے کہ میں نے یہ راز ہشام کی زندگی میں کسی سے بھی نہیں کہا جب وہ مر گیا تو میں نے اس خبر کو علی العموم سب سے ظاہر کر دیا۔

ہشام ہی کے زمانہ سلطنت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار جناب امام محمد باقر علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ سے شام میں تشریف لے گئے تھے۔ اس سفر کی پوری کیفیت ہم اس سے قبل کی کتاب میں لکھ چکے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ ہشام نے بعض مخالفوں کی اغوا سے جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو مع امام جعفر صادق علیہ السلام کے شام میں بلایا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ چند روز تک نظر بند رکھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ اور مدینہ واپس جانیکی اجازت بھی دی تو تمام منزلوں میں یہ حکم عام دیدیا کہ کوئی شخص آپکے ہاتھ نہ کوئی سودا بیچے اور نہ آرام و آسایش کے کوئی سامان آپکے لیئے فراہم کرے۔ اور نہ کوئی ان کو اپنا مہمان بنائے غرضکہ یہ مقدس حضرات یہ تمام صعوبتیں اٹھا اٹھا کر مدائن کی راہ سے کسی نہ کسی طرح مدینہ پہنچے تھوڑے دنوں کے بعد ہشام نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو ۱۱۴ ہجری میں زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔

ہشام کی ان مخالفتوں کی وجہ بظاہر تو اس کے سوا کچھ اور معلوم نہیں ہوتی کہ اس زمانہ میں شریعت اہلبیت علیہم السلام کی تعلیم و تلقین نہایت زوروں سے جاری تھی اور چاروں طرف سے تمام اہل اسلام مدینہ میں آتے تھے اور ان حضرات کی خدمات سے تعلیم و تدریس کے اعزاز حاصل کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ۔ قاضی ابو یعلی سعید ابن مسیب۔ اور سفیان ثوری۔ ابراہیم ادہم شفیق بلخی وغیرہ کے ایسے ہزاروں کے نام عموماً تمام کتابوں میں درج ہیں جو آستانہ ہدایت نشانہ سے علوم ظاہری اور باطنی کی تعلیم پاکر تمام دیار و امصار میں مشہور و معروف ہو رہے تھے۔ ہشام کو یہ امر خلاف گذرا اور وہ ان ذوات مقدسہ کی اس شہرت کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکا۔ آخر کار پوشیدہ طور پر آپکو زہر دلوا دیا۔

بہرحال ہشام ہی کے زمانہ سلطنت سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ اور شروع ماہ محرم ۱۱۴ ہجری سے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے بعد سریر امامت پر رونق افروز ہوئے۔

حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی شہادت

ہشام کے زمانہ کا بہت بڑا واقعہ اور اس کے مظالم کا سخت ترین نمونہ ہے جو ۱۲۲ ہجری میں واقع ہوا۔ اس کی خلاصہ کیفیت یہ ہے۔

جناب زید ان پُر غیرت اور دلیر بزرگواروں میں سب سے زیادہ

پرجوش تھے۔ جو واقعات کربلا کے دردانگیز واقعات اور قیامت خیز مصائب کو سُن سُن کر حد سے زیادہ متاثر ہو رہے تھے اس میں شک نہیں کہ جناب زید ہاشمی خاندان والا اور دودمان اعلیٰ کے چشم و چراغ تھے جو حیثیت شجاعت اور دلیری کے اعتبار سے تمام اہل عرب کا سرمایۂ ناز اور باعث اعزاز ہو رہا تھا۔ یہ حضرت زید ہی کے جد بزرگوار تھے جنہوں نے باوجود اس کے کہ ساری دنیا یزید کی طرف ہو گئی۔ مگر اپنا ہاتھ اُس کے نجس ہاتھ سے مس ہونے دیا اپنی جان دیدی۔ مگر دین اسلام کو حیات ابدی عنایت فرمائی۔ پھر حضرت زید سے لڑ کر مرجانا کوئی انھونی بات تھوڑی سمجھی جاسکتی ہے۔

جناب زید امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے مسماۃ حوریہ کے بطن سے تھے۔ جسے مختار نے آپ کی خدمت میں کوفہ سے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ حضرت زید کی ولادت سنہ ۸۰ ہجری میں بتلای جاتی ہے۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کا سن ۳۷ سال کا ثابت ہوتا ہے۔

امام صباغ مالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں بذیل تذکرہ حضرت زید لکھتے ہیں۔ وکان زید ابن علی رضی اللہ عنہ دینا شجاعا ناسکا وکان من احسن بنی ھاشم عبادۃ و اجملھم مادۃ۔ حضرت زید ابن علی رضی اللہ عنہ مرد متدین شجاع اور غیور تھے اور تمام بنی ہاشم میں باعتبار صورت و سیرت کے زیادہ تر وجیہ تھے۔

اس میں شک نہیں کہ جس طرح بنی اُمیہ کو سادات سے قطعی تنفر تھا وہ تمام دنیا پر ظاہر ہے۔ غریب سادات اپنی کمزوری اور افلاس کی وجہ سے اُن کے مظالم کا جواب تو دے ہی نہیں سکتے تھے اسی وجہ سے حضرات ائمہ معصومین نے ان کی طرف سے قطعی علیحدگی پسند فرمائی اور ان کے جملہ امور سے خموشی اور بنہ گوشی اختیار فرمائی۔ اور ان تمام امور سے دست بردار ہو کر اپنی مقدس جانوں کے بچ ہی جانے کو ہزار غنیمت سمجھ لیا تھا اور اپنے موجود مخالفین کے مقابلہ میں ان ذوات طاہرہ نے سکوت اور احتیاط کا وہی مسلک اختیار کر لیا تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد جناب امیر المومنین علیہ السلام نے خدا کی مصلحت اور رسولؐ کی وصیت کے مطابق پچیس چھبیس برس تک اختیار فرمایا تھا۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کا تمام زمانہ اسی مسلک پر گزرا۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے بھی مادام الحیات یہی طریقہ اختیار کیا۔ ان کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اسی کی پابندی لازمی سمجھی۔ مگر حضرت زید نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد بنی اُمیہ کے گذشتہ اور موجودہ مظالم پر زیادہ تحمل کرنا کسی طرح پسند نہ فرمایا اور اُن سے مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے انھیں ہر چند سمجھایا اور صبر و سکون اختیار کرنے کے لیے کئی مرتبہ موعظت فرمائی مگر یہ اپنے ارادوں سے باز نہ آئے۔ مگر ہاں اتنا ضرور ہوا کہ آپ کے زمانہ حیات تک انھوں نے بنی اُمیہ سے مقابلہ نہیں کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی ان کو آمادہ پیکار اور سرگرم کارزار پاکر باز رکھنا چاہا۔ اور تمام موجودہ اور آئندہ قرینوں سے سمجھایا۔ مگر یہ نہ مانے۔ اہل عراق کی ظاہری اطاعت اور زبانی متابعت نے زید شہید کو اپنی کامیابی کا پورا یقین دلا رکھا تھا۔ امام ابوحنیفہ کے بیعت اختیار کر لینے نے سونے میں سہاگہ کا کام دیدیا تھا۔ اب اگر جناب زید اپنے ارادوں میں کچھ توقف سے کام لیتے بھی تو اب اسباب ان کے لیے بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کے بیعت کر لینے سے عراق میں حضرت زید کی امامت کا رنگ جمنے لگا۔ اور جب ان لوگوں کی وفاداری اور جاں نثاری کا پورا ثبوت ہو گیا تو حضرت زید بھی مدینہ سے اُٹھ کر کوفہ چلے گئے۔ ہشام کو ان کے ارادوں کی خبر ملتی رہتی تھی چنانچہ ایک دن باتوں باتوں میں ہشام نے حضرت زید کو طلب کر کے کہا قال لزید ھشام ابن عبد الملک ابن مروان یوما بلغنی انک تروم الخلافۃ وانت لا تصلح لھا لانک ابن امۃ فقال زید قد کان اسمٰعیل ابن ابراھیم ابن امۃ واسحاق ابن حرۃ فاخرج اللہ من صلب اسمٰعیل خیر من ولد ادم فقال لہ اذا لا تزال الا حیث انکرہ فلما خرج عن الدار فقال ما احب الحیوۃ الا ذل۔

ہشام ابن عبدالملک ابن مروان نے ایک دن جناب
زید سے کہا کہ تمہیں ہو جو خلافت و امارت کا زعم کرتے ہو
تم میں امیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ تم اس کے
قابل ہو کیونکہ تم لونڈی کے بطن سے ہو۔ زید نے برجستہ جواب
دیا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام لونڈی کے پیٹ سے تھے اور
جناب اسحاق زن حرہ کے بطن سے۔ مگر باوجود اس کے خدائے
سبحانہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل ہی کی اولاد سے فخر بنی آدم
رسول عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔ زید کا یہ دندان
شکن جواب سنکر ہشام اپنے آپ میں نہ رہا اور کہا کہ ہمارے پاس سے
اٹھ جاؤ یہ سنتے ہی زید یہ کہتے ہوئے فوراً وہاں سے اٹھ آئے
کہ اب تو مجھے سوائے میدان جنگ کے اور کہیں نہ دیکھیگا۔ جب
دروازے سے باہر نکلے تو فرمایا کہ کوئی ایسا نہیں ہے کہ جو زندہ
رہنے کی تمنا رکھکر ذلیل و خوار نہ ہوا ہو۔

اکثر مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ زید اُسی وقت کوفہ کی طرف
روانہ ہوئے جب ان کے کوفہ چلے جانے کی خبر ہشام کو تحقیق
ہو گئی تو اُس نے اہل عراق کے نام یہ حکم عام لکھ بھیجا۔

وكتب هشام الى عراق العرب ان امنع اهل الكوفة
من حضور مجلس زيد ابن على فان له لسان اقطع
من حد السيف واشد من شباة الاسنة
وابلغ من السحر والكهانة ومن نفث النفثات
في العقد۔ اہل عراق کو ہشام نے لکھا کہ وہ زید ابن علی
کی طرف سے ہوشیار رہیں۔ اُن کی مجلس میں کسی کو نہ جانے
دیں کیونکہ زید کی زبان تلوار کی دھار اور نیزہ کی نوک سے بھی
تیز تر ہے۔ ان کی لسانی اور چرب زبانی جادو کا اثر رکھتی ہے۔
مگر باوجودیکہ سلطنت کی طرف سے ایسے شدید امتناعی احکام
جاری کیے گئے تاہم چالیس ہزار اہل عراق نے جناب زید
کی بیعت اختیار کر لی۔ اس مرجع عام کی وجہ زیادہ تر امام
ابوحنیفہ تھے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفۂ اثنا عشریہ میں
رقمطراز ہیں۔

"امام اعظم ابوحنیفہ کوفی نیز بہ صحت امامت حضرت زید ابن
علی قائل بود۔ و اورا در این امر تصویب می نمود"

امام محمد ابن طلحہ الشافعی اپنی کتاب عمدۃ المطالب میں ان
مطالب کو ذیل کی عبارت کے ساتھ آراستہ کرتے ہیں۔

ابا حنيفة بايعه وكان قد افتى الناس بالخروج
معه وكتب اليه ابوحنيفة اما بعد فاني جهزت
اليك اربعة الاف درهم ولم يكن عندي
غيرها ولولا امانات الناس للحقت بك۔

ابوحنیفہ نے بھی حضرت زید کی بیعت اختیار کی تھی اور لوگوں کو
اُن کے ساتھ خروج کرنے کے فتوے دیتے تھے اور حضرت
زید کو اس مضمون کا خط بھی لکھا تھا کہ ہم آپ کے پاس چار ہزار
روپیہ روانہ کرتے ہیں اس کے سوا اور ہمارے پاس کچھ
نہیں ہے۔ اگر لوگوں کی امانتیں ہمارے پاس نہ ہوتیں تو ہم بھی
آپ سے آکر ملجاتے۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اتنا کچھ کرنے پر بھی امام صاحب
عین موقع کے وقت گولی بچا گئے۔ آپکی علیحدگی اور کنارہ کشی
کو دیکھکر اہل عراق بھی آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ حضرت زید
کے لشکر سے جُدا ہونے لگے۔ امام ابوحنیفہ کیوں جدا ہوئے
اس کی خلاصہ کیفیت یہ ہے۔

حضرات بنی اُمیہ کو اپنی گون گانٹھنے اور ڈھب نکالنے کی
جیسی کچھ ترکیبیں معلوم تھیں وہ اپنی ان مخصوص چالوں میں جیسے
کچھ مشاق ہو رہے تھے وہ ساری دنیا کو معلوم ہے۔ ہشام نے
امام صاحب کے گانٹھنے کے لیئے اس وقت اپنے قدیم
زنبیل عیاری میں سے ایک آدھ لٹکے نکال ہی لیئے اور
اتفاق سے وہ امام صاحب پر پورا اثر دکھلا گئے۔

ہشام نے جب دیکھ لیا کہ امام صاحب کے ملائے بغیر اہل
عراق کی یورش دھیمی نہیں ہوتی اور حضرت زید کی پُرجوشی ٹھنڈی
نہیں ہوتی تو اُس نے امام صاحب کو توڑ کر اپنے دربار میں بلایا
اور مراحم خسروانہ و مکارم شاہانہ سے سرفراز و ممتاز فرمایا یہاں تک
کہ امۃ المسلمین کا امام اعظم بنایا جیسا کہ خواجہ محمد پارسائی کتاب کا
فصل الخطاب کا فارسی ترجمہ صاف بتلا رہا ہے۔

می گویند کہ زید شہید مردے متدین و عالم بود۔ و اول او در
کوفہ درس می گفت و ہیچکس از بنی انسان بقابلہ زید در روئے

زمین عالم تر بود و سلاطین عرب را بجائے خلیفہ می گویند۔ اما امامے بایست کہ تمہید راہ راست و تبلیغ احکام پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم از امر و مناہی بنماید۔ درآں عہد ہشام ابن عبدالملک ابن مروان بادشاہے بود و امر امامت و علم خبر در قبیلۂ فاطمہ سلام اللہ علیہا کہ از آلِ علی علیہ السلام بود۔ دیگرے سزاوار نبود۔ پس ابوحنیفہ کوفی را کہ یکے از شاگردان زید بود ہشام او را طلب نمود۔ و یک دستار بر سر او بست و امام لشکر خود گردانید و امام اعظم لقبش ساخت و فتوئے موقوف برامر وے شد۔ و اوّل ہشام بہ قتل زید از وے فتوئے طلبید ابوحنیفہ کوفی بشرم دستار امامت حکم بر طغیان زید امر فرمود کہ زید طاغی است۔ صورت حکمش چنیں بودہ وھو لا یصلح الریاست وجب القتال لہ پس از حکم ابوحنیفہ کوفی وقتال ہشام زید بقتل رسید۔

جب ہشام نے اہل عراق کے سرگروہ اور رئیس الطائفہ حضرت امام ابوحنیفہ کوفی کو اپنے قبضہ میں کر لیا تو جناب زید کی تنبیہ کے لئے اپنی فوج بھیجی۔ امام صاحب کے نکلتے ہی اہل عراق کی تمام جمعیت جو اس وقت تک حضرت زید کی رکاب میں موجود تھی تتر بتر ہو گئی۔ آخر کار جناب زید کو رفضتمونی کہنا پڑا۔ جو اس وقت امام صاحب کے مقلدین۔ احمد کی پگڑی اتار کر محمود کے سر دھر دیتے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید ابن علی کے ساتھ کل جمع اٹھاسی آدمی رہ گئے جن میں تینتیس تو ان کے خاص عزیز و اقارب تھے اور پچپن اعوان و انصار۔ ہشام کی فرستادہ فوج کی تعداد بعض مورخین چالیس ہزار اور بعض اٹھاسی ہزار بتلاتے ہیں۔ مگر قول اوّل زیادہ قرینِ صحت ہے۔ چالیس ہزار یا اٹھاسی ہزار کے مقابلہ میں کل اٹھاسی نفر کی کیا بساط اور پھر اس سے کامیابی یا فتح و فیروزی کی امیدیں تو معلوم ہیں مگر جناب زید کی خاندانی شجاعت اور ہمت غنیم کے مقابلہ سے عین وقت پر منہ پھیر دینے کی عار کو کبھی گوارا نہ کر سکی۔ اور اپنے معدودے چند ہمراہی جان نثاروں کے ساتھ غنیم سے مقابلہ کرنے اور مرنے کو اپنی شجاعت اور دلیری کے اصلی اور حقیقی جوہر سمجھے

ابن اثیر اور روضۃ الصفا کے معتبر اسناد کے مطابق تین روز تک لڑائی جاری رہی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیسے۔ اس کتاب جناب زید اور ان کے جان نثاروں کی پاداری اور جگرداری کے پورے ثبوت ملتے ہیں کہ ان کی قلیل جماعت غنیم کی اتنی بڑی کثیر جماعت کو تین دن تک اپنے استیصال پر قابو نہ دے سکی۔ ایسے استقلال و ثبات کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔

بہرحال روز مقابلہ تو ہوتا ہی تھا۔ اور جناب زید کے ہمراہی مارے تو جاتے ہی تھے۔ تیسرے روز کل دس آدمی باقی رہ گئے۔ اب جناب زید بنفس نفیس معرکہ آرائے قتال ہوئے اور اسلام کے معتبر مورخین بیان کرتے ہیں کہ صبح سے دوپہر تک حرب و ضرب میں مصروف رہے اور باوجود اس کے کہ آپ کے ساتھ نوجوان اور ناکتخدا سات بیٹے قبل اس کے آنکھوں کے سامنے دم توڑ چکے تھے مگر اس پر شکستہ اور غیر تمند بوڑھے باپ نے اس شکستہ حالی اور پیرانہ سالی کی عین حالت میں بھی تمام دنیا کو خاندان ہاشم کی اصلی شجاعت و ہمت کے بینظیر اور بے نظیر جوہر کھلا کر یہ ثابت کر دیا کہ اپنی بات پر مرنے والے اور جان دیدینے والے ایسے ہوتے ہیں۔ جناب زید نے اہل شام کے بہت سے نمودار دلاوروں کو مار گرایا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے مگر بحکم اذا جاء اجلھم لا یستقدمون ساعۃ و لا یستاخرون [illegible] وعدہ کم نہ زیادہ۔ کسی شامی کا تیر ان کی پیشانی پر ایسا بیٹھا کہ پھر اس نے ان کو اٹھنے نہ دیا۔

ان کے باقی ماندہ خیرخواہ انھیں میدان کارزار سے اٹھا کر ایک شکستہ گھر لے آئے مگر قبل اس کے کہ جراح آئے پیک قضا آپہنچا۔ اور کل نفس ذائقۃ الموت کا آخری شربت پلا کر دار فنا سے ان کو ملک بقا کی طرف لے گیا۔ یہ واقعہ ۳۰ صفر سنہ ۱۲۰ ہجری میں پیش ہوا۔ خونخواری اور مردم آزاری تو بنی امیہ کے عادات و اخلاق سے ہے جو انھیں ان کی جدہ ماجدہ ہندہ بنت عتبہ سے وراثت میں ملا ہے۔ ہشام نے زید مظلوم کی لاش ان کے مدفن سے نکلوا کر جو جا عسکر اپنی ظلم و شقاوت سے محفوظ رکھنے کے لئے۔ ایک مقام مستور میں بنا کر اوپر پانی جاری کر دیا گیا تھا جیسی جیسی تکلیفیں اس جسم کو پہنچائیں اور اپنی ظاہر نما انسانیت کی شکل میں حیوانیت کی پوری شان دکھلائی وہ دنیا تمام تاریخوں میں تفصیل کیساتھ درج ہیں۔ یہ بیان کی ہرگز محتاج نہیں

خواجہ محمد پارسا کی کتاب فصل الخطاب کے فارسی ترجمہ میں یہ عبارت درج ہے
"اس غریب اور ناپرساں لاش کو جب مدفن سے نکالا تو کثرت زخم سے مرد و پیکاں رکھنے کی جگہ باقی نہیں تھی سنّت مقاموں پر نیزہ حلقی کی انیاں پیوست تھیں۔ سوا مقاموں پر تلواروں کے گہرے گہرے زخم لگے تھے تیروں کے چھوٹے بڑے زخم تمام بدن پر نمایاں تھے تمام جسم غربال کی مثال بنا ہوا تھا مگر افسوس بنی امیہ کی خونخوار طبیعت اس غریب لاش کی گئی گزری حالت کو بھی دیکھکر۔ اپنے انتقام کی آگ پر۔ اسلام کی ہمدردی عوبہ دینی حمیت صلہ رحم کی رعایت کا پانی نہ ڈال سکی۔ لاش کا سر جدا کیا گیا۔ اور ہشام کے پاس تحفہ بھیجا گیا۔ اور وہ دارالحکومت کے بیرونی دروازہ پر عبرت خلائق کے قصد سے لٹکایا گیا۔ وہ چار برس تک اسی مقام پر آویزاں رہا۔ سر کی سرگزشت یہ تھی۔ آپ کی حالت اور افسوس کے قابل ہے یوسف نے دروازہ کوفہ پر اس جسم بے سر کو سولی دی۔ پھر سولی سے اتار کر در کوفہ پر آویزاں کر دیا۔ اور وہ اسی طرح ہشام کے خاتمہ سلطنت تک لٹکتا رہا اور کامل چار برس تک ہزاروں عرضی و سماوی آفتوں کا نشانہ بنا رہا۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو حضرت زید کے شہید کیے جانے کی خبر معلوم ہوئی تو آپ بے اختیار ہو کر رونے لگے اور فرمانے لگے رحمہ اللہ عمک خدا تمہارے چچا پر رحم کرے۔ بہر حال ہشام کا زمانہ سادات کے لیے مصیبت کا زمانہ تھا جس میں ان بزرگواروں کو ہزاروں بلاؤں سے سامنا کرنا ہوا۔ اور طرح طرح کی مصیبتیں اٹھانی ہوئیں امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ یہ جن سختیوں سے پیش آیا اس کی پوری کیفیت ہم پانچویں کتاب میں بالتفصیل درج کر چکے ہیں۔

مروج الذہب میں مسطور ہے کہ ہشام احول چشم درشت خو تند مزاج جمع اموال کا حریص اور اسقدر کنجوس تھا کہ پھوٹی کوڑی بھی کسی کو نہ دیتا تھا چنانچہ اس کے زمانہ میں سب خیر خیرات کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ مگر ہشام کی یہ حفاظت اموال بخیل رسی اور کفایت شعاری اس کے کوئی کام نہ آسکی اور اسکو اپنے اندوختہ سرمایہ سے کوئی فائدہ اور حظ نہ اٹھا اور کوئی لطف نہیں ملا۔ بلکہ بخلاف اس کے اسکی نادار ی اور بے سرمائی عبرۃ الناظرین ثابت ہوئی چنانچہ مورخ ابوالفدا تحریر فرماتے ہیں کہ ہشام ۶ صفر ۱۲۵ھ ہجری میں فوت ہوا اس کو درد حلق کا عارضہ لاحق ہوا تھا۔ عمر اس کی پچپن برس کی تھی جب ہشام مر گیا تو لوگوں سے تیزا پانی گرم کرنے کے لیے جس سے غسل میت دیا جائے مانگا۔ عیاض ولید کے منشی نے تیزا نہ دیا کیونکہ اس نے ہشام کے مرتے ہی تمام مال و اسباب کو ولید کی ملکیت میں داخل کر دیا تھا اور اپنی مہر کر دی تھی۔ آخر مجبور ہو کر ہمسایہ اس کے واسطے پانی گرم کرنیکا ظرف لائے تو اس کی منگنی کے برتن سے اس کے غسل کا پانی تیار ہوا (ابوالفدا صفحہ ۱۹۴)

ولید ابن یزید ابن عبد الملک کی سلطنت

ہشام کے مرنے کے بعد ولید ربیع الاولی ۱۲۵ھ ہجری میں تخت نشین ہوا اور ایک برس تین مہینے حکومت کرکے ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۶ھ ہجری میں قتل کیا گیا۔ اس کے ذکر میں امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔ الولید ابن یزید بن الخلیفۃ الفاسق تسلم الامر بعد موت ہشام فی ربیع الاخر سنہ ۱۲۵ھ فکان فاسقا شریبا للخمر منتہکا لحرمات اللہ اراد الحج لیشرب فوق ظہر الکعبۃ فمقتہ الناس لفسقہ فخرجوا علیہ فقتل جمادی الاخرۃ سنہ ۱۲۶ھ۔ ولید ابن یزید خلیفہ ہوکر ہشام کے مرنے کے بعد ربیع الآخر ۱۲۵ھ ہجری میں خلیفہ ہوا۔ وہ فاسق شرابخوار اور حرمات خدا کا ہتک کرنے والا تھا۔ اس نے حج کا ارادہ کیا تو یہ قصد کیا کہ خانہ کعبہ کی چھت پر بیٹھکر شراب نوشی کیجاوے اس فسق و فجور کے باعث سے سب لوگ اس کے دشمن ہو گئے اور سب نے اس پر خروج کیا۔ جمادی الآخر ۱۲۶ھ میں اسکو قتل کر ڈالا اسکے اس ناہنجار ارادہ اور تعیش کی نسبت صاحب روضۃ الصفا تحریر کرتے ہیں "۱۲۶ھ ہجری میں ہشام نے ان کو امیر حج مقرر کرکے مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں بھیجا۔ ولید بہادر خیریت سے حج کرنے اور کرانے تشریف لے چلے تو اس ساز و ساز و سامان سے کہ ... گئے صنف کے صنف ساتھ صندوقوں اور پنجروں میں کعبہ ... پر لاد کے گئے ہزاروں قسم کی لاتعداد شرابیں ہمراہ ...

نہایت پُرتکلف خیمہ مختلف الاقسام اشیائے آرایش سے آراستہ و پیراستہ
کیا گیا۔ مے کشی اور مے نوشی کی پُرجوشیوں میں خلافت کے نوجوان
اور البیلے ولیعہد کو یہ اُمنگ آئی کہ یہ خوشنما اور پُرتکلف خیمہ سقف کعبہ
نصب کیا جاوے اور اُس کے نیچے صحبت شراب گرم کیجائے۔ مگر
کعبہ سے پیچھے اصحاب کہن سال نے بہت کچھ سمجھایا کہ ایسی حرکتیں
خلافت کی ہتک حرمت اور آپ کی رسوائی اور ذلت کا باعث
ہوں گی۔ خیریت ہوئی کہ مان گئے اور خانہ کعبہ بے حرمتی سے محفوظ رہ گیا۔
ان کی شراب خوری کی کثرت یہانتک پہنچی ہوئی تھی کہ مشہور ہے کہ
ولید نے ایک حوض پُر از شراب تیار کرایا تھا۔ اور بحالت سرور اُس
میں گر پڑتا تھا۔ اور اسقدر شراب پیتا تھا کہ حوض کے کناروں میں
شراب کی کمی کا اثر پورے طور سے ظاہر ہوتا تھا۔

یہ شراب خواری کی حالت تھی۔ اب اور مناہی شرعیہ کے ارتکاب
کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ ہمارے فاضل محقق صاحب کشف الحقائق لکھتے ہیں
ولید نے شرب و خمر و ارتکاب غنا وغیرہ منہیات شرعیہ کے علاوہ
اپنے باپ کی ازواج تک سے زنا کیا اور اپنے حقیقی بھائی کو بھی
اغلام سے نہ چھوڑا سلیمان ابن یزید۔ اس کے بھائی نے جب
اسکا بریدہ سر دیکھا تو فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اُس شخص کا
سر ہے جو نہایت بیباک تھا۔ میرے ساتھ اغلام کرنا چاہتا تھا۔
خلیفۂ زمان اور یہ شان۔ شرم! شرم!! شرم!!!۔

صرف بھائی صاحب سے لواطہ ہی پر بس نہیں کی گئی۔ اگر زیادہ تحقیق سے
کام لیا جاوے تو ثابت ہو جائیگا کہ ذات شریف صاحبزادی کے
دامان سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔ معاذ اللہ۔

تاریخ کامل ابن اثیر جلد ششم میں مرقوم ہے کہ ایک بار خود بدولت
محل سے برآمد ہوئے دیکھا کہ ایک خادمہ ایک صاحبزادی کو لیے
صحن خانہ میں بیٹھی ہے اس بدبخت کی نگاہ میں اُسوقت وہ لڑکی اچھی
معلوم ہوئی۔ اسکے نفس حیوانی میں ایک سخت ہیجان فوراً پیدا ہو گیا
جسے وہ کسی طرح تحمل نہ کر سکا۔ ایک بار جھپٹ کر اُس لڑکی کو گود میں
اُٹھا لیا۔ غریب دایہ پیٹ پیٹ کر چلاتی رہی کہ یہ آپ ہی کی
لڑکی ہے اور ابھی حد بلوغ تک نہیں پہنچی۔ آپ کیا غضب
ڈھا رہے ہیں مگر اس کمبخت پر جو جنون سوار تھا اُس نے اس کو ایک
نہ سُننے دی۔ اور اس نالائق نے ایک گوشہ میں لیجا کر اپنی اُس لڑکی
کی بکارت کا ازالہ کر ہی دیا نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات الفاحشہ
یہ وہ واقعات ہیں جن کے لکھنے، دیکھنے اور سُننے سے انسان کے جسم کے
رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں معاذ اللہ یہ حرکات نا ہنجار اور اسلام
کا خلیفہ یہ کردار اور مسلمانوں کا پیشوا۔

ہمارے فاضل محقق آگے لکھتے ہیں کہ حیواۃ الحیوان دمیری میں
مرقوم ہے کہ ولید نے ایک کنیز سے بحالت مستی ہم بستری کی۔
اتنے میں موذن نے اذان دی اور اذان دیکر خلیفہ عصر کو اطلاع
دی کہ جماعت تیار ہے۔ امامت جماعت کے لیے آپکا انتظار ہے
ولید نے قسم شرعی کھا کر کہا کہ اسوقت یہی کنیز مسلمانوں کی امامت
کرے گی۔ چنانچہ یہی کنیز مردانہ لباس بدلکر مسجد میں گئی اور اُسی
حالت نشہ و جنابت میں نماز پڑھائی۔ معاذ اللہ۔

مسلمانوں پر بنی اُمیہ کے پورے تسلط ہونیکا اس سے بڑھکر اور
کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اپنے سلطان وقت کے تنہا خوف سے
ایسے نجس اور مخمور امام کی اقتدا قبول کر لی اور سانس تک نہ لی۔
حالانکہ نجس اور مخمور ہونے کی سبکہ۔ اگر وہ بہت بڑی پاک و
پاکیزہ اور بہت بڑی عالمہ اور فاضلہ بھی ہوتی تو کیا محض اُس کا
عورت ہونا اُسکی امامت کے باطل اور ناجائز ہونے کے لیے
کافی تھا۔ مگر اُمت مرحومہ کی گردن تو مدت سے اموی بادشاہوں
کے تخت سلطنت کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ وہ غریب سر اُٹھا کر
ہلاتے تو کیونکر اور زبان شکایت کھولتے یا کچھ منہ سے بولتے تو کیسے؟
کعبہ کی ہتک حرمت کا قصد۔ بھائی صاحب سے لواطہ کا ارادہ
صاحبزادی سے زنا کا ارتکاب تو دیکھ چکے۔ اب قرآن مجید کے
ساتھ بے ادبی کی حالت بھی ملاحظہ ہو۔

تاریخ کامل۔ ابوالفدا اور مسعودی میں مرقوم ہے کہ ایک بار
ولید نے قرآن مجید کھولا تو یہ آیہ دائیں ہاتھ نظر پڑا واستفتحوا
وخاب کل جبار عنید۔ کھولا اُن لوگوں نے اور ہر ایک ظالم
عناد پیشہ خاسر ہوا۔ معاذ اللہ یہ آیہ دیکھتے ہی قرآن کو پھینک دیا اسپر
بھی بس نہیں کی۔ اُسکو زمین سے اُٹھایا اور دیوار میں کھولکر لٹکا دیا۔
اور اُسپر اسقدر تیر مارے کہ وہ ورق کا ورق تمام چھلنی ہو گیا۔
تیر مار چکے تو یہ شعر پڑھے۔

اتوعد کل جبار عنید — تو ہر ایک جبار عنید کو ڈراتا ہے

وھا انا جبار عنید — سے دیکھ میں جبار عنید ہوں
اذا ما جئت ربک یوم حشر — جب بروز قیامت خدا کے سامنے جاؤ
فقل یا رب مزقنی ولید — تو کہدیجیو کہ مجھے ولید نے پارہ پارہ کر دیا

۔ قرآن کے ساتھ ارادت تھی اب جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی اِن کی عقیدت ملاحظہ ہو۔ ولید نے یہ دو شعر جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت نظم کیے تھے۔

تلعب بالخلافۃ ھاشمی — جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ و
بلا وحی اتاہ ولا کتاب — سلم نے خلافت اور بادشاہی سے
فقل للہ یمنعنی طعامی — کھیل کیا۔ نہ کوئی وحی اُنپر نازل
وقل للہ یمنعنی شرابی — ہوئی اور نہ کوئی کتاب آئی بس

خدا سے کہدو کہ اگر اُس میں کچھ قدرت ہے تو میرا کھانا پینا تو بند کر دے
ان اشعار سے صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بدولید کی تعریفیں نہیں ثابت ہوتی۔ بلکہ آخر کے شعر سے تو خدا کے وجود اور اُس کی قدرت سے صاف صاف انکار ظاہر ہو رہا ہے۔ تو جب خدا سے اختلاف۔ رسول صلے اللہ علیہ آلہ وسلم سے انحراف ثابت ہے تو پھر زنا۔ لواطہ وغیرہ وغیرہ منہیات شرعیہ پر اگر اصرار ہے تو کوئی بحث نہیں۔ جب دین ہی ثابت نہیں تو پھر عمل کیا۔ ہمارے فاضل محقق۔ ان کی حرکات پر اپنی یوں رائے تحریر فرماتے ہیں ان امور سے بڑھکر اور کیا کفر و زندقہ ہوگا۔ مگر علامہ ذہبی سا اُستاد جو حدیث اور تعصب کا پتلا ہے لکھتا ہے کہ ولید کا کفر و زندقہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ جو کچھ اس کے متعلق مشہور ہے وہ صرف شرب خمر و لواطہ ہے سبحان اللہ۔ گویا۔ شرب خمر و لواطہ اس فاضل کے عندیہ میں خلفا کے واسطے حلال و مباح ہے۔

اس تحریر کو پڑھکر ناظرین سمجھ لیں گے کہ امرا پرستی کے فریب میں آکر نادان مسلمانوں نے شریعت کے اصلی اور جائز پیشواؤں اور مقتداؤں سے تغافل اور بے پرواہی ظاہر کی۔ اور ایسے لوگوں کو صرف ثروت و اقتدار کے ظاہری اعتبار کی وجہ سے اختیار کیا جنکے اخلاق کی بُرائیاں اپنی قوم کے لوگوں کے لیئے تو خیر دوسری قوموں کے واسطے بھی بہت بڑی خندہ زنی اور اعتراض کا باعث ہوئی ہیں اور اُن کے بداخلاقی اور روحانی معائب دیکھکر جن کو وہ ایک مدت مدید تک اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کر چکے ہیں۔ ایسی پشیمانی اور انفعال لاحق حال ہوتا ہے کہ پھر اُن سے کچھ کرتے دھرتے نہیں بنتا۔ بہرحال یہ تو ولید کے اخلاقی معائب تھے اب ملکی اور انتظامی نقائص ملاحظہ ہوں۔

واضح ہو کہ معاویہ کے زمانہ امارت سے بنی اُمیہ کی امارت میں استقلال و استحکام آیا اور اُسوقت سے لیکر اسوقت تک اُن کے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا۔ اُن کے تشدد اور مظالم کے سکہ رعایا کے دلوں پر بیٹھے تھے۔ مگر ولید ابن یزید کے قدم سلطنت پر آتے ہی اُن کی ملکی اور مالی قوتوں میں انحطاط اور اضمحلال کے آثار کامل طور پر نمایاں ہو گئے۔ اُن میں خانہ جنگی اور تفریق اور دیگر قسم کی مختلف اندرونی مخالفتیں پیدا ہو گئیں اور ان تمام شکایتوں کے باعث ہی تھے۔ ان کی اخلاقی کمزوریاں اپنے اعزہ اور اقربا کو جو اسوقت سلطنت امویہ کے قوی اور نمودار ارکین تھے۔ راضی نہ رکھ سکیں۔ اور وہ اُنکے ساتھ رفق و مدارت کے سلوک قایم نہ رکھ سکا بلکہ برعکس اس کے اُنکے ساتھ وہ بدسلوکیاں۔ تشدد۔ اور سخت مظالم برتے گئے جو معمولی سے معمولی اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمیوں کے ساتھ بھی روا رکھے جانے کی اُمید نہیں کیجا سکتی تھی۔ ولید کی شامت اعمال نے بنی اُمیہ کے اقبال کو نیچا کر دیا۔ اِنکی ظالمانہ حرکات نے ان کے اعزہ اور اقربا کے طبقہ میں عام ناراضی اور عداوت پیدا کر دی۔ ان میں فرقہ بندی ہو گئی اور ملکی رعایا کچھ تو ان کے مظالم سے ناراض ہو کر اور کچھ طمع دولت کی وجہ سے ان سے بالکل برگشتہ ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سال ہی بھر میں سب نے ملکر ان کو قتل کر ڈالا اور یزید ابن ولید کو ایک جگہ تخت حکومت پر بٹھا دیا۔ عمائد بنی اُمیہ سے ولید کی بدسلوکیاں یہ ہیں۔ ہمارے لائق معاصر صاحب کشف الحقائق نے ولید کو سلسلہ امویہ کا خاتم السلاطین سمجھکر اس سلسلہ کو بالتمامہ تمام کر دیا ہے اور باقی ماندہ سلاطین امویہ کو جو حقیقت میں برائے نام تھے نہیں لکھا ہے۔ مگر چونکہ ہم اپنی موجودہ مُدعا کے تالیف کر لئی اُن تمام سلاطین کے احوال [illegible] کے لکھنے کا قصد کیا ہے علاوہ اس سے کہ وہ بنی اُمیہ [illegible] جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ حیات [illegible] ہیں۔ اس وجہ سے ضروری اور مناسب سمجھتے ہیں [illegible]

بداعمالی اور بدنیوں اعمالی کے حالات۔ آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق کے ساتھ پڑھکر ہمارے ناظرین کو بہت سے مفید نتیجوں کے نکالنے کا کامل موقع مل جائے گا۔ اور اس امر کا بھی اندازہ ہوجائیگا کہ یہ فرمانروائیاں ملکی جو اس وقت اُمّتِ اسلام کے پیشوا اور کافۂ انام کے مقتدا کہلاتے تھے۔ روحانی اور اخلاقی محامد و محاسن سے کس حد اور کس درجہ تک آراستہ و پیراستہ تھے اور بخلاف ان کے آپ امام جعفر صادق علیہ السّلام کی مقدس ذات میں ان محامد و محاسن کے کتنے ذخیرے تھے۔ ان حضرات سے شریعت اسلامیہ جو اس کے اصلی محافظ اور حقیقی حامی تھے کتنا فروغ پایا۔ اور اس کے اجرا و نشر میں ان حضرات نے کتنی کوشش فرمائی۔ اور عام مسلمانوں نے آپ کے احکام و ارشاد سے کسقدر فائدہ اٹھایا۔ یہ واقعات اس کتاب کے علیحدہ باب میں لکھے جائیں گے اس مقام پر اپنے مدعائے تالیف کی ضرورت سے اُن کی اخلاقی کمزوریوں کے صرف دو واقعات ذیل میں لکھ دیتے ہیں جس سے اُن کے مناقص و معائب کا پورے طور پر اندازہ ہوسکتا ہے۔

یزید کے قتل ہونے کے اسباب میں اول سبب تو صاحب تتمۃ الصفا اُس کے وہی فسق و فجور اور بے دینی لکھتے ہیں اور دوسری وجہ جو اُس کے قتل پر عام مسلمانوں کی مستعدی کا باعث ہوئی وہ یہ تھی کہ ہشام سابق خلیفہ کے بڑے صاحبزادے نے سلیمان سے ناراض ہوکر اسکو سر دربار کوڑے لگوائے۔ اُس معین پر خلافت اور ناز پروردہ نعمت کے لئے سو کوڑوں کے مارے جانے کی ذلت کیا کم تھی۔ مگر ولید نے اس پر بس نہیں کی بلکہ سرے پر سو دُرّے ان سے سر اور داڑھی اور ان کی مونچھیں منڈوا کر تمام شہر میں پھرایا اور تشہیر عامیانہ کراکے شہر عمّان کی مجلس میں بھیجدیا۔ ان کی مدت خلافت تک سلیمان مقید رہا۔

سلیمان کے بعد خلفائے سابقین۔ ہشام اور ولید ابن عبدالملک کی تمام اولاد و احفاد کے ساتھ بھی ایسے ہی مظالم کیے گئے۔ سب کے سب پابزنجیر کیے گئے اور مختلف مقامات کے قید خانوں میں بھیج دیے گئے۔ ان کا قصور یہ تھا کہ وہ ان کے ناہنجار کردار کو دیکھکر ان کو کفر و زندقہ سے منسوب کرتے تھے اور سلیمان ابن ہشام کیساتھ بدسلوکی ان کی ناراضی کا زیادہ تر باعث ہوئی تھی۔ اس لئے ولید کو پورا خوف تھا کہ رعایا ان کے زیر فرمان ہوکر ملک میں بغاوت اور غدر و فساد پیدا کرے۔

بہرحال عزیب کے اندیشے اور گھر کے وغدغے تو یوں مٹائے گئے۔ اب دور کے کھٹکے اور بیرونی وسوسوں کے مٹائے جانے کی فکریں ہونے لگیں۔ ان میں سب سے پہلے تو ولید کی نظر جسپر پڑی وہ عبداللہ قسری والی عراقین تھا۔ یہ وہ شخص تھا کہ جو خلفائے ماضیہ کے وقت سے لیکر اسوقت تک بنی اُمیّہ کی سلطنت کا پورا ناصر و معین۔ بلکہ ساعد و یمین سمجھا جاتا تھا۔ ولید چونکہ ہمیشہ اُس کی طرف سے خوف میں رہتا تھا اس لیئے اس کے کامل استیصال کو ضروری سمجھا اور یوسف ابن عمر کو اُسپر مسلط کیا جس نے نہایت بُرے طور سے اس کو مار ڈالا۔ سلیمان کے بعد ولید کا یہ دوسرا ظلم تھا۔ جو عمائد اور اراکین کے ساتھ کیا گیا۔ اس امر نے عام مذہب میں ایک غیر متحمل پُرجوشی پیدا کردی جس کو پھر کوئی مسلمان ایک منٹ کے لیئے بھی نہ برداشت کرسکا۔ اور سب سے پہلے اراکین سلطنت نے خلیفۂ وقت پر خروج کرنے کے لیئے کمر باندھی سب کے سب ملکر یزید ابن ولید ابن عبدالملک کے پاس آئے اور اُس سے قبول خلافت کی استدعا کی۔ یزید نے اپنے بھائی عباس سے صلاح لی پہلے اُس نے منع کیا۔ پھر لوگوں نے عباس کو سمجھا لیا۔ یزید نے خلافت قبول کر لی پھر کیا تھا۔ دم کے دم میں فوج بھی تیار تھی اور سپاہی بھی لیس۔ یزید نے فوج کی کمان عمر ابن عبداللہ ابن عبدالعزیز کو عنایت کی۔ اتفاق وقت سے دمشق میں طاعون تھا ولید خوف طاعون سے بیرون شہر خیمہ زن تھا۔ اس لیئے شہر پر یزید کا قبضہ بلامزاحمت ہوگیا۔ ولید کو خبر ہوئی تو اُس نے اپنے ہمراہیوں سے مشورہ کیا یزید۔ قاتل جناب امام حسین علیہ السّلام کے بیٹے خالد نے صلاح دی کہ شہر حمص کی طرف چلکر وہاں کے قلعہ میں قیام کیا جائے۔ اس سے بہتر مقابلہ کی دوسری جگہ نہیں ہے۔ مگر اور ذی ہمت اور غیور جان نثاروں نے اس صلاح کو منافی عزت خسروانہ کے خلاف سمجھا اور ولید کو کھلے میدان میں وہیں مقابلہ کرنے کے لیئے آمادہ کیا۔ الغرض فریقین میں مقابلہ ہوا

ولید کی بداقبالی کے دن آگئے تھے۔اُس کو شکست ہوئی اور وہ
بھاگ کر اپنے محل میں جا چھپا۔کواڑے بند کر لیئے۔ہر طرف سے
مایوس ہو کر ولید نے یزید کے سردار فوج عینیہ سکسکی کو
جو اُس کے قتل کا بیڑا اٹھائے تھا اپنے قدیم الطاف و اشفاق
بہت کچھ یاد دلائے مگر اُس نے کچھ نہ سُنی۔آخر ولید نے یہ خیال کر کے
کہ قوم بنی اُمیہ میرے موجودہ منظر کو عثمان کے مقتل سے مشابہ
اور مساوی سمجھ کر میرے قتل سے کراہت کرے اور میری جان بچ جائے
قرآن کھول کر پڑھنا شروع کیا مگر ان کے ایام سلطنت کے ساتھ
ان کی زندگی کے دن بھی تمام ہو چکے تھے۔وہ ان کی آخر وقت
کی چالوں کو کچھ بھی خیال میں نہ لائے۔اور آخر کار اُس کو بیدردی سے
قتل کر ڈالا۔اور اسکا سر کاٹ کر یزید کے پاس لے گئے۔یزید نے
اپنے چچازاد بھائی کا سر لیکر شکر کا سجدہ ادا کیا اور اس کو شہر میں تشہیر
کرنیکا حکم دیا۔اگر پھر بعض وجوہات سے اپنے اس حکم کو واپس لیا۔
یہ تھے ولید کے حالات۔اور اُس کے ناہنجار رفتار و کردار کی
آخری پاداش۔کہ کرد کہ نیافت۔ہمارے ناظرین نے دیکھ لیا
کہ ولید کے مظالم نے اپنے کسی اقربا اور اعزہ سے قرابتمندی
اور عزیزداری کے حقوق قایم نہ رکھے۔اُن کو ذلیل سے ذلیل کیا
اور رسوا سے رسوا کیا۔اسلام کے مقتدا اور پیشوا صلہ رحم کے
فرائض ایسے ہی ادا کرتے تھے۔

یزید ابن ولید ابن عبدالملک کی سلطنت

ولید کے وقت ہی میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔لوگوں نے یزید کی
بیعت اختیار کر لی تھی۔اس لئے ولید کے قتل ہوتے ہی یہ کامل طور
پر خلیفہ تسلیم کیا گیا۔اور خطبہ و سکہ اُس کے نام سے جاری ہوا۔یہ خلیفہ
فطرتاً نہایت بخیل اور تنگدل تھا اور عرب کی ملکی تاریخوں نے
اسے ناقص کا خطاب دیا ہے۔اور اسکی وجہ تسمیہ یہ بتلاتے ہیں
کہ ولید نے اپنے زمانہ سلطنت میں اہل لشکر کی تنخواہوں میں
جو اضافے کیئے تھے۔وہ یزید نے یک قلم بند کر دیئے۔اس وجہ سے
لوگوں نے اس کو ناقص کا لقب دیا مگر سب سے پہلے جس شخص نے
اس کو اس لقب سے پکارا وہ مروان ابن محمد ابن مروان ہے۔
ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ولید ہی کے وقت سے بنی اُمیہ کی تباہی
کا زمانہ شروع ہو گیا تھا۔اور اُن میں خانہ جنگیاں اور باہمی خصومتیں
روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔یزید کی شش ماہا حکومت کا مختصر زمانہ
بھی اس سے خالی نہ رہا۔اس کے خلیفہ ہوتے ہی سلیمان۔عمان کا
قید خانہ توڑ کر نکل بھاگا۔اور اپنے اعوان و انصار کو جمع کر کے
یزید کے سر پر چڑھ آیا۔اہل حمص نے بھی سخت غدر مچایا۔اور
ممالک فارس میں عموماً اور خراسان کے علاقہ سے لیکر مرو تک
خصوصاً وہ انقلاب پیدا ہوا جس سے بنی اُمیہ کے تمام کاروبار
اور شوکت و اقتدار کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دیا جسکی تفصیل عنقریب
ہمارے سلسلہ بیان میں پائی جائیگی۔
یزید اسی شش ماہی میں بیمار پڑ کر مر گیا۔اور اپنے بعد ابراہیم ابن ولید
اور اُس کے بعد عبدالعزیز ابن حجاج ابن عبدالملک کو مسلسل
خلیفہ بنا گیا۔یہ ایجاد بھی نرالی تھی۔مطلب یہ تھا کہ تین پشت تک
تو سلطنت کو اپنے سلسلہ میں قایم اور مستحکم کر دیا جاوے۔مگر یزید نے
اپنے ساتوں سوچ سب کچھ کر لیا۔اُس کو نظام قدرت کی کیا خبر تھی
اور وہ کیا جانتا تھا کہ مالک الملک حقیقی کے دربار سے اسکی خاندانی
سلطنت کے لئے اب کیا ہونیوالا ہے جیسا کہ عنقریب ظہور میں آیا۔

ابراہیم ابن ولید ابن عبدالملک کی سلطنت

یزید کے بعد یہ خلیفہ تو ہوئے مگر تاریخ ابو الفدا۔ابن اثیر و روضۃ الصفا
کے مطابق ملک میں ان کی خلافت کامل طور پر تسلیم نہیں کیگئی
ابو الفدا لکھتے ہیں کہ کبھی تو لوگ انھیں خلیفہ کہتے تھے اور کبھی کچھ از
اُمرا شمار کرتے تھے۔بہرحال یہی کیفیت تھی کہ تھوڑے دنوں کے
بعد مروان ابن محمد مروان نے اسی ہزار کی جمعیت سے
چڑھائی کر دی۔ابراہیم نے اس کے مقابلہ میں گرچہ ایک لاکھ
بیس ہزار فوج سے کام لیا۔مگر شکست کھائی اور ابراہیم اپنے
معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ دمشق میں جا کر چھپ رہا۔اور
اور اپنے غیظ و غضب کی شدت میں حکم اور عثمان پسران ولید کو
قتل کر ڈالا کیونکہ مروان نے انہی دونوں کے نام پر اہل اسلام کی
بیعت لی تھی۔اس لوٹ میں سلیمان ابن ہشام کی بن پڑی۔جو ابراہیم
کے مقربان مخصوص میں تھا اُس نے خزانہ شاہی پر خوب ہاتھ صاف کیئے اور
گھر کا راستہ لیا۔ابراہیم بھی تخت حکومت چھوڑ کر روپوش ہو گیا۔

مروان ابن محمد ابن مروان الحمار کی سلطنت

مروان جسے اسلامی دنیا الحمار کہتی ہے ۱۲۶ھ ہجری میں تخت نشین ہوا
مروان نے ابراہیم ابن عبدالعزیز ابن حجاج کو پکڑ کر قتل کر ڈالا لیکن
بعض مورخین کا یہ قول ہے کہ ان کو امان دیکر شہر حران میں نظر بند رکھا
مروان کی سلطنت اگرچہ پانچ برس تک باقی رہی مگر ان پانچ برس
میں ایسا دن بھی اُسے چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ دن ہوا تو
تردد میں بسر ہوا۔ رات ہوئی تو پریشانی میں تمام ہوئی۔
تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی سلیمان ابن ہشام نے چڑھائی کر دی
اور شکست دینے بھی مروان کو سلیمان سے دو بار مقابلہ کرنا ہوا۔
ابھی اس سے فرصت نہیں ہوئی تھی عبداللہ ابن معاویہ ابن
عبداللہ ابن جعفرؑ کے معاملات پیش ہوئے۔ ان سے مقابلہ و
مقاتلہ بھی ہوا۔ اگرچہ عبداللہ ابن عمر مروان کے عامل نے عبداللہ
ابن معاویہ کو کوفہ سے نکالدیا۔ مگر تاہم عبداللہ ابن معاویہ نے
فارس عراق عجم۔ دمغان اور قومس تک کے لوگوں کو اپنا مطیع و منقاد
بنا کر ان صوبوں پر اپنی حکومت قائم کر لی ۱۲۸ھ میں سلیمان کو تحریک سے
ضحاک خارجی نے چڑھائی کر دی۔ اس سے فراغت نہیں ہوئی تھی
کہ ابی حمزہ یمنی المخاطب بہ طالب الحق نے مضافات یمن میں سخت
بغاوت پھیلادی۔
ان متواتر اور مسلسل دشواریوں کے علاوہ دعوت بنی عباس کی مصیبت
عظیم تھی جو روز بروز قوت پکڑتی جاتی تھی اور اُن کے انتظام میں
استقلال اور استحکام آتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ ۱۳۲ھ ہجری میں وہ
دعویدار سلطنت ہو کر مروان کے مقابلہ کے لئے علانیہ کھڑے ہو گئے۔

بنی عباسیوں کی ابتدائی کوششیں حصول خلافت کیلئے

چونکہ ہمارے مدعائے تالیف کو بنی عباسیوں کے بھی اتنا ہی تعلق ہے جتنا
بنی اُمیہ سے۔ اس لئے ہم ان کے حالات کو ابتدا سے لیکر اپنی ضرورت
کے انتہا تک لکھیں گے۔
واضح ہو کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت
عبداللہ ابن عباسؓ نے سکونت مدینہ ترک کر کے طائف میں
بی شیمہ رہی کے ذریعہ سے قیام فرما ہوئے تھے۔ ان کے صاحبزادے
علی ابن عبداللہ کا زمانہ بھی اور ہاشمیوں کی طرح خموشی میں
گزرا۔ ان کے بڑے صاحبزادے محمد ابن علی نے [illegible]ھ ہجری
میں ملوک بنی اُمیہ سے انتزاع سلطنت کا خیال پیدا کیا۔
ان کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کتاب مقاتل
الطالبین میں ابوالفرج اصفہانی تحریر فرماتے ہیں کہ عمر ابن
امیر المومنین علی علیہ السلام کے پوتے عیسیٰ ابن عبداللہ ناقل
ہیں کہ ایک مرتبہ مقام ابوا میں جو مدینہ سے قریب واقع ہے
اکابر و عمائد بنی ہاشم مثل عبداللہ ابن الحسن المثنیٰ الملقب بہ عبداللہ
محض اور اُن کے دونوں صاحبزادے۔ محمد اور ابراہیم ابن
محمد ابن عبداللہ ابن عباسؓ اور اُن کے بھائی ابوجعفر منصور ابن
محمد اور ابراہیم اور اُن کے چچا صالح ابن علی اور محمد ابن عبداللہ ابن
عمر ابن عثمانؓ غیرہ وغیرہ بہت سے لوگ جمع ہوئے۔ یہ زمانہ عمر ابن
عبدالعزیز کی خلافت کا تھا۔ اس مجمع میں صالح نے اٹھکر تقریر
کی اور حاضرین کے سامنے یہ بیان کیا۔
کہ یہ وہ زمانہ آ لگا ہے کہ اس زمانہ کی تمام آنکھیں ہماری رفتار کی
طرف لگی ہوئی ہیں اور اپنے اپنے مقام پر ہر شخص اس امر کا متمنی ہو رہا ہے
کہ وہ ہمارا اقتدا کو تسلیم کرے۔ ایسی حالت میں ہمارے لئے مناسب ہے
کہ ہم اپنے موجودہ مجمع میں باتفاق خود ہا ایک ایسے شخص کو منتخب
کریں جو بذات خاص اس صفت سے موصوف اور اس منصب کے
لائق ہو ہم سب ملکر اُسی کی بیعت کریں۔ اور آپس میں یہ عہد و میثاق
مستحکم کریں کہ پھر اُس کی بیعت اور اطاعت سے کسی وقت انحراف
نکریں جتنے یفعل اللہ وھو خیر الفاتحین۔
صالح کی یہ تقریر سنکر عبداللہ محض اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے
کہ ایہا الناس۔ تم جانتے ہو کہ میرا فرزند محمد الملقب بہ نفس زکیہ
اس اُمت کا مہدی ہے اور ہر طرح منصب امارت و امامت
کے لئے شایاں سزاوار ہے۔ آپ حضرات اُٹھیں اور اُسی کی بیعت فرمائیں
یہ سنکر سب سے پہلے ابوجعفر منصور جو عباسیوں کا دوسرا بادشاہ اور
نفس زکیہ کا قاتل ہوا۔ اُٹھا اور بکمال خلوص و عقیدت عبداللہ محض
کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ اُمت اسلامیہ
کے لوگ سوائے اس جوان یعنی محمد نفس زکیہ کی امارت کے اور کسی
کی امارت امامت کیساتھ راضی و خوشنود نہ ہوں گے۔

ابوجعفر کی تقریر نے اس مجمع پر ایسی تاثیر کی کہ تمام لوگوں نے اس امر پر اتفاق کیا اور محمد ابن عبداللہ الملقب بہ نفس زکیہ کے ساتھ بیعت ہو گئی۔

مجلس شوریٰ میں جناب امام جعفر صادقؑ کی طلبی

عیسیٰ ابن عبداللہ جو اس واقعہ کے ناقل ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ محض نے اس کے بعد میرے باپ عبداللہ کو امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس بھیجکر پیغام دیا کہ ہم لوگ ایک امر خاص کے لیئے اس مقام پر جمع ہوئے ہیں جس میں آپکی شورت بھی نہایت ضروری ہے اس لیئے آپ بہت جلد تشریف لائیں جب یہ پیام پہنچا تو آپ تشریف لائے عبداللہ محض نے ساری روئیداد بیان کی آپ نے اُن کی پوری تقریر سنکر جواب دیا کہ عبداللہ تمہارا بیٹا مہدی نہیں ہے ابھی مہدی آل محمدؐ کا زمانہ بہت دور ہے۔ اگر تم لوگ ظلم و قت سے تنگ آکر۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ارادے سے فی سبیل اللہ خروج بالسیف کرنا چاہتے ہو۔ تو بزرگ و رئیس قوم تو تم ہو تم کو چھوڑکر تمہارے بیٹے کی کیونکر بیعت ہو سکتی ہے۔

عبداللہ کو آپکا یہ کلام ناگوار گزرا۔ اُنھوں نے ترش رو ہو کر جواب دیا کہ آپ اپنے ابن عم کے مقابلہ میں حسد کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں نے اس امر کو کسی خصومت سے نہیں کہا ہے بلکہ محض خلوص و محبت کے قصد سے یہ فرما کر آپ نے محمد ابن علی ابن عبداللہ کے شانے پر جو بعد کو السفاح اور عباسیوں کا پہلا بادشاہ مشہور ہوا ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا کہ یہ خلیفہ ہوگا اور اس کا بھائی اور اسی کی اولاد میں خلافت و امارت پہنچیگی۔ ہاں آپکے یہ دونوں فرزند (محمد اور ابراہیم) اسی کے ہاتھ سے قتل ہوں گے۔

عبدالعزیز کا بیان ہے کہ مجھ کو بھی تا وقتیکہ میں نے محمد اور ابراہیم دونوں کے قتل کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیا آپکے کلام کا وثوق نہ ہوا تھا اور اس کی نسبت ہمیشہ یہی سمجھتا تھا کہ آپ نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا ہے وہ حسد و نفسانیت پر مبنی ہے بہرحال جب امام جعفر صادق علیہ السلام وہاں سے اُٹھے تو اور لوگ بھی اُٹھ گئے اور حضرات تو اپنے اپنے مقاموں پر تشریف لے گئے مگر عبدالصمد اور ابوجعفر منصور امام علیہ السلام کے ساتھ ساتھ آئے اور دولت سرا میں پہنچکر عرض کی کہ آپ نے آل عباس کی خلافت کے لیئے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں بالکل صحیح اور راست راست بے کم و کاست ہے۔ اور جیسا میں نے بیان کر دیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ ویسا ہی ظہور میں آئے گا۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی اس کے آگے ابوجعفر منصور کا یہ قول خود اسکی زبانی نقل کرتے ہیں کہ منصور کا قول ہے کہ میں اس خوشخبری کی پوری تصدیق سنکر آپکی خدمت سے رخصت ہوا اور گھر آیا اور اسی وقت سے اپنے تمام معاملات میں حزم و احتیاط اور دیکھ بھال شروع کردی اور اسی وقت سے قول امام علیہ السلام پر اعتماد کر کے اپنے آپکو بلاد اسلامیہ کا خلیفہ اور فرمانروا سمجھنے لگا۔

محمد ابن علی کا شام جانا

سنہ ہجری میں محمد ابن علی۔ اپنے سعد و دے چند ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ سے شام میں پہنچے ان کا اس سادگی کے ساتھ دمشق کی طرف جانا ایسا خفیہ تھا کہ کسی کو معلوم ہوا اور کسی کو نہیں بہرحال یہ ملک شام میں پہنچکر علاقہ بلقار کے موضع سرہ میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ شام میں جس غرض سے پہنچے تھے وہ یہ تھی کہ ان دنوں حضرت محمد حنفیہ کے پوتے ابوہاشم سلیمان ابن عبدالملک کے بہت بڑے معتمد علیہ تھے سلیمان ان کی باتوں کو بہت مانتا تھا اور ان کی بڑی قدر کرتا تھا۔ ابوہاشم کا زمانہ ملک شام میں نہایت عروج پر تھا محمد ابن علی نے یہ سوچا تھا کہ ابوہاشم کے ذریعہ سے اُن کے اغراض میں بہت کچھ مدد ملے گی مگر اتفاق وقت سے ان کے پہنچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد ابوہاشم کی رحلت ہوگئی۔ اُنکی غریب جان اس طرح لی گئی کہ بنی اُمیہ ان کی فہم و فراست اور عقل و کیاست کا پورے طور سے موازنہ اور ان کی اقبال و دولت کا معائنہ کر کے اپنے حسد و نفسانیت کو ضبط نہ کر سکے اور سلیمان ابن عبدالملک کے کان ان کی طرف سے اچھی طرح بھرے گئے آخر کار بصلاح خود یہ رائے قرار پائی کہ ابوہاشم کو زہر دیا جائے چنانچہ ان کو دودھ میں زہر دیا گیا۔ ابوہاشم نے زہر کا اثر فوراً محسوس کیا اور سوچے کہ اگر یہاں میری موت آئی تو میری بھی تبہ ہوئی غرض یہ وہاں سے اُٹھے اور محمد ابن علی کے پاس موضع سرہ میں چلے آئے مگر دمشق سے یہاں پہنچتے پہنچتے زہر کا اثر پورا ہو چکا تھا اور ان کی حالت بھی خراب ہوگئی تھی اس لیئے اُنھوں نے محمد ابن علی کو

اپنے احتضار کی عین حالت میں بلایا اور کہا کہ بھائی! صادق آل محمد علیہ السلام کی زبانی مجھکو معلوم ہو چکا ہے کہ بنی امیہ کی سلطنت کا زوال قریب ہے اور یہ سلطنت تمہاری اور تمہاری اولاد کا حصہ ہے تمہارے دل میں جو ارادہ ہے اُس سے دست بردار نہونا۔ یہ کہکر ابو ہاشم نے رحلت فرمائی۔ رحمۃ اللہ علیہ اسعاً۔

ملک فارس میں بنی عبّاسیوں کی دعوت

ابو ہاشم کا یہ قول محمد ابن علی کی ہدایت کے لیئے کافی ہو گیا اُسی وقت سے وہ اپنی کامیابی پر پورے طور سے متیقن ہو کر اُس کی مناسب تدبیروں میں مصروف ہوئے۔ بنی عبّاس کے عروج کی ابتدا یہی ہے۔ ابو ہاشم کے مرتے ہی اِس کے ہمراہیوں نے محمد ابن علی کی بیعت اختیار کر لی۔ اتنے آدمی ایکبار محمد کے مطیع ہو گئے۔ تو محمد نے اپنی کوششوں کی رفتار کو آہستہ آہستہ تیز کرنا شروع کیا۔ محمد نے سب سے پہلے **ابو عکرمہ سراج** کے ہمراہ دو آدمی خراسان کی طرف روانہ کیئے کہ وہ اہل خراسان کو اِن کی بیعت پر راضی کرائیں اسی وقت سے خراسان میں بنی عبّاسیوں کی خفیہ دعوت شروع ہوئی پھر رفتہ رفتہ اِن تین آدمیوں سے بارہ آدمی مقرر ہوئے جو **دُعاۃ** یا نقبار کے لقب سے مشہور تھے۔ پھر اِن بارہ نقیبوں کے کثیر التعداد نائب مقرر ہوئے اور وہ لوگ اسی طرح سے رفتہ خراسان سے لیکر مرو تک تمام پھیل گئے۔ ان لوگوں کا طریقہ دعوت یہ تھا کہ جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرتا تھا۔ یہ اُس شخص سے ایک نوشتہ دستخطی لے لیتے تھے اور اُس اقرار نامہ کو محمد ابن علی کے پاس بھیجدیتے تھے بنی عباسیوں کی یہ خفیہ کارروائیاں۔ ہشام کے زمانِ سلطنت میں سنہ ۱۱۰ ہجری سے شروع ہو کر سنہ ۱۲۶ ہجری۔ ولید ابن یزید کے وقت تک قایم رہیں۔

جب بنی عباسیوں کو آہستہ آہستہ کامیابی کی اُمید ہو تو محمد ابن علی نے **سلیمان ابن کثیر** اور **قحطبہ ابن شبیب** کو ایران کی طرف اپنی دعوت سنانی کی غرض سے بھیجا۔ اور اِن کے بعد پھر اور ستر آدمی دستورالعمل لکھ لکھ کر یکے بادیگرے بھیجدیئے گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد محمد ابن علی نے سراۃ میں انتقال فرمایا۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے ابراہیم اُن کے قایم مقام ہوئے۔

سلاطین بنی اُمیہ سے چھیڑ چھاڑ

سنہ ۱۲۱ ہجری میں جناب زید شہید علیہ الرحمۃ والرضوان ہشام کے مظالم کا نشانہ ہو چکے اور اُن کے بعد سنہ ۱۲۵ ہجری میں اُن کے صاحبزادے یحییٰ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ بھی بحکم ولید علاقہ جرجان میں شہید کیئے گئے تو اُسی وقت سے سلطنت کو اِن دعویداروں کا خیال پیدا ہو گیا۔ اِدھر اِن دونوں حضرات کے مارے جانے سے بنی عباسیوں کو بھی پورا نفع اُٹھا۔ جناب زیدؒ کے قتل ہونے سے اہل کوفہ بسرکردگی ابو سلمہ اِن کی طرف مائل ہونے لگے۔ اُدھر حضرت یحییٰؒ کے مارے جانے سے جرجان اور اُس کے تمام علاقہ میں بنی عباس کی دعوت تسلیم کر لی گئی۔

بنی عبّاسیوں کا عاقلانہ سکوت

بنی اُمیہ کی بڑھی ہوئی قوتوں کے سامنے بنی عباس نے جس آہستگی اور خاموشی سے کام لیا وہی اُن کی ترقی اور کامیابی کا آخر میں اصلی باعث ثابت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عباسیوں نے بھی بنی اُمیہ کے خلاف ملکی رعایا کی تسخیر قلوب کے لیئے وہی نسخہ تجویز کیا جو اُن سے پہلے اکثر مناص زمانہ حضرات سوچ چکے تھے مگر اُن کو اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اِن کو ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں سے بعض نے کچھ تو اپنے متابعین کی زبانی قول و قرار پر کچھ اپنی ذاتی ہمت و دلیری پر اعتبار کر کے۔ قبل از وقت سلطنت کے ایسے قوی حریف سے مقابلہ کر دیا۔ اور اِس سے بہت پہلے کہ اُن میں ایسے زبردست غنیم کے مقابلہ کی قوت اور صلاحیت آئی ہو انہیں اپنی موجودہ جمعیت کو لیکر میدان جنگ میں نکل آئے اور اُن ہی اعوان و انصار پر اعتماد کلی رکھے رہے۔ جو جانی کوششوں سے زیادہ زبانی وعدوں کا اظہار کرتے تھے۔ اس لیئے اُن کو اپنے حصول مدعا میں کامیابی نہیں ہوئی۔

بخلاف اِن کے۔ عباسیوں نے اپنے مدعا کے اظہار اور راز ارادی کے اعلان کو نہایت سختی سے روکا اور ضبط کیا اور جس وقت تک کہ انہیں سلطنت کے ایسے قوی حریف سے مقابلہ کی پوری قوت نہ پیدا ہوئی انھوں نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی۔

مختار سے لیکر حضرت زید شہید تک جن جن حضرات نے حصول مقاصد میں ہزیمتیں اٹھائیں اور ناکامیاب رہے انکی بھی دو وجہیں ثابت ہوئی ہیں۔ ایک تو انکی قبل از وقت صف آرائی اور تیغ آزمائی اور دوسرے انکے اعوان و انصار کی عہد شکنی اور بے وفائی۔ عباسیوں کی تجربہ کار آنکھوں نے سب سے پہلے اس نقص پر غور کیا اور اپنے معاملات میں اس نقص سے بچنے کے لیے بڑی احتیاط کی اسی لیے انکے ابتدائی امور میں کوئی خلل نہیں پڑا اور وہ اپنی خواہشوں میں کامیاب ہوئے۔

نصرت اہلبیت کے وعدوں کے ساتھ دعوت بنی عباس

مگر باوجود اس حزم و احتیاط کے عباسیوں نے بھی اپنے حصول مقاصد کے لیے تسخیر قلوب اور عام رضامندی حاصل کرنیکے باعث سے نصرت اہلبیت علیہم السلام کے محض زبانی وعدوں کو اپنا شعار بنایا اور آخر کار اس طریقہ میں بھی بزرگان سلف کی تقلید اختیار کی اور یہی **حقوق آل محمدؐ** اور **نصرت اہلبیت** کی ظاہری اور نمائشی نقش و نگار کے ساتھ اپنے شاہد مدعا کو جلوہ آرا کیا اور اپنے حصول مقاصد کی تدبیریں کو اس آڑ میں دکھلایا۔ جس کلمہ کے ساتھ انہوں نے اپنی دعوت کا اعلان شروع کیا اور جس لفظ سے بلاد اسلامیہ کے لوگوں کو دعوت دی گئی وہ **رضائے آل محمدؐ** کا مجمل خطاب تھا۔ کیونکہ جب عباسی نقیبوں سے دعوت کی وجہ پوچھی جاتی تھی وہ یہی کہتے تھے کہ **رضائے آل محمدؐ**۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی اپنے حصول مقاصد کے لیے (گو وہ زبانی کیوں نہو) حضرات اہلبیت علیہم السلام اور آل محمد سلام اللہ علیہم ہی کو اپنا ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے اور امت اسلامیہ کے دلوں میں انکی دعوت نے جو عام رسائی اور تاثیر پیدا کی وہ انہی مقدس حضرات کے خلوص و برکت اور حقیقت کی بدولت تھی کیونکہ ظلمۂ وقت کے ہاتھوں جو مظالم گزرے تھے۔ یا جو حق تلفیاں ظاہر ہوئی تھیں وہ انہی بزرگواروں کی جان و مال تک محدود و منحصر تھیں۔ انسے بنی عباس کو کوئی واسطہ اور کوئی سروکار نہیں تھا۔ ان پر جو مصائب اور شدائد گزر چکے تھے یا گزر رہے تھے انکو دیکھ دیکھکر اہل زمانہ نے ظالم اور مظلوم کی پوری طور پر تمیز کرلی تھی اور اسکا کامل اثر وہ محسوس کر رہے تھے۔ اس لیے جب بنی عباس یا اور کوئی ان حضرات کی نصرت اور استعانت کی غرض انکے سامنے پیش کرتا تھا تو فوراً ان تمام مصائب و شدائد کا اثر انکے دلوں میں زندہ ہوجاتا تھا۔ اور فوراً وہ قبول کرلیتے تھے۔

خراسان میں آل جعفر کا عروج

بنی عباس ایران میں کیسے پہنچے؟

یہ حضرات ایران میں کیسے پہنچے؟ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ محمد ابن علی نے ابو عکرمہ سراج کو سب سے پہلے خراسان کی طرف بھیجا تھا۔ انکی دعوت کا سلسلہ تو اسی وقت سے شروع ہوچلا تھا مگر انکی تحریک اس وقت تک کسی شمار میں لائے جانے کے قابل نہیں تھی۔ انکے خراسان جانیکی کیفیت یہ ہوئی کہ جب عبداللہ ابن معاویہ ابن عبداللہ ابن جعفر کی حکومت کا رنگ فارس۔ عراق عجم سے لیکر قومس تک جم گیا جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے تو قریب قریب تمام بنی عباس عبداللہ ابن معٰویہ ابن عبداللہ کی خدمت میں جا پہنچے اور اسی وقت سے ان لوگوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ عبداللہ ابن معٰویہ ابن عبداللہ ابن جعفر نے ان لوگوں کی خاطر اور دلجوئی کی اور ان لوگوں کو لشکر میں ممتاز عہدے عطا کیے۔

ترقی پاکر بنی عباس نے آل جعفر سے کیا کیا؟

برا ہو اس خود غرضی اور طمع کا جب آل جعفر کے عروج و اقبال کا ستارہ زوال کے قریب پہنچا تو افسوس! ان حضرات نے اپنے ایسے محسن کی ذرا بھی استمداد اعانت نہ کی بلکہ انکے زوال اور کامل استیصال کو اپنی ترقی اور اقبال کا اصلی باعث سمجھکر خوش ہو بیٹھے۔ اسکی تفصیل یوں ہے کہ سنہ ۱۱۹ھ میں آل جعفر کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھکر سلاطین بنی امیہ کو انکی تباہی و بربادی کا خیال ہوا تو انہوں نے عامر ابن ضبارہ اور معن ابن زائدہ کو انکی مہم پر تعینات کیا۔ ان دونوں نے آل جعفر پر دونوں طرف سے حملہ کردیا۔ عبداللہ کی فوج فوراً پسپا ہوگئی اور عبداللہ کو معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں چھوڑ کر ادھر ادھر منتشر ہوگئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلم خراسان اور اسکے مضافات میں عباسیوں کی دعوت کر رہا تھا اور اسکی قوت بھی روز بروز ترقی پر تھی۔ عبداللہ ابن معٰویہ اور انکے بھائی حسن نے اس خیال سے کہ مسلم رضائے آل محمدؐ کی دعوت کر رہا ہے۔ وہ ہماری استمداد ضرور کریگا۔ اسکے پاس چلے جانیکا قصد کیا۔ ابو مسلم ان دنوں مرو میں تھا۔

جب یہ لوگ ہرات کے شہر میں پہنچے تو مالک ابنِ ہیثم خزاعی نے انکو روکا اور ابو مسلم کو انکے آنے کی اطلاع لکھ بھیجی۔

قبل اسکے کہ ابو مسلم کے پاس سے اسکی رپورٹ کا کوئی جواب آئے مالک نے ایک دفعہ عبداللہ سے پوچھا کہ آپکے والد کا خلافِ عادت اہلبیت علیہم السلام معاویہ کیوں نام رکھا گیا؟ آلِ محمد یا اہلبیت کے تو نام ایسے نہیں ہوتے۔ میں جہانتک خیال کرتا ہوں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ آلِ محمد سے نہیں ہو۔

عبداللہ نے اسکے جواب میں کہا کہ میرے والد کا نام معاویہ اس وجہ سے رکھا گیا کہ میرے جدِ بزرگوار عبداللہ ابن جعفر طیار علیہ السلام معاویہ ابن ابوسفیان کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ میرے والد کی ولادت کا مژدہ انھیں پہنچایا گیا۔ یہ سنکر معاویہ نے میرے دادا سے کہا کہ میں تین سو دینار آپ کو صرف اس غرض سے دیتا ہوں کہ آپ اپنے اس لڑکے کا نام میرے نام پر رکھیں۔ میرے جدِ بزرگوار نے مصلحتِ وقت پر خیال کرکے اُسکے التماس کو قبول فرمالیا اور میرے والد کا نام معاویہ رکھا۔

یہ سنکر مالک نے کہا سبحان اللہ! اُنھوں نے تھوڑی سی رقم رشوت میں لیکر ایسا بُرا نام اپنے لڑکے کا رکھدیا۔ تم لوگوں کا جو دعوے ہے اُس میں میرے نزدیک تمہارا کوئی حق معلوم نہیں ہوتا۔

بہرحال یہ قصہ تو یہاں کا تھا۔ اب اُدھر کی سنیئے۔ جب مالک کا قاصد ابو مسلم کے پاس پہنچا تو اُسنے تمام احوال دریافت کرکے یہ خیال کیا کہ دو بادشاہ در یک اقلیم نہ گنجند۔ عبداللہ کے ایسے مساوی قوت والے کو چھوڑ دینا اپنے حصولِ مدعا کے لیے باعثِ مضرت ضرور ہوگا۔ اُس نے مالک کو لکھ بھیجا کہ عبداللہ کو مع اُنکے ہمراہیوں کے قتل کر ڈالو جب ابو مسلم کا یہ حکم مالک کو پہنچا تو اُسنے عبداللہ کو اُنکے ہمراہیوں کے ساتھ قتل کر ڈالا۔ ان حضرات کے مزار اب تک ہرات میں **مقابر سادات** کے نام سے مشہور ہیں۔

ابو مسلم جوان سادات کا قاتل تھا اور بنی عباس کی دولت و ثروت کا مدعی کچھ بھی ان وطن آوارہ سادات کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرسکا۔

طمعِ دنیا۔ خود غرضی کا مرض ایسا ہی لاعلاج مرض ہوتا ہے جو دوست۔ دشمن۔ اپنے اور بیگانے کی امتیازی قوتوں کو انسان کے قلب سے سلب کرلیتا ہے۔

بہرحال۔ یہ تو معلوم ہوچکا ہے کہ عراق فارس سے توس تک کا علاقہ آلِ جعفر کے زیرِ اثر آچکا تھا۔ عبداللہ ابن معاویہ کے قتل ہوتے ہی سرحدِ ایران سے لیکر عراق عجم تک یہ تمام علاقہ اور ملک کا ملک بغیر کسی خلش کے ابو مسلم کے قبضہ میں آگیا۔ اور نصر بن سیار جو بنی امیہ کی طرف سے والی خراسان تھا۔ ابو مسلم کے ہاتھ سے ہزیمت اُٹھاکر بھاگ گیا اور خراسان کا علاقہ بھی اسکی حکومت میں آگیا۔

ابو مسلم مروزی کون تھا؟

ابو مسلم کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی کچھ لکھتا ہے۔ کوئی کچھ۔ روضۃ الصفا کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی امیہ نے بنی عباس کے چڑانے اور غصہ میں لانیکے لیے مسلم اور اُسکے باپ شلیط کو اولادِ عباس میں شامل کیا تھا۔ اور اُسکے سلسلہ کو یوں ملایا تھا کہ ابو مسلم کی ماں حضرت عبداللہ ابن عباس کی کنیز تھی۔ عبداللہ ابن عباس نے ایک بار اُسے اپنی صحبت کے شرف سے مشرف بھی فرمایا تھا۔ پھر آزاد کرکے اُسکا عقد ایک غلام کے ساتھ کردیا۔ اور اُسی کے صلب سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام شلیط رکھا گیا شلیط جب جوان ہوا تو اتفاق وقت سے ولید ابن عبدالملک کے مخصوصین میں شامل ہوگیا۔ چونکہ آلِ مروان اور بنی عباس میں ہمیشہ سے چشمک چلی جاتی تھی اس لیے ایک بار ولید نے شلیط کو سکھلاکر عبداللہ ابن عباس کی وراثت پر دعوے کرادیا۔ قاضی کے پاس مرافعہ پیش ہوا۔ قاضی کی کیا مجال کہ ولید کے خلاف کسی فیصلہ پر جرأت کرسکے۔ ادھر اُدھر کے سازشی گواہ سُنکر شلیط کو حضرت عبداللہ ابن عباس کا صلبی فرزند قرار دیدیا۔ ولید نے عدالت سے ڈگری حاصل کرکے علی ابن عبداللہ کو شلیط کے ترکہ دینے کے لیے بہت تنگ کیا۔

ابو مسلم شلیط کا بیٹا تھا شلیط مدۃ العمر بنی امیہ کا حامی اور ہوا خواہ بنا رہا بخلاف اسکے ابو مسلم نے ہمیشہ بنی عباسیوں کا ساتھ دیا۔ ولید نے شلیط کو پہلے اصفہان کا پھر کوفہ کا عامل مقرر کردیا تھا۔ ابو مسلم کی پیدائش سنہ ۱۰۰ھ میں ہوئی اور اُسنے کوفہ میں نشو و نما پائی جب ابو مسلم سنِ شعور پر پہنچا تو بنی امیہ کا ستارہ رو بہ ادبار تھا۔ اور عباسیوں کی دعوت کی چھیڑ چھاڑ ادھر شروع تھی۔ ابو مسلم نے ابراہیم ابن محمد ابن عبداللہ ابن عباس کا ساتھ دیا اور بنی امیہ کے حقوقِ سابقہ کا کوئی خیال نہیں کیا۔ ابراہیم کی خدمت میں آنے سے قبل اسکا نام ابراہیم تھا اور کنیت ابو اسحٰق۔ ابراہیم نے اپنے نام سے توارد واقع ہونیکی وجہ سے اس کا نام عبدالرحمٰن اور کنیت ابو مسلم رکھی عمران ابن اسمٰعیل کی لڑکی سے جسکی کنیت ابو النجم تھی ابو مسلم کا نکاح کردیا۔

اور پھر اسکو خراسان کی طرف بھیجدیا جہاں پہنچکر اسنے وہ کارہائے نمایاں ظاہر کیے جو آج تک تاریخوں میں یادگار ہیں۔ اور ان میں سے کچھ اوپر بھی بیان کیے گئے ہیں۔

بنی عباس کی کامیابیوں کے عمدہ ذریعے

ایران میں آل جعفر کی استیصال اور بربادی سے ابو مسلم کو حصول کامیابی کا پورا موقعہ مل گیا۔ ابراہیم کو عرب میں بنی امیہ کی خانہ جنگی اور یزید ابن ولید و سلیمان ابن ہشام کی باہمی مخالفت نے بہت کچھ نفع پہنچایا۔ اور بنی عباس اس نعمت غیر مترقبہ سے متمتع ہو کر اپنی کامیابی اور حصول مقاصد پر اچھی طرح سے قائز ہو گئے۔ اور ۱۲۹؁ ہجری سے عراق عجم۔ خراسان اور فوس وغیرہ تمام ملک میں سلاطین بنی امیہ کے نام خطبہ سے خارج ہوکر ابراہیم ابن محمد کا نام داخل کر دیا گیا۔ اس سے پہلی لکھا گیا ہے کہ نصر ابن سیار جو بنی امیہ کی طرف سے ممالک ایران کا عامل تھا۔ مرو میں ابو مسلم سے شکست کھاکر بھاگا۔ اس نے رستے میں پہنچکر مروان حمار موجودہ خلیفۂ وقت کو پوری کیفیت لکھ بھیجی۔ اور اس میں یہ بھی لکھدیا کہ یہ فتنہ قریب ہے کہ حدود شام تک پہنچکر خلافت کی تباہی و بربادی کا باعث ٹھیرے۔

مروان نے ابو مسلم کا خط پکڑ لیا

مروان حمار یہ خط پڑھ ہی رہا تھا کہ اسکے مخبر عین ابو مسلم کی اس قاصد کو پکڑ لائے جو ابو مسلم کا تہنیت نامہ ابراہیم ابن محمد کے پاس لیے جاتا تھا۔ مروان نے ابو مسلم کے قاصد سے کہا کہ وہ خط دے۔ اس نے دیدیا۔ مروان نے وہ خط پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ نصر ابن سیار نے میری ہاتھ سے شکست فاش اٹھائی۔ وہ ملک خراسان چھوڑکر بھاگ نکلا۔ اور وہ تمامی ملک میرے قبض و تصرف میں آگیا ہے۔ مروان نے یہ حال معلوم کرکے قاصد سے پوچھا کہ ابو مسلم نے تجھ کو اس خط پہنچانے کی کیا اجرت دی ہے؟ قاصد نے وہ رقم بتلائی۔ مروان نے کہا کہ میں اس سے دونی رقم تجھ کو اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو یہ خط ابراہیم کے پاس لیجا اور جو جواب تجھ کو دے وہ مجھ کو لاکر پھر دکھلا دے۔ مگر اسکو یہ معلوم نہ ہونے پائے۔ قاصد نے ان تمام باتوں کو قبول کر لیا۔ مروان نے کچھ رقم بیعانہ کے طور پر اسے دیدی۔

قاصد وہاں سے روانہ ہوا اور ابراہیم کے پاس پہنچا۔ ابراہیم نے ابو مسلم کا خط پڑھا اور اسکے جواب میں لکھا کہ تم کو چاہیے کہ ہماری دولت و اقبال کی حصول میں کوشش ہائے بلیغ عمل میں لاؤ۔ اور ان امور کو نہایت حزم و احتیاط سے مد نظر رکھو۔ اور ہمارے مخالفین کا استیصال جس حیلہ اور جس تدبیر سے مناسب ہو۔ پورے طور پر کرو۔

مروان اور ابراہیم

یہ خط لکھکر ابراہیم نے قاصد کو حوالہ کیا اور وہ حسب الوعدہ یہ خط لیکر مروان کے پاس آیا۔ مروان نے خط پڑھکر عامل جابلقا کو لکھا کہ ابراہیم اور اسکے اعوان و انصار کو جو موضع خیمہ من مضافات شہر جابلقا میں قیام پذیر ہیں گرفتار کرکے میرے پاس بھیجدے۔ عامل جابلقا نے دفعتاً موقعہ پر پہنچکر ان لوگوں کو گرفتار کیا۔ اور مروان کے پاس بھیجدیا۔ مروان ان دنوں حران میں تھا۔ ابراہیم جب اس کے سامنے لائے گئے تو اسنے نا ملائم الفاظ اور سخت کلامی کا اظہار کیا جس کا جواب ابراہیم نے بھی درشتی سے کلمہ بکلمہ دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ میں ابو مسلم کے قضیہ سے واقف نہیں ہوں اور میرے اسکے درمیان کسی قسم کی خط و کتابت نہیں ہے۔ اتنا سننا تھا کہ مروان نے وہ خط اور قاصد ابراہیم کے سامنے رکھدیا۔ ابراہیم سخت نادم اور پشیمان ہوکر خاموش ہو رہے۔

ابراہیم کی گرفتاری اور انکا قتل

مروان نے ابراہیم کو قید کر دیا۔ قید خانہ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ دونوں گروہ کے چند آدمی پہلے سے گرفتار تھے اور یہ وہی لوگ تھے جنپر خلیفہ کو خروج کرنیکا شبہہ تھا۔ ابو عبداللہ ثعلبی کا بیان ہے کہ ایک رات کو کچھ لوگ قید خانہ میں گئے اور تھوڑی دیر اندر رہکر پھر باہر نکل آئے۔ صبح کو جو میں محبس کے اندر گیا میں نے تینوں آدمیوں کو مردہ پایا۔ ان لوگوں کے ساتھ دو غلام بھی قید کیے گئے تھے۔ ان سے انکے حالات پوچھے تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ رات کو آئے۔ اور عبداللہ و عباس کی منہ پر تکیہ رکھکر بیٹھ گئے۔ انکے دم رک گئے۔ اور وہ دم کے دم میں پھڑک پھڑک کر رہ گئے۔ یہ تو ہمراہیان ابراہیم کے مارے جانے کی کیفیت تھی۔ ابراہیم کے قتل کیے جانیکی یہ صورت ہوئی کہ ابراہیم کو ایک حوض پر آب میں بٹھلائے رہے اور ان کو اس میں سے باہر نکلنے نہ دیا یہاں تک کہ انکی آمد و شد نفس بھی منقطع ہو گئی۔ اب سنیے کہ ابراہیم کی گرفتاری کے بعد سفاح۔ منصور۔ اسمٰعیل۔ ابو داؤد۔ صالح اور عبدالصمد وغیرہم غرض یہ تمام حضرات بھاگ کر ابو سلمہ کے پاس کوفہ چلے آئے۔

ابو سلمہ اور بنی فاطمہؑ سے قبول خلافت کی درخواست

ابو سلمہ خلال جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے عراق میں عموماً وزیر آل محمدؐ کے لقب سے آج تک یاد کیا جاتا ہے۔ وہ شخص ہے جسنے عراق سے بنی امیہ کے تمام اقتدار و آثار کو اکھاڑ پھینکا۔ جب بنی عباس علاقۂ شام سے پریشان ہوکر کوفہ آئے تو ابو سلمہ نے ان لوگوں کو اپنے گھر میں پوشیدہ رکھا۔ اور ابو مسلم کو انکی داستان لکھ بھیجی۔

خراسان کی فوج نے کوفہ میں آکر بنی امیہ کو شکست دیدی

ابو مسلم نے ابو سلمہ کا خط پڑھتے ہی خراسان کی تمام فوج کو قحطبہ اور حسن کی ماتحتی میں دیکر کوفہ کی طرف روانہ کیا جب خراسانیوں کا لشکر کوفہ میں پہنچ گیا تو بنی امیہ کی فوج سے مقابلہ ہوا اور بہت بڑی خونریزی واقع ہوئی۔ قحطبہ تو مارا گیا۔ مگر حسن نے اپنے بگڑے ہوئے لشکر کو سنبھال لیا اور بنی امیہ کی فوج پر اس شدت سے حملہ کیا کہ وہ تحمل نہ کرسکی اور میدان سے بھاگ گئی۔ خراسانیوں نے مروانیوں کو مار مار کر کشتوں کے پشتے لگا دیے۔

ابو سلمہ کا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں قبولِ خلافت کیلئے خط لکھنا اور آپکا قطعی انکار

مروانیوں کو کامل شکست دیکر حسن ابو سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ابو سلمہ حسن کے ساتھ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ مسند پر اپنے پہلو میں بٹھایا۔ حسن نے ابو سلمہ کو ابو مسلم کا خط دکھایا جس میں خراسان کی عام فوج کو ابو سلمہ کی اطاعت اور متابعت کی تاکیدیں لکھی ہوئی تھیں۔ ابو سلمہ خط لیکر کوفہ کی مسجدِ جامع میں گیا اور تمام لوگوں کو ابو مسلم کا خط سنایا۔ تمام لوگوں نے اُسکی اطاعت اختیار کی اور اُسکی اقتدا کو تسلیم کیا۔ چونکہ ابراہیم ابن محمد کا آخری نتیجہ اُس وقت تک معلوم نہیں تھا اس لیے ابو سلمہ نے یہ خیال کیا کہ کوئی شخص اہلبیتِ طاہرین میں سے مستقل خلیفہ قرار دیکر دمشق دار الخلافت امویہ پر حملہ کا سامان کیا جائے۔ اِس تجویز کو مدِ نظر رکھکر اُس نے تین نامے تین بزرگواروں کے نام لکھے۔ اور ان تینوں خطوں میں قبولِ خلافت کیلیے استدعا کی۔ اِن میں سے پہلا خط جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام دوسرا عبداللہ محض کے نام تیسرا عمر ابن علی ابن حسینؑ المعروف بہ عمر الاشرف کے نام لکھا۔ ابو سلمہ نے خطوط دیتے وقت قاصد کو تاکید کردی کہ سب سے پہلے خط جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا جائے اگر وہ میری استدعا قبول فرمائیں تو بقیہ دونوں خط چاک کردیے جائیں اور اگر آپ انکار فرمائیں تو عبداللہ محض کے پاس خط دیا جائے۔ اور وہ قبول کرلیں تو عمر الاشرف کا خط پھاڑ دیا جائے۔ اگر وہ بھی راضی نہوں تو عمر الاشرف کو خط پہنچایا جائے۔ جواب وہ جو دیں وہ میرے پاس لے آیا جائے۔ بہرحال ابو سلمہ کا قاصد کوفہ سے مدینہ میں حاضر ہوا۔ آپ نمازِ مغرب سے فارغ ہوکر تعقیبات میں مصروف تھے۔ سامنے فتیلہ سوز روشن تھا۔ قاصد نے ابو سلمہ کا خط پیش کیا۔ آپ نے اس خط کو اُسی طرح بغیر کھولے چراغ کی لو دکھلا کر جلا دیا۔ اور قاصد سے ارشاد کیا کہ اسکا جواب یہی ہے۔ قاصد آپکی خدمت سے رخصت ہوکر عبداللہ محض کے پاس پہنچا اور اُنکو اُن کا خط دیا۔

عبداللہ محض اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی باہمی گفتگو

عبداللہ وہ خط لیے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بغرض مشورہ آئے۔ آپ نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ اہلِ خراسان شیعہ ہمارے نہیں ہیں اور ہم اُن میں سے کسی کو نہیں پہچانتے اور ابو سلمہ کے قول پر اعتبار نہیں کرتے۔

دوسری روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عبداللہ محض یہ خط پاکر نہایت مسرور ہوئے اور از روئے مفاخرت وہ خط لیے جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ابو سلمہ مجھ سے قبولِ خلافت کے لیے استدعا کرتا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے وہ مجھ سے اس امر کے لیے ساعی ہو چکا ہے۔ یہ سنکر عبداللہ کی پر جوشی دھیمی پڑی تو نرم آواز سے پوچھنے لگے کہ پھر آپنے اُسے کیا جواب لکھا۔ امامؑ نے فرمایا کہ میں نے اُسکو بغیر پڑھے چراغ میں جلا ڈالا۔ ہرگز ہرگز تم اسکی سازش میں نہ آؤ۔ اور اسکے پاس نہ جاؤ۔ خلافت اب ہمارے قابل نہیں ہے۔

عبداللہ محض کے بعد۔ وہ قاصد حسب الہدایت عمر اشرف کے پاس آیا۔ اور اُنکے نام کا خط اُنکو دیا۔ عمر اشرف نے خط لیکر جواب دیا کہ میں اِس خط کے لکھنے والے سے واقف نہیں ہوں اس لیے اس کا جواب نہیں

دے سکتا۔ (روضۃ الصفا جلد سوم)

اس واقعہ کو امام یافعی نے بھی اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ اُنکی عبارت یہ ہے:۔

وکتب ابو سلمۃ الخلال کان من دعاۃ الناس الی موالاۃ اھلبیت وابو مسلم المروزی تابعا لہ الی ثلثۃ نفرھم جعفر الصادق علیہ السلام وعمر الاشرف وعبد اللہ المحض ابن حسن المثنی رضی اللہ عنھم فبدء الرسول جعفر الصادق رضی اللہ عنہ ودخل علیہ البلا وبلغ کلامہ فقال للرسول اقرء الکتاب ثم قل لجوابہ فقال لخادمہ قرب السراج فاحرقہ وقال الرسول قد رایت الجواب فذھب الرسول الی عبد اللہ المحض فقرء الکتاب ومال الی خلافۃ ابنیہ محمد الملقب بالنفس الزکیۃ وابرھیم ودعا جعفر الصادق علیہ السلام واستشارہ فقال لجعفر علیہ السلام قد علم اللہ انی لا ذخر النصح من احد من المسلمین فکیف اذخرہ عنک یا عمی فلا تمنین نفسک فان ھذہ الدولۃ تتم لبنی عباس فوقع کما قال واما عمر الاشرف فکان غلاما۔

ابو سلمہ خلال جو اہلبیت علیہم السلام کی لیے لوگوں کو دعوت کرتا تھا۔ اور ابو مسلم جو ابو سلمہ کا تابع تھا دونوں نے تین آدمیوں کے نام خط لکھا۔ ایک جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام۔ دوسرا عبد اللہ محض کے پاس تیسرا عمر الاشرف کو۔ قاصد نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ابتدا کی اور سب سے پہلے آپ کی خدمت میں رات کے وقت حاضر ہوا خط دیا اور جواب مانگا۔ آپ نے خادم کو حکم دیا کہ شمع سامنے لائے۔ جب شمع سامنے آئی تو آپ نے وہ خط جلا دیا۔ اور قاصد سے فرمایا کہ اسکا یہی جواب ہے۔ قاصد بھی وہاں سے اُٹھکر عبد اللہ محض کے پاس آیا خط دیا اُنہوں نے خط پڑھا اور اپنے بیٹوں محمد الملقب بہ نفس زکیہ اور ابراہیم کیلیے خلافت کے خواہشمند ہوئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس امر خاص میں آپ سے مشورہ کیا۔ آپنے فرمایا کہ اے چچا خدائے تبارک تعالے نے مجھے حکم محکم فرمایا ہے کہ میں کسی مرد مسلمان کی نصیحت سے دریغ نہ کروں تو پھر ایسی حالت میں آپ کی نصیحت سے کیسے باز رہ سکتا ہوں۔ پس آپ اپنے نفس میں اس امر کی تمنا نہ کریں کیونکہ یہ امارت بنی عباس کے لیے مخصوص ہو چکی ہے۔ چنانچہ جیسا آپنے فرمایا تھا ویسا ہی وقوع ہوا۔ عمر الاشرف مدینہ میں موجود نہیں تھے۔

چنانچہ امام یافعی تحریر کرتے ہیں:۔

وارسل ابو مسلم المروزی صاحب الدولۃ الی جعفر الصادق علیہ السلام قال انی دعوت الناس الی موالات اھل البیت فان رغبت فیہ فانا ابایعک فاجابہ ما انت من رجالی ولا الزمان زمانی ثم جاء ابو مسلم بالکوفۃ و بایع السفاح

ابو مسلم مروزی نے ایک مخصوص آدمی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیغام دیا کہ اگر آپ خلافت کو قبول کریں تو میں آپکی بیعت کرنے پر راضی ہوں۔ آپنے جواب دیا کہ تم میرے شیعوں میں سے نہیں ہو۔ اور نہ یہ زمانہ میری خلافت کا زمانہ ہے پس ابو مسلم کوفہ گیا اور سفاح سے بیعت کرکے منصب امارت و خلافت کو اُسکے سپرد کیا۔ ارکین خلافت و منتظمین سلطنت کا قبول خلافت کے لیے اصرار پر اصرار اور حضرت امام بحق ناطق امام جعفر صادق علیہ سلام کی طرف سے انکار پر انکار تو تحریر بالا سے الشمس کالنصف النہار ظاہر و آشکار ہو گیا۔ خوارج و نواصب دوست حضرات آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ خدا کی طرف سے مقرر کیے ہوئے امام کی شان اُسکے استغنا اور توکل کی یہ صورت ہوتی ہے۔ اگرچہ اُسکی ظاہری حالتوں سے غایت درجہ کا افلاس اور عسرت ظاہر ہوتی ہو۔ مگر اُسکی طبیعت تیز۔ ہمتیں عالی۔ حوصلے وسیع۔ دست کرم کشادہ۔ پائے استقلال محکم ہوتے ہیں۔ اور وہ پورا پورا ع فاقوں میں دل بھی چشم بھی اور ہمتیں بھی سیر۔ کا مصداق ہوتا ہے۔ دنیا اور دنیا کے امارت پسند۔ دولت اقتدار اور ثروت ناپائدار کی ہزاروں دلربا اور دلکش تصویریں۔ ایک نہیں ہزار بار اُنکی خدمت میں پیش کردیں تو کیا اُنکی التفات کی نگاہیں اُنکی توجہ کی نظریں کبھی جھوٹوں بھی اُنکی طرف مائل نہیں ہوتیں۔

دنیا کی پولیٹکل مذاق رکھنے والے حضرات ان موقعوں کو مغتنمات سے گنتے ہیں۔ اور بڑے نصیبوں سے ایسے دن دنیا کو ہاتھ لگتے ہیں۔ یہی پُر آشوبی کا زمانہ اور طائف الملوکی کے ایام ایسے مستحکم ذریعے ہوتے ہیں جو شاہی خاندانوں کو اُنکے موروثی تخت سلطنت سے اُتار کر معمولی سے معمولی اور محض مجہول الاحوال آدمی کو تخت و تاج کا وارث بنا دیتے ہیں ایسی مثالیں دنیا کی کارناموں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ ہماری کتابوں کے ناظرین ابو سلمہ اور ابو مسلم کے وہ اختیار اور اقتدار جو اُس زمانہ میں اُنہیں حاصل تھے ایک طرف ملاحظہ فرمائیں۔ پھر اُنکے ایسے اختیار یافتہ حضرات کو

قبولِ خلافت کی ملتجیانہ اصرار کو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی قطعی انکار کی ساتھ موازنہ کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس تختِ سلطنت کو ایک بار نہیں کئی بار ٹھوکر ماردی ہے جس کے آگے دنیا کے بڑے بڑے مشہور اور مقتدر امراء اور سلاطین اپنے سر فرقِ نیاز خم کرتے تھے۔

علم تاریخ سے شغف و مذاق رکھنے والے حضرات امام جعفر صادق علیہ السلام کے سوا کیا کسی دوسرے آدمی کا نام اس مثال میں پیش کر سکتے ہیں جس نے اپنے زمانہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرح ابوسلمہ اور ابومسلم کی ایسے معزز اور مقتدر لوگوں کی درخواستوں کو یک قلم مسترد فرما دیا ہو اور اُنکی التجا اور استدعا پر کوئی اعتنا نہیں کی ہو۔ دولت دنیا کی متمنی حضرات آپکے ایسے انکار کو خلاف تدبیر سمجھینگے۔ مگر اُن کو سمجھ لینا چاہیے کہ اصل تدبیر وہی ہے جو مدبر اللیل والنہار کی احکام کی مطابق ہو۔ اور جو تدبیر اُسکے خلافِ حکم ہو وہ صحیح تدبیر نہیں ہے۔ بلکہ حرص اور طمع نفسانی۔ مگر اسکی ساتھ ہی ہمکو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا انکار اور ایسا استرداد۔ ایسا استغنا اور ایسی احتیاط سوائے خاصانِ خدا اور مقربانِ بارگاہ رب العلا کی اور کسی دوسرے سے ممکن نہیں۔ دنیا کی عام طبیعتیں جب تک تائیدات و توفیقاتِ الٰہی سے مؤید نہ ہوں ایسے استغنا۔ قناعت اور توکل پر قادر نہیں ہو سکتیں۔ اور یہی اوصاف و محامد مخصوصہ ایسے ہیں جن سے امام منصوص من اللہ اور امیر متبعین بالناس کی تمیز اور فرق مابہ الامتیاز پورے طور پر ہو سکتا ہے۔

مثال کیلیے امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبداللہ محض کی واقعات موجود ہیں۔ اگرچہ عبداللہ بھی اُسی خاندانِ والا کی یادگار ہیں جس اسلافِ طاہر کے امام جعفر صادق علیہ السلام مایۂ افتخار ہیں۔ مگر ان دونوں حضرات میں فرق تھا تو یہی کہ وہ مؤید اور منصوص من اللہ نہیں تھے۔ اور یہ مؤید اور منصوص من اللہ تھے۔ اس لیے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے قبولِ خلافت سے انکار کیا اور اُسکے خلاف عبداللہ نے اُسپر اپنی طرف سے میلانِ خاطر اور دلی رغبت دکھلائی۔
مجھ کو اس بحث سے جو دکھلانا منظور تھا وہ یہی ہے کہ جناب صادق آلِ محمد علیہ السلام نے ایسے عمدہ ترین موقعہ کو جس میں آپ تمام بلادِ اسلامیہ کے فرمانروا تسلیم کیے جاتے تھے اپنے کمالِ استغنا سے کوئی چیز نہ سمجھا اور اُسکی طرف کوئی اعتنا نہ فرمائی۔ اسکی اصل وجہ یہی تھی کہ آپ اپنے موجودہ منصبِ رفیع اور مراتبِ جلیلہ کے آگے دنیاوی ثروت و اقتدار کو محض ہیچ اور بے بنیاد سمجھتے تھے۔

اور اُسکی کوئی پروا نہ فرماتے تھے۔ حضرت واہب العطایا کی عطیۂ امامت کے مقابلہ میں ابومسلم کی تفویضِ امارت کو کوئی چیز نہ سمجھے۔ اس امارت اور سلطنت کے متعلق جو ہونیوالا تھا آپ کو اُسکا پورا علم خدا کی طرف سے عطا ہو چکا تھا۔ اور وہ روزِ روشن کی طرح آپکی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے ایک دن ابوجعفر منصور کے مقابلہ میں محمد ابن عبداللہ الملقب بہ نفس زکیہ سے جو حصولِ خلافت کی کوششوں میں شروع ہی سے مصروف تھے کھل کھلا کہدیا تھا کہ یہ امر **بنی ہاشم** میں سے کسی کیلیے واقع نہیں ہوگا۔ یہ امر خاص اولادِ عباس کا حصہ ہے۔ چنانچہ **ابن حجر عسقلانی** صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں۔

ان محمد الملقب بالنفس الزکیه ابن عبد الله المحض فی اواخر دولت بنی امیة اراد و مبایعه محمد و اخیه وارسل الی جعفر لیبایعهما فامتنع فالهمانه یحسدهما فقال یا ابن عم لاالکتم نصیحة للمسلمین فکیف اکتم نصیحتکم والله لیست الخلافة لکما انها لصاحب القباء الاصفر ولیلعبن صبیانهم وغلمانهم وکان المنصور العباسی حاضرا وعلیه قباء اصفر فکان ما قال جعفر الصادق رضی الله عنه۔

محمد الملقب بالنفس الزکیہ ابن عبداللہ المحض نے سلطنتِ بنی اُمیہ کی آخر ایام میں یہ ارادہ کیا کہ بنی ہاشم ہماری اور ہمارے بھائی محمد کی بیعت اختیار کریں۔ اس لیے انہوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بھی اپنی بیعت کرنے کی پیغام بھیجے۔ آپنے انکار فرمایا اور محمد نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ آپ بوجہ حسد کے ہماری بیعت نہیں کرتے۔ آپ نے اُنکے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یا ابن عم جب میں تمام اہلِ اسلام کو اپنی نصیحت سے دریغ نہیں کر سکتا تو پھر تم سے کیونکر اپنی نصیحت دریغ کر سکتا ہوں۔ خدا کی قسم امرِ خلافت نہ تمہاری لیے ہے نہ ہماری لیے بلکہ اُس زرد قبا والے کا حصہ ہے۔ اُسکے لڑکے اسکے جوان اُس سے کھیلیں گے۔
منصور عباسی اُس صحبت میں حاضر تھا اور زرد قبا پہنے ہوئے تھا بس جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔
اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ جو کچھ اس امرِ خلافت و امارت کی متعلق ہونیوالا تھا وہ قبل ہی سے آپ کو معلوم تھا۔ اس لیے آپ نے اُس سے انکار کیا۔ اور عبداللہ محض وغیرہ کو بھی اسکے اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ یہانتک کہ اُن کو اُنکے تمام مصائب و شدائد کی صحیح صحیح حال جو اس فتنہ و فساد کی وجہ سے اُن پر گذرنیوالے تھے اُن کو

بتلادیئے۔ اور اُنکی سچی تصویریں اُنکو دکھلا دیں۔ مگر وہ نہ مانے اور اپنے ارادوں پر اصرار کرتے رہے۔ آخر وہ تمام باتیں ایک ایک کرکے اُسی طرح ظاہر ہوئیں جیسی کہ آپ نے ارشاد فرمائی تھیں۔ تمام واقعات عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان میں آتے ہیں۔

عبداللہ ابن محمد السفاح کی سلطنت

بہرحال اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلۂ بیان پر آجاتے ہیں صاحبِ روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ ابوسلمہ ابھی کوفہ میں اپنے مدینہ والے خطوں کے جواب کا انتظار کر رہا تھا اور قاصد مدینہ ہنوز واپس نہیں آیا تھا کہ ابراہیم کی وفات کی خبر کوفہ میں تحقیق طور پر معلوم ہوگئی۔ عباسیوں کو اس خبر سے سخت انتشار و اضطراب لاحق حال ہوا۔ ابوسلمہ ابھی تک امرِ خلافت میں مشتبہ تھا اور جواب مدینہ کا انتظار کر رہا تھا کہ یکایک متابعانِ ابومسلم اور ہواخواہانِ بنی عباس نے بلا اجازت و مشورتِ ابی سلمہ عبداللہ السفاح کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور دفعتاً اُسکو امتِ اسلامیہ کا خلیفہ اور فرمانروا تسلیم کرلیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۳)

بنی حسن کے مقابلہ میں بنی عباس کی مدبرانہ چالیں

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ بنی عباس کی طرح بنو حسن بھی دعویدارِ خلافت تھے اور وہ بھی ایسے وقت میں جب بنی امیہ آپس کی خانہ جنگیوں میں اُلجھے ہوئے تھے اپنی امارت کی فکریں کر رہے تھے۔ اگر اولادِ عباس کی پوشیدہ دعوت خراسان اور اُسکے مضافات میں ہو رہی تھی تو آلِ حسن کی خفیہ بیعت بھی خاص مدینہ اور اُسکے اطراف میں لی جا رہی تھی۔ اگر ابوسلمہ اور ابومسلم نے خلافت و امارت کے لیے بنی عباس کو نامزد کیا تھا تو اُسی امر کے لیے اُنکے پاس بھی خط لکھے تھے اور استدعا کی تھی۔

غرض ان تمام قرینوں سے دونوں گروہ کے لوگ برابر کے دعویدار تھے اور جانبین سے حصولِ مقاصد کے لیے کوششیں ہو رہی تھیں۔ مگر نہیں معلوم پھر کیا ہوا کہ ساری دنیا نے اولادِ عباس کی بیعت کرلی۔ اور بنی حسن برابر کے حریف اور پہلو کے رقیب مُنہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور چوں نہ کر سکے۔ جب ہم اس سکوت اور خموشی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ یہ سکوت تسلیمی تھا اور آپس کے مشورے اور صلاح سے اختیار کیا گیا تھا۔

کیفیت یہ ہے کہ جب عباسیوں کو معلوم ہوا کہ ابوسلمہ اور ابومسلم نے بنی عباسیوں کی جگہ بنی فاطمہؑ کو نامزد کیا ہے اُنکو خط لکھے ہیں اور بلایا ہے تو اُن میں سخت انتشار پیدا ہوا۔ عبداللہ سفاح جو اُن میں نہایت ہوشیار اور بیدار مغز تھا سوچا کہ بنی فاطمہؑ کے ملائے بغیر کام نہیں چلیگا ان بزرگواروں میں سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے پورا اطمینان تھا کہ آپ اسکی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائینگے۔ عمر الاشرف کی نسبت بھی یقین تھا کہ وہ اپنے گوشۂ عزلت سے باہر نہ نکلینگے اُسکو جو کچھ اندیشہ تھا وہ عبداللہ محض اور اُن کے صاحبزادے حسن الملقب بہ نفسِ زکیہ اور ابراہیم کی طرف سے۔ عبداللہ سفاح پر کیا منحصر ہے تمام بنی عباس اور بنی ہاشم پر ظاہر تھا کہ یہ حضرات امرِ امامت کی تبلیغ کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان وجوہ سے ان کا ملا لینا از حد مفید اور ضروری سمجھا گیا۔ سفاح نے اپنے چھوٹے بھائی منصور کے مشورے سے اُنکے پاس آدمی بھیجکر بہت سے وعدہ وعید کرکے ان لوگوں کو کم سے کم اتنا تو ضرور راضی کرلیا کہ سفاح کی بیعت کوفہ میں ہوگئی۔ اور یہ اپنے مقام پر خاموش بیٹھے رہے۔ اور اپنی امارت کا اعلان مدینہ میں نہ کر سکے۔

تمام اہلِ اسلام نے انکے سکوت کو انکی عین رضامندی سمجھکر بنی عباسیوں کی بیعت میں لب نہ ہلایا اور کوئی عذر نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی کہ بنی عباس کی امارت اس آسانی اور اطمینان سے کوفہ میں تسلیم کرلی گئی۔ اور وہ بغیر کسی عذر کے ممالکِ اسلامیہ کا فرمانروا تسلیم کرلیا گیا۔ مگر آگے چل کر بنی عباس اپنے وعدے کو وفا نہ کر سکے اور اپنی شرط پر قائم نہ رہے جسکی وجہ سے منصور کے زمانۂ سلطنت میں محمد نفسِ زکیہ اور ابراہیم نے خروج بالسیف کیا جسکی تفصیل عنقریب ہمارے سلسلۂ بیان سے ظاہر ہوگی۔

ابوسلمہ کی بداقبالی

عبداللہ السفاح کی کوفہ میں بیعت ۴ ربیع الآخر سنہ ۱۳۲ھ میں کی گئی۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ابوالعباس کی بیعت ابوسلمہ کی لاعلمی میں واقع ہوئی۔ کیونکہ ابوسلمہ قاصد مدینہ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اور اُسکی خواہش تھی کہ اگر بنو فاطمہؑ اس منصب کو قبول فرمائیں تو اُن کو بنو عباس پر ترجیح دی جائے۔ عمائد بنی عباس مثل سفاح اور منصور وغیرہ اسکے مرکوزِ خاطر کو سمجھ چکے تھے۔ اس لیے اُنہوں نے حسن ابن قحطبہ۔ ابوالجہم۔ موسیٰ بن کعب اور ابوحمید کو جو لشکرہائے عراق اور فارس کے سربرآوردہ اور نامبردہ سردار تھے

ان لوگوں کو اسپنے حصولِ مقاصد میں اپنا ہمداستان و ہمزبان بنالیا۔ دونوں مقاموں کی فوج اور انکے سردار باتفاق خود ہا انکی خلافت پر راضی ہوگئے تو ان لوگوں نے ابو سلمہ کی آنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور بیعت ہوجانے اور خلافت ملجانے کی عجلت نے اتنی تاخیر کو غیر ضروری سمجھکر اسکے آنے کی انتظار کی اجازت نہ دی۔ جلدی سے اسکی بیعت ہوگئی۔

جب سفاح کی تخت نشینی کی خبر ابو سلمہ کو ملی تو وہ تن تنہا نئے خلیفہ کی سلام کے لیے حاضر ہوا۔ اُس وقت تمام لشکر کے رؤسا و امرا آستانِ خلافت پر جمع تھے۔ بہرحال۔ جب ابو سلمہ دربارِ خلافت کے بابِ عالی پر پہنچا تو دربانوں نے اندر جانے سے منع کیا۔

اس سے بڑھکر دنیا کی نیرنگ اور کیا ہونگی۔ اس سے چند روز پہلے ابو سلمہ کی ثروت واقتدار اور قوت واختیار کی کیا صورت تھی۔ عراق کا تمام لشکر اُسکے زیرِ فرمان تھا حسن ابن قحطبہ کی فرستادہ خراسانی فوج بھی اسی کی مطیع تھی۔ تمام آلِ عباس مروان کی خوف سے اسی کی دامن عاطفت میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ اور اُسی کی مراحم واشفاق کو اپنے حصولِ مقاصد کا ذریعہ اور وسیلہ سمجھتے تھے۔ آج دم کے دم میں اسکی عزت واقتدار کی کایا پلٹ ہوکر اُسکی ذلت اور ادبار کی یہ حالت ہوئی کہ وہ اپنے مقام سے اپنے فرمانروا کی خدمت میں بیکس بیدل دو گوش تنہا جارہا ہے جس کو بروایت روضۃ الصفا آج چالیس روز سے اپنے گھر میں چھپائے ہوئے تھا۔ آج اُسکے ساتھ نہ رفیقوں کا ہجوم ہے اور نہ ندیموں کا جمگھٹ۔ وہ ہے اور اُسکی تلوار۔ دروازے پر پہنچا ہے تو معمولی درجہ کے دربان اُسکو اندر جانے سے منع کرتے ہیں اور پاس جانے نہیں دیتے۔ حالانکہ یہ دربان وہی لوگ ہیں جن کو اسی نے قلیل اور معمولی تنخواہوں پر نوکر رکھا ہے۔ مگر کیا کل اقبال تھا تو سب کچھ تھا اور آج ادبار ہے تو کچھ بھی نہیں۔ دنیا کا عروج وزوال دریا کے جزر ومد کی مثال ہے کہ طرفۃ العین میں کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ ابو الجہم کا حکم اُسکی اس ذلت کا باعث ہوا تھا اور اُسکی کیفیت یہ ہے کہ ابو الجہم لشکرِ عراق میں ایک مشہور ومعروف سردار تھا۔ اور فی الحال بنی عباس کا بہت بڑا خیر خواہ۔ ابو سلمہ کے آنے کی خبر پاکر بابِ عالی سے باہر آیا اور دربانوں سے کہنے لگا کہ تم لوگ اس وقت سے خلیفۂ عصر (السفاح) کی ملازم ہو پس اُسی کے حکم کے مطیع ومنقاد بنے رہو۔ اور کسی شخص کو عام اس سے کہ وہ کسی مرتبہ اور منصب کا ہو۔ اُسکی اجازت کی بغیر اندر نہ آنے دو۔ یہی وجہ تھی کہ دربانوں نے ابو سلمہ کو اندر جانے سے منع کردیا۔

اور جانیکی اجازت بھی دی تو تنہا۔ اس لیے ابو سلمہ کی مخصوصین وانصار پر روکدیے گئے۔ اور ابو سلمہ تن تنہا خلیفۂ عصر کی خدمت میں پہنچایا گیا۔ ابو سلمہ بھی بہت بڑا تجربہ کار اور ہوشیار مدبر تھا موقع وقت اور مصلحت زمانہ کو فوراً پہچان گیا اور اپنی جان ومال کے استحفاظ کو اپنے تمام امور سے مقدم سمجھکر اُن کارروائیوں پر کچھ تعرض نہ کرسکا۔ خلیفہ کی خدمت میں گیا۔ اور خلیفہ کو خلافت کی تہنیت دی۔ ابو حمید طوسی جو اہلِ خراسان کا سردار تھا تعریضاً اُسکی تہنیت کی جواب میں کہنے لگا علی رغم الفک (تمہاری ناک رگڑی جانیکے بعد) ابو حمید کے اس طعن کا اشارہ ابو سلمہ کی اُن مراسلات کی طرف تھا جو اُسنے بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کے ساتھ جاری کیے تھے۔ السفاح نے ابو حمید کی اس تعریض کو خلافِ مصلحت سمجھا اور اُس سے کہا کہ ابو سلمہ کے ساتھ اس قسم کی تعریض مناسب نہیں ہے کیونکہ اسکے بہت سے حقوق ہمارے ذمہ ہیں۔

یہ کہکر ابو سلمہ سے سفاح نے کہا کہ آپ اس وقت اپنے دولت خانہ پر تشریف لیجائیے اور کل صبح کو مردم کوفہ کے ہمراہ مسجد جامع میں تجدید بیعت کرنے کے لیے بارِ دگر زحمت گوارا فرمائیں۔

مسجد کوفہ میں بنی عباس کا پہلا خطبہ

دوسرے دن علی الصباح ابو العباس السفاح دار الامارہ سے نکلا اور مسجد جامع میں نہایت شان وتجمل سے داخل ہوکر بخلاف عادت بنی امیہ منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا۔ پہلے خدا کی حمد اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت بیان فرمائی۔ پھر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہوکر وہ منبر پر گیا۔ نہایت فصیح وبلیغ خطبہ پڑھا۔ مگر چونکہ دو تین روز پہلے سے بیمار تھا اسلیے ضعف ونقاہت نے منبر پر زیادہ کھڑے رہنے سے مجبور کردیا۔ آخر الامر بیٹھ گیا۔ اُس کی بھائی داؤد ابن محمد نے کھڑے ہوکر حاضرین کو مخاطب کرکے کہا۔ ایہا النّاس! آپ تمام حضرات کو معلوم ہے کہ اس منبر پر بعد جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی خلیفہ نے پاؤں نہیں رکھا۔ سوائے جنابِ علی مرتضےٰ علیہ السلام یا موجودہ امام کے جو اس وقت تمہارے پیش نظر ہے۔ اب آپ حضرات واقف ہوں کہ امرِ خلافت اب ہمارے خانوادہ میں آیا ہے۔ یہ امر ہمیشہ اُس وقت تک ہماری گھر سے باہر نہ جائیگا جب تک کہ جنابِ عیسیٰ مریم علے نبینا وعلیہ السلام آسمان سے زمین کی طرف نزول نہ فرمائینگے۔

راوی کی اس تقریر کی کیا غرض تھی اور خصوصاً اس فقرہ سے کہ "از میان ما بیرون شود آں نشان کہ عیسیٰ از آسمان نزول فرماید"۔ اسکا کیا مقصود تھا؟ اسکی غرض ظاہر اور صاف ہے۔ وہ اپنی امارت اور ملک اور دعاوی ولایت و امامت سے تعبیر کرتا ہے جس کی استقرار اور قیام کے لیے جناب مخبر صادق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام قیامت اور نزول عیسیٰ تک کی میعاد کی سچی اور صحیح بشارت پہنچائی تھی ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ بنی عباس نے آل محمد کی امامت تو اپنی امارت مراد لیکر دنیا کو ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کی اطاعت کی آڑ میں اپنا مطیع و منقاد بنانا چاہا تھا۔ اور حضرات آل محمد کے مجمل کلمہ سے یہی عالم فریبی مراد تھی۔ ورنہ بنی عباس اگر بہت ہونگے تو بنو ہاشم یا آل عبد المطلب۔ بنی فاطمہ یا آل محمد تو کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ آل محمد کے مقدس طبقہ میں سوائے بنی فاطمہ کے کوئی دوسرا قبیلہ یا عشیرہ عقلاً یا نقلاً داخل نہیں ہو سکتا۔

بنی عباس نے انہی حضرات کے ساتھ شامل رہنے میں اپنی کامیابی کی صورت نکلتی دیکھی کیونکہ اگر وہ تفریق کرتے اور اپنے کو ان بزرگواروں سے جدا کرتے تو سونے کا بنا بنایا گھر مٹی ہو جاتا۔ اس لیے آل محمدؐ کے مجمل کلمہ سے اپنا کام نکالا گیا۔ اور اہل اسلام کے عام دلوں کو اپنی جانب مائل کیا گیا۔ اور تمام لوگوں نے عام طور سے آل محمد کی حمایت اور اعانت کا اعتبار کرتے انکا ساتھ دیا اور انکی اطاعت کر لی۔

اس وقت بھی اگرچہ انکے امور مرتب اور درست ہو گئے تھے اور انکی دسترس شاہد تمنا تک پہنچ چکے تھے۔ سفاح کی عام بیعت ہو گئی مسجد جامع میں خطبہ بھی انہی کے نام کا پڑھا جا چکا۔ غرض ہر طرح سے انتظامی حالت درست ہو گئی تھی۔ مگر تاہم یہ اپنے راز کے افشا کو مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ اور جن عالم فریبیوں سے یہ کامل بیس برس سے کام لے رہے تھے انکو اٹھا کر اپنی قوت اور اقتدار کے ذریعہ سے کسی نئے اور جدید طریقہ سے کام لینا نہیں چاہتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ابھی ہماری قوت و اقتدار اور ثروت و اختیار کی ابتدا ہی ابتدا ہے جسکا اثر کامل طور سے عام قلوب پر نہیں ہوا ہے۔ اگر وہ فوراً اس طریقہ کو ہٹا کر کسی جدید طریقہ پر چلائے جائینگے اور وہ اصول جس پر انکی دعوت کی گئی ہے کسی تازہ اصول کے مقابلہ میں غلط ٹھیرایا جائیگا تو عموماً ملک میں غدر اور فساد کا کامل یقین ہو جائیگا۔ انہی امور پر غور کر کے داؤد ابھی تک اپنی قدیم پالیسی پر قائم رہا اور دنیا کو اس وقت تک یہی بتلاتا رہا کہ ہم ہی آل محمد ایک ہیں۔ جیسا کہ اسکے اس خطبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنی امارت کو جناب امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی امامت کا مساوی اور مماثل ٹھیرایا۔ اور اپنے دعوے میں اپنی خلافت کو بھی اسی طرح حق ثابت کیا جس طرح آپکی خلافت۔ اور آخر تقریر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کے مطابق اپنی امارت کو امامت حقہ سے تعبیر کر کے قیام قیامت اور نزول عیسیٰ تک قائم رہنا ثابت کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ داؤد کی اس تقریر کا تمام کمال مقصود یہ تھا کہ جس خلافت حقہ اور امامت مخصوصہ کی خبریں احکام متواترہ اور ارشاد متکاثرہ سے ثابت ہیں وہ ہماری ہی خلافت ہے۔ عوام کالانعام کو شبہ میں ڈالنے اور فریب میں لانے کی غرض سے سب سے سہل ذریعہ جو انہیں ہاتھ آیا یہ آل محمد کا مجمل لفظ تھا جس میں وہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو داخل کیے دیتے تھے۔ مگر یہ عالم فریبی انہی لوگوں تک محدود تھی جو آل محمد علیہم السلام کے اصلی اور حقیقی بزرگوں کی معرفت کلی نہیں رکھتے تھے۔

اور انکے علاوہ جو صاحبان بصیرت اور واقفان حقیقت تھے جو ان بزرگوار کی پوری معرفت رکھتے تھے۔ وہ اپنے مقام پر بیٹھے بیٹھے نہایت خموشی سے ان کی حق فراموشی اور گندم نما جو فروشی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ انکی بلہ فریبیوں میں نہ آنیوالے تھے۔ نہ آئے۔ اور انکے ثروت و اقتدار کو ناقابل اعتبار سمجھ کر حسب الامر واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا انہی ذوات مقدسہ کی خدمات میں اپنی عقیدت کے سر جھکائے رہے جو حجۃ اللہ علی اہل الدنیا و عروۃ الوثقیٰ کے اصلی مفہوم تھے۔

ابو سلمہ سے بنی عباسیوں کی مخالفت

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ آل محمد کے ساتھ بنی عباس کا یہ تمسک ان کے حصول مدعا تک منحصر تھا اور ان کا اس لقب مبارک کے ساتھ خلوص نسبتی صرف انکی خود غرضی کی بدولت تھا۔ جب تک وہ اپنے مدعا پر فائز نہیں ہوئے تھے وہ اس مبارک نسبت کے ساتھ اپنی خلوص اور یکجہتی کا دم بھرتے تھے۔ مگر ادھر وہ شاہد تمنا سے ہمکنار ہوئے ادھر اس تمام خلوص [illegible] کو الفراق کہکر رخصت کیا۔ اور پھر کبھی جھوٹوں سچوں بھی ان تعلقات کا نام نہ لیا۔ بلکہ برعکس اسکے ان حضرات اور انکے متابعین [illegible] کے ساتھ وہ مخالفت دکھائی اور انکو انہی ایسی شدید مصیبتوں میں مبتلا کیا اور ایسی ایسی بیرحمیوں سے انہیں قتل کیا کہ بارہ سو برسوں کے بعد بھی آج

اُن مظالم کو سُنتے ہوئے یا بیان کرتے ہوئے انسان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُن کے مظالم تمام تاریخوں میں لکھے ہیں۔ اور ہمارے سلسلۂ بیان میں تو اس جلد سے لیکر انشاء اللہ بارھویں جلد تک اپنے اپنے مقام پر بالتفصیل بیان کیے جائینگے۔

خود آلِ محمد کے ساتھ بنی عباس کے مظالم اور شدائد انکو اُن کے اسلاف کا پورا پورا مصداق ثابت کرتے ہیں اور انکی ظالمانہ حرکات کے اعتبار سے انکو سلاطین امویہ کا پورا قائم مقام اور جانشین ہونا ظاہر کرتے ہیں بلکہ ان واقعات کو دیکھکر ایک انصاف دوست اور منصف مزاج محقق شرطِ عدالت پر قائم رہکر اُن بیگانوں کے مقابلہ میں ان یگانوں کے مظالم کو زیادہ حیرت اور استعجاب کی نگاہوں سے دیکھیگا۔ اور یہی ایسا ہی ہے بنی عباس نے تختِ امارت پر بیٹھتے ہی اپنی خلافت و سلطنت کے لیے وہی اصول قائم رکھے جو سلاطین بنی امیہ نے اپنے استحکامِ سلطنت کے واسطے تجویز کیے تھے ان امور میں وہ بنی امیہ کے پورے مقلد نکلے۔ اگر زیادہ تحقیق سے کام لیا جائے تو یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ یہ مقلدین ان امور میں اپنے مقتداؤں سے ایک انگل دو انگل کیا ہاتھ دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔

تختِ امارت پر قدم جماتے ہی ان حضرات نے خاص طور پر ایسے لوگوں کا استیصال کرنا شروع کر دیا جو حقوقِ اہلبیت کے مؤید تھے۔ یا آلِ محمد کے خیر خواہ۔ بالکم سے کم وہ لوگ تباہ۔ برباد اور قتل کیے گئے جن پر ان حضرات کے خلوصِ محبت کا شبہہ ہوتا تھا۔ جیساکہ ابو سلمہ اور ابو مسلم کے واقعات سے کامل طور پر ثابت ہوتا ہے۔

جب سفاح کو عراق کے انتظام سے فراغت ہو گئی تو اُسنے مروان حمار پر چڑھائی کر دی۔

مروان الحمار کی شکست

مروان عباسیوں کے مقابلہ سے غافل نہیں تھا۔ اُس نے ایک لاکھ جرار فوج سے مقابلہ کیا۔ یہ لڑائی مقام زاب پر واقع ہوئی۔ جانبین کے مقابلہ کے بعد فوراً مروان کی فوج میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اتنی بڑی فوج میں اتنی جلدی شکست کے آثار نمایاں ہو گئے۔ اسکی کیا وجہ؟ سوائے بداقبالی اور ادبار کے اسکا اور کیا باعث بتلایا جا سکتا ہے۔

صاحب روضۃ الصفا اپنی اسناد سے لکھتے ہیں کہ جب جانبین کے لشکر آراستہ ہو کر مقابلہ پر آ گئے تو مروان لشکر سے علٰحدہ ہو کر استنجہ کی ضرورت سے ایک گوشہ میں چلا گیا۔ گھوڑے کو کھڑا کر دیا۔ اتفاق وقت سے گھوڑا بھاگ نکلا۔ گھوڑے کا خالی زین پاکر فوج نے سمجھا کہ مروان فوج مارا گیا۔ پھر کیا تھا یہ چل وہ چل۔ دم کے دم میں سارا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ چنانچہ مروان کی نسبت اُسی وقت سے عرب میں یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی۔ ذھب الدّولۃ ببولۃ۔ اُسکی دولت پیشاب کے ساتھ نکل گئی۔

غنیم کو بھاگتا دیکھکر بنی عباس کے لشکر نے آپر خوب خوب ہاتھ صاف کیے اور جی بھر بھر کر اُنکے مال و متاع کو لوٹا۔ قوم بنی امیہ کو جب بڑا دن دیکھنا ہوا اور بڑی سخت بلا سے سامنا ہوا جو مارے گئے وہ مارے گئے۔ جو بچ گئے وہ بھاگے۔ مگر بھاگنے سے بھی اُنکی جانیں نہیں بچیں۔ ان فراریوں نے اضطراب کے عالم میں یہ بھی نہ دیکھا کہ ہم ادھر بھاگتے ہیں۔ بھاگتے چلے تو کچھ دور آگے جا کر دریائے فرات یکایک اُنکے سدِّ راہ ہو گیا۔ اور پیچھے سے غنیم تعاقب کرتا ہوا سر پر آ دھمکا۔ اس گھبراہٹ میں وہ مضطرب الحال دریا میں کود پڑے۔ اور اُنکے ہزاروں آدمی دریا میں اُسی طرح غرق ہو گئے۔ اُنہی ڈوبنے والوں میں ابراہیم ابنِ ولید ابن عبد الملک بھی تھا۔ جو چھ مہینے تک خلیفہ بن چکا تھا۔ عبد اللہ ابن علی جو اُس وقت اُنکے تعاقب میں سرگرم تھا اُن کو ڈوبتا ہوا دیکھکر یہ آیۂ وافی ہدایہ تلاوت کرنے لگا۔ واذ فرقنا بکم البحر فانجیناکم واغرقنا آل فرعون وانتم تنظرون۔

مارے جانیوالوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہوئی۔ مگر تمام تاریخوں میں اتنا ضرور لکھا ہے کہ مروان کی ایک لاکھ فوج میں بہت کم آدمی ایسے تھے جو جانبر ہو سکے۔ اس لڑائی میں عباسیوں کو بنی امیہ پر فتح کامل حاصل ہوئی۔ اور کثرت سے مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ جب سفاح کو اپنی کامیابی کا مژدہ ملا تو وہ یہ آیۂ وافی ہدایہ پڑھتا ہوا سجدۂ شکر میں خم ہو گیا۔ وقتل داؤد جالوت واتاہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء۔

مروان کی اخیر داستان

اب مروان کی اخیر داستان یہ ہے کہ مقام زاب سے بھاگ کر شہر موصل میں آیا۔ بداقبالی تو سر پر ناچ رہی تھی۔ اہلِ موصل نے شہر میں آنے بھی نہ دیا۔ مروان مجبور ہو کر شہر حران کی طرف چلا گیا اور وہاں سے ممالک افریقیہ کی طرف روانہ ہوا۔

سفاح نے ابو عون کو مروان کے پیچھے لگا رکھا تھا۔ وہ بھی اس کے نشانِ قدم پر برابر سراغ لگاتا ہوا چلا ہی گیا۔ جب حران میں مروان کے افریقیہ چلے جانیکی خبر معلوم ہوئی تو یہ بھی بعجلت تمام مجبوراً سکے ساتھ

تک پہنچا۔ اتفاق وقت سے مروان اُسی وقت کشتی پر سوار ہوا تھا
عامر ابن اسمٰعیل جو اسکے مخصوصین میں تھا اِس امر کی خبر پاکر مروان
کے ساتھ اسی کشتی پر بیٹھ گیا کشتی کھل گئی جب مروان ممالک فراعنہ
میں پہنچکر دریائے نیل سے پار اُترا تو اسمٰعیل بھی ساتھ تھا صعوبت سفر
سے خستہ ہوکر مروان ایک مقام پر سوگیا۔ اسمٰعیل نے فرصت پاکر اُسکا
سر کاٹ لیا اور سلاطین بنی امیہ کے آخر بادشاہ کا خاتمہ کر دیا عباسیوں
کو سلطنت کے ساتھ ہی بنی امیہ کی تمام مال و دولت بھی ملی جسے وہ
برسوں سے جمع کر رہے تھے۔ خصوصاً محمد ابن عبدالملک بن مروان
و عمر ابن یزید ابن عبدالملک اور عبدالواحد ابن سلیمان ابن عبدالملک کا
تمام اندوختہ جو قوم بنی امیہ میں سب سے زیادہ صاحب پایہ و مایہ
تھے ان کے قبضہ میں آگیا۔

بنی امیہ کا قتل عام

اسکے بعد السفاح نے بنی امیہ کے قتل کیے جانیکا حکم عام دیدیا۔
قبیلے کے قبیلے اور عشیرے کے عشیرے تباہ و برباد کر دیے گئے۔
اسکے صرف ایک عامل سلیمان ابن علی نے تنہا کوفہ میں تمام بنی امیہ
کی آبادی کو غارت کر دیا اور اُن میں سے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑا۔ ان
میں سے بعض سخت جان بنی امیہ اپنی جان بچانے کی غرض سے السفاح کے
ساتھ رہکر ہر وقت و ہر لحظہ اُسکی خوشامد اور چاپلوسی میں بسر کرنے لگے۔
یہ اُس وقت تک بچے چلے آتے تھے۔ مگر پھر کچھ دنوں آگے چلکر وہ بھی
عباسیوں کے انتقام سے نہ بچے۔ ان لوگوں کے مارے جانے کی کیفیت یہ
ہوئی کہ یہ لوگ حسب معمول السفاح کے ہمراہ دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے
تھے۔ شبل ابن عبداللہ جو بنی ہاشم کے غلاموں میں تھا۔ حاضر تھا اُسنے
یہ شعر نظم کرکے پڑھا جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ بنی عباس بنی امیہ کے
ملک و مال پر متصرف ہوکر بھی اب تک غافل بیٹھے ہیں۔ نہایت تعجب
ہے جن بنی امیہ نے جناب امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اور جناب امام
زین العابدین علیہ السلام کو طرح طرح ایذائیں پہنچائیں۔ سفاح یہ شعر سنکر مارے
غیظ و غضب کے اپنے آپ میں نہ رہا۔ اُس نے حکم دیا کہ تمام بنی امیہ کے
ہاتھ پیروں میں لکڑیاں باندھکر لٹا دیے جائیں اور انہی پر فرش کرکے
بیٹھیں اور کھانا کھائیں۔ تاریخوں کا بیان ہے کہ حاضرین بنی امیہ
کی تعداد ستر آدمی تھی۔ وہ سب کے سب حسب الحکم شکنجہ سیاست میں
کھینچے گئے اور باندھکر ڈالدیے گئے۔ اُنپر فرش کیا گیا اور سفاح نے
اپنے رفقا کے ساتھ اُنکی چھاتیوں پر چڑھ چڑھکر باطمینان تمام کھانا
کھایا۔ زیر فرش اُنکے کراہنے اور پھڑکنے اور درد و شدت سے تڑپنے کی
جانکاہ آوازیں برابر آتی تھیں مگر وہ اُنکی دردناک آواز کی طرف
مطلق شنوا نہیں ہوتے تھے یہانتک کہ وہ جماعت کی جماعت اُسی دم
خفگی کی حالت میں فنا ہوگئی۔

اسکے ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔ یہ تو زندوں کی کیفیت تھی مُردوں
کی حالت یہ ہوئی کہ السفاح نے عبداللہ ابن علی کو حکم دیا کہ سلاطین بنی امیہ
کے مقبرے کھود ڈالے جائیں اور اُن میں جو کچھ پاؤ اُسکو برباد کردو۔ عبداللہ نے
حسب ہدایت سارے مقبرے کھود ڈالے معاویہ بن ابوسفیان اور یزید
ابن معاویہ کی قبروں میں سوائے خاک کے کچھ بھی نہ پایا گیا۔ ہشام ابن
عبدالملک کی لاش صحیح پائی گئی کیونکہ اُسکو روغن بیت میں ملکر دفن
کیا تھا۔ ہشام کی لاش کو منظر عام میں لٹکا کر اس کثرت سے درّے لگائے گئے
کہ اُسکے تمام اعضا اپنے جوڑ سے ٹوٹ ٹوٹ کر ٹپک پڑے۔ پھر ان ٹپکے ہوئے اعضا
کو ایک جگہ جمع کرکے جلا دیا اور اُنکی راکھ کو ہوا میں اُڑا دیا۔ ان لوگوں میں
صرف عمر ابن عبدالعزیز کی لاش کو چھوڑ دیا گیا۔ اور اُسکے ساتھ کسی قسم کا
تعرض نہیں کیا گیا۔ مقتولین بنی امیہ کی آخر نوبت مورخ ابوالفدا کے
مطابق یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اُنکی لاشیں گلی۔ کوچوں۔ مزبلوں اور
بیرون شہر مقاموں پر ناپُرساں پڑی ہوئی تھیں اور کُتّے اور دیگر مردم خوار
جانور اُنہیں نوچتے پھرتے تھے اور گھسیٹتے پھرتے تھے۔ غرضکہ کوئی شخص
اکابر و عمائد بنی امیہ سے جیتا نہ بچا۔ مگر چند دودھ پیتے بچے یا وہ لوگ جو
ممالک اندلس (اسپین) کی طرف پہلے نکل گئے تھے۔

بنی امیہ کی معافی

عرصہ تک بنی امیہ اسی حالت میں پریشان حال رہے۔ آخرکار عمر ابن معاویہ ابن
عمر ابن سفیان بحضور سلیمان ابن عبداللہ ابن عباس کے پیروں پر گر پڑا۔ اور
کہنے لگا کہ اب تو ہماری پریشان حالی اور پائمالی کی یہ نوبت پہنچ گئی ہے
کہ اطراف عالم میں امن و امان کہاں۔ ہم کو تو اب چھپنے کی جگہ بھی نہیں
ملتی۔ عمر کی یہ روداد سُنکر سلیمان کا دل پسیج گیا اور اُس نے سفاح سے
سفارش کرکے بنی امیہ کے قتل و غارت کا حکم منسوخ کرا دیا۔

ابو سلمہ کی بداقبالی کے آخر نتیجے

عباسیوں کی خلافت قائم ہونے اور انکو خلیفہ اور فرمانروا تسلیم کیے جانے کے متعلق جہاں تک ضروری حالات تھے وہ تمام و کمال لکھدیے گئے۔ ان احوال کو پڑھکر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ بنی عباس نے اپنے حصول مقاصد کی ابتدائی کوششوں میں اولاد علی و فاطمہ علیہما السلام سے اپنا پورا خلوص و اتحاد ظاہر کیا۔ مقام ابواء کے مجمع مشورہ سے لیکر ابو سلمہ اور ابو مسلم کے مراسلات تک ان لوگوں نے تمام اہل اسلام کے سامنے اپنی یکجہتی اور اتفاق کا دعوے کیا تھا۔ اور عوام کو رضائے آل محمد کی مجموعی صورت دکھلا کر اپنے حقوق کا سوئیدار شریک بنایا تھا۔ اور عامۃ المسلمین کے قلوب کو یہ بتلا بتلا کر تسخیر کرلیا تھا کہ ہم موجودہ سلاطین جبابرہ اور مخالفین اہلبیت اطہار سلام اللہ علیہم من رب الکبار سے جو کسی طرح امر خلافت و امامت کے قابل نہیں ہیں۔ یہ امور منتزع کرکے پھر انہیں اصلی حقداروں کی طرف منتقل کردینگے جو منجانب اللہ اسکے لیے منصوب ہوچکے ہیں۔

یہی تھی ترکیبیں تھیں جنکی وجہ سے عباسیوں کو آنًا فانًا اتنی بڑی سلطنت ملگئی۔ اور تمام اسلامی دنیا انکی طرف ہوگئی۔ ورنہ قبل اسکے انکی ابتدائی حالات میں ہم دکھلا آئے ہیں کہ انکی پریشان حالی تنگدستی اور غیر اطمینانی کی بھی وہی حالت تھی جو اور بنی ہاشم کی۔ یہ بھی حقیقت میں انہی خاصان خدا کا ایک فیض تھا جس نے اپنی طفیل میں انکے مقاصد و مطالب کی ڈگمگاتی کشتی کو عام خونریزی اور جنگ و جدال کے طوفان خیز دریا سے نکالکر ساحل مقصود تک پہنچادیا۔ ہم نے جہاں تک عباسیوں کے اس خلوص و اتحاد کی نسبت غور کیا ہے ہم کو یہ ثابت ہوا ہے کہ حضرات بنی فاطمہ علیہم السلام کے ساتھ انکے اتفاق و اختصاص جو انہوں نے دنیا کو دکھلایا وہ صرف ضرورت وقتی۔ خودغرضی اور اپنے کام نکال لینے کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھے

تحقیق کی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ابتدا ہی سے بنی عباس عام اہلبیت علیہم السلام کے مخالف تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہماری حکومت میں ہمارا کوئی گھر والا شریک ہو۔ مثال کے لیے دیکھو۔ عبداللہ ابن معویہ ابن عبداللہ ابن جعفر کے واقعات۔ باوجودیکہ عبداللہ نے عباسیوں کے ساتھ ایران میں کیسی کیسی محاسن سلوک کیے اور قرابتداری صلۂ رحم اور [illegible] داری کی رعایتوں سے انکی خاطر و مدارات اور راحت رسانیوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مگر کیا جب انکی بداقبالی کا زمانہ آگیا تو یہ فوراً دم چھار کے علیحدہ ہوگئے۔ قیامت تو یہ ہوئی کہ غریب سادات ابو مسلم کے ظلم سے قتل کیے گئے جو عباسیوں کا اس وقت ساعد یمین بنا ہوا تھا۔ اگر عباسیوں کو کچھ بھی ان وطن آوارہ بھائیوں سے ہمدردی ہوتی تو وہ کبھی انکی غربت اور تنہائی کی حالت میں خصوصًا ابو مسلم اپنے مدار المہام اور مقرب کے ہاتھوں انکا خون ہوتے ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ضرور تھا کہ ابو مسلم کو انکے قتل سے باز رکھتے۔ مگر ابو مسلم تو صرف عباسیوں کے حقوق کا مؤید تھا۔ اسکی طمع حکومت نے ان حضرات کے وجود کو عباسیوں کے حصول مقاصد کیلیے سراسر خلاف سمجھا اور انکو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

عباسیوں کی خودغرضی اور نفسانیت کے آیندہ حالات پر غور فرماکر امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابتدا ہی سے بنی ہاشم کو ان امور سے علیحدہ رکھنا چاہا تھا اور بنی حسن کے منھ پر صاف صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ امر امارت بنی امیہ کے بعد آل عباس کا حصہ ہے۔ اس لیے ہی دوسرے کی کوشش محض فضول اور بیکار ہے۔ مگر عبداللہ محض نے ابوجعفر منصور کی ظاہری اور زبانی تائید کرنے اور انکے صاحبزادے محمد نفس زکیہ کے ساتھ دست بیع ہوجانے سے یقین کرلیا تھا کہ آل عباس ہمارے مطیع جان نثار بنکر بنی امیہ سے ہمارے لیے ملک خالی کرالینگے اور ہمکو مسند حکومت پر بٹھلا کر اور خود دست بیں بنکر کاروبار ملکی انجام دیتے رہینگے۔

انہی خیالوں سے عبداللہ محض امام جعفر صادق علیہ السلام کے کلام کی طرف شنوا نہیں ہوئے۔ مگر آگے چلکر ان کو معلوم ہوگیا کہ عباسیوں کا خلوص اور انکی عقیدت حیلۃ الوقتی کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔ اور آخرکار وہ وقت اور خوفناک منظر انکی خونبار آنکھوں کے سامنے آہی گیا جسکی خبر امام علیہ السلام نے دو چار برس پیشتر انکو سنادی تھی ہم یہ تمام کمال کیفیت بہت جلد بنی عباس اور آل حسن کے حالات میں پوری تفصیل کے ساتھ قلمبند کرینگے۔

کچھ ایک بار نہیں بلکہ کئی بار جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان حضرات کو ان کی غلط فہمیوں سے روکنا چاہا۔ مگر یہ نہ سمجھے اور نہ مانے۔ اسی طرح ابو سلمہ خلال اور ابو مسلم کے خطوط طلب آنے کے وقت بھی آپ نے عبداللہ محض کو پھر ہدایت فرمائی۔ اور پھر انکے اصرار کرنے پر صاف صاف لفظوں میں کھل کھل کر کہدیا کہ بیٹا میں موجودہ منصب امامت کی رو سے جو مجھے حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوا ہے عامۃ المسلمین کی نصیحت سے انکے غلطی کرنیکے وقت چشم پوشی اور تغافل نہیں کرسکتا بلکہ آپ کو

تک دینا، بتلا دینا اور سمجھا دینا ہمارا عین فرض ہو۔ تو ایسی حالت میں کہ آپ میرے چچا ہیں۔ رشتہ میں مجھ سے اتنا قریب ہیں تو پھر آپکو غلطی کرتے ہوئے سیدھی راہ بتلانا اور طریقۂ صواب پر لانا میرے لیے بدرجہ اولے واجب اور لازم ہے۔

ابوسلمہ خلال کی عبرتناک سرگزشت اور بنی عباس کی بدسلوکی

اوپر کے بیان سے معلوم ہوگیا کہ عباسیوں کا بنی ہاشم یا بنی امیہ کے ساتھ اتحاد و اتفاق ناقابلِ اعتبار تھا۔ اُن کے ارادوں کی بدی اور نیتوں کے فساد کچھ اپنے ہی قبیلہ اور عشیرہ تک منحصر نہیں تھے بلکہ تمام متوسلین اور متعلقین کے ساتھ اُنکی چالیں اور ترکیبیں یکساں تھیں۔ اس کے ثبوت میں ابوسلمہ اور ابومسلم کے واقعات کافی ہیں۔ ہم ابوسلمہ کے حالات سے شروع کرتے ہیں۔ اس کے احوال کا خلاصہ یہ ہے کہ السفاح نے جب تمام ممالک پر اپنا قبضہ کرلیا اور چاروں طرف سے اُسکو اطمینان حاصل ہوگیا۔ اور کسی طرف کا کوئی شبہہ باقی نہیں رہا تو السفاح نے اپنے خفیہ ارادوں کو عملی صورتوں میں لانیکا پورا ارادہ کرلیا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ وہ ابوسلمہ کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ اور اسکے باعث وہی مراسلات تھے جو ابوسلمہ نے آلِ عباس کی موجودگی میں عبداللہ محض اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں لکھے تھے۔ اور اُنکے جواب کے انتظار میں السفاح کے امرِ خلافت کو خواہ مخواہ تاخیر میں ڈال رکھا تھا۔ ابوسفاح ابوسلمہ سے فوراً شنبہ ہوگیا۔ مگر چونکہ ہر امر کو غایت عاقبت اندیشی سے انجام دیتا تھا اس لیے اس نے کسی فوری مخالفت کو اسکے ساتھ مصلحت نہ سمجھا۔ اور تھوڑے دنوں تک خموش رہا۔ مگر اب وقت آگیا تو ابوسلمہ کی سیاست کی طرف متوجہ ہوا۔ السفاح نے سوچا تو اُسے معلوم ہوا کہ میری سلطنت کا دار و مدار بالکلیہ ابوسلمہ خلال اور ابومسلم مروزی پر ہے۔ اور میرا تمام عروج اقتدار انہی کی قوت و اقتدار سے وابستہ ہے اور مجھ کو فی الحال انکی قوت اور جبروت کے مقابلہ میں فروغ پانا قطعی دشوار ہے۔ انکی موجودگی میں میرے وجود کی مثال حضرتِ عثمان اور مروان کی مماثلت سے بالکل مساوی ہے۔ مدینہ اور بنی فاطمہ کے ساتھ مراسلات اُنکی ذی اختیاری اور خودمختاری کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو اُنکو ہمارے معاملات میں حاصل ہیں۔ یہ لوگ اپنی حدود سے باہر نکل کر اب اتنا اور بڑھ چلے کہ بجائے اسکے کہ بذاتِ خاص ہمارے امرِ حکومت میں ہمارے شریک ہوں۔ ہمارے دوسرے ہم پہلو اور ہمچون حضرات کو ہمارا شریک بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ اور صرف شرکت ہی نہیں، بلکہ ان امور میں وہ ان بزرگواروں کو ہم پر صاف صاف ترجیح دیتے رہتے ہیں۔

اب یہ سارے امور السفاح کے پیشِ نظر ہوئے۔ مگر ابوسلمہ یا ابومسلم کا استیصال کچھ آسان اور سہل نہیں تھا کہ اُسکی خیالی صورت کو فوراً عملی پیکر پہنا دیا جاتا۔ اس لیے السفاح نے ابوجعفر کو ابومسلم کے پاس خراسان میں اُسکے استمزاج لینے کی غرض سے بھیجا۔ اُسکی مدبرانہ تجویزوں نے اپنے اظہارِ مخالفت سے پہلے ان دونوں اختیار یافتہ اور قوی امرا میں باہمی نفاق اور اختلاف پیدا کرنے کی فکر کی۔ ایسے مقاموں میں اکثر مدبرانہ عقل کو ایسی ہی کارروائیاں کرنی ہوتی ہیں۔ سفاح نے کچھ تو اس غرض سے اور زیادہ تر اس سبب سے اپنے اس رازِ دلی کو ابومسلم پر ظاہر کر دیا تھا کہ اگر ابوسلمہ کے معاملات میں دشواریوں سے سامنا ہوگا تو ابومسلم کی شرکت اور رفاقت اُسکے دفعیہ کے لیے کافی ہوگی۔ کیونکہ ابوسلمہ کے ہٹا دینے میں اہلِ عراق کے بگڑ اُٹھنے کا خاص طور پر شبہہ کیا جاتا تھا۔

السفاح کی یہ تجویزیں اُسکے حصولِ مقاصد کے لیے بالکل مفید ثابت ہوئیں۔ حقیقت میں اگر وہ ایک بار دونوں کی قوتوں کو توڑنا چاہتا تو اُسکی ابتدائی حالت ہرگز اسپر قادر نہیں ہوسکتی تھی۔ مصلحتِ وقت یہی تھی کہ ایک کو اپنا شریک بنا کر دوسرے کی قوت توڑی جائے۔ اور جب دونوں میں سے ایک کا خاتمہ ہوجائے تو بچے ہوئے دوسرے کا استیصال کیا جائے۔

ابوسلمہ کی معاملات میں ابومسلم کی رائے

بہرحال۔ ابوجعفر اپنی مخصوص رفقا کے ساتھ کوفہ سے خراسان پہنچا۔ اور حسنِ اتفاق سے اسکی مشن (رسالت) کا نتیجہ بھی حسبِ دلخواہ نکلا۔ ابومسلم نے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ حقیقت امر تو یہ ہے کہ ہم اور ابوسلمہ دونوں حضرت اعلے اور حضرت والا کے خدمتگزاروں میں ہیں۔ اگر طبع ہمایوں ہم دونوں میں ایک کی طرف سے مطمئن نہیں ہے تو آپ مختار ہیں۔ جو چاہیں کریں۔

ابوجعفر کو کیا دنیا کو اسکی امید نہ تھی کہ ابومسلم ابوسلمہ کی خلاف ایسی صاف تقریر کریگا۔ ابوجعفر وہاں سے ابومسلم کے محاسنِ خدمات کی ظاہری طور پر دلخوش کن تعریف کرتا ہوا کوفہ کو واپس ہوا۔ ابھی وہ راستہ ہی میں تھا

کہ السفاح کے نیرنگ تدبیروں نے خارجیوں کے ہاتھوں ابوسلمہ کا خاتمہ اس آسانی سے کر دیا کہ اس کے دلی راز اور پوشیدہ تدبیروں کی کسی کو کانوں کان بھی خبر نہیں پہنچی ہو۔ غرضکہ ابوسلمہ کے عزت و اقتدار کا تو یوں خاتمہ کیا گیا۔ پھر اس کے مقابلہ میں ابوسلمہ کی اُن بیش بہا خدمات کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا جو اُس نے اُسکے استقرارِ خلافت اور استحکام امارت کے متعلق ظاہر کی تھیں۔

ابومسلم کا حسرتناک وقعہ

اب ابوسلمہ کے بعد ابومسلم کی نوبت آئی۔ اسکے اختیارات و قوت کا جس طرح استیصال کیا گیا اُسکی مفصل کیفیت یہ ہے کہ ابوسلمہ کے خاتمہ کے بعد ابوجعفر نے سفاح کو فوراً ابومسلم کی سیاست کی طرف توجہ دلانا چاہا۔ مگر السفاح کچھ تو مصلحتِ وقت اور کچھ بلحاظِ خدماتِ سابق ابومسلم کی فوری سیاست کی طرف جلدی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے یہ امر زیر تجویز رہا۔ یہانتک کہ ۱۳۶ھ ہجری میں ابو عبداللہ السفاح نے چیچک میں مبتلا ہو کر بمقام رقے انتقال کیا۔

ابومسلم سے منصور کی وجہ مخالفت

سفاح کے انتقال سے چند مہینے پیشتر ابومسلم آٹھ ہزار خراسانیوں کے ساتھ حج کرنے چلا۔ جب عراق میں پہنچا تو خلیفہ عصر سے ملا۔ السفاح بھی نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ ایک دن یہ واقعہ ہوا کہ ابومسلم سفاح کے ساتھ بیٹھا ہوا کسی ملکی معاملہ میں کچھ گفتگو کر رہا تھا کہ منصور آیا۔ ابومسلم اُسکی تعظیم کو نہ اُٹھا اور نہ اُسکی طرف کوئی اعتنا کی۔ یہانتک کہ سفاح نے اُس سے کہا کہ میرے بھائی منصور آئے ہیں۔ اُس نے نہایت آزادی سے جواب دیا هذا مجلس امير المؤمنين لا يقضى الا حقه۔ یہ امیر المؤمنین کا دربار ہے یہاں امیر کے سوا اور کسی کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امر منصور پر نہایت گراں گزرا۔

السفاح سے ابومسلم کی کبیدگی

اِسکے بعد ابومسلم نے سفاح سے اپنے امیرِ حج ہونے کا معاملہ پیش کیا۔ اُسنے کہا کہ امسال میں نے اپنے بھائی منصور کو امارتِ حج تفویض کی ہے۔ اگر اُسنے مجھ سے خود اس منصب کو نہ مانگا ہوتا تو یہی یہ عہدہ ضرور ابومسلم کے سپرد کرتا۔ اب ابومسلم کو اپنا امیرِ حج مقرر نہ ہونا گراں گزرا۔ بہرحال یہ کاوشیں دلوں میں آہستہ آہستہ روز بڑھتی ہی چلی گئیں۔ یہانتک کہ ابومسلم اور ابوجعفر اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ۔ مگر علحدہ علحدہ بیت اللہ مقدس کی طرف روانہ ہوئے۔

ابومسلم اگرچہ امیرِ حج نہیں تھا مگر اس سفر میں اُسکی شان و شوکت اور جاہ و تجمل منصور کے ساز و سامان سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اور جو راہ میں آتا تھا اور اس عظیم الشان قافلہ سے ملتا تھا وہ ابوجعفر کا نہیں بلکہ ابومسلم کا مہمان ہوتا تھا۔ اسکی مہمان نوازی۔ کشادہ دلی اور عالی حوصلگی کی یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ ان مہمانوں میں چند مہمان بیمار تھے۔ چونکہ بیماروں کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں تھا اس لیے وہی کھانے اُنکو بھی کھانے ہوتے تھے جو عام طور سے پکائے جاتے تھے۔ ابومسلم کو اسکی خبر لگی تو اُس نے مطبخ کے مہتمم کو بُلا کر تاکید کر دی کہ ان لوگوں کے لیے جُدا پرہیزی کھانا پکایا جایا کرے۔ بیمار صحیح اور تندرست لوگوں کی غذا کھانے کے لیے مجبور نہ کیے جائیں۔ اس سے ہمارا نام اور تمہارا اہتمام دونوں بدنام ہوتے ہیں۔ اُس دن سے بیماروں کے لیے کھانے کا خاص اور علحدہ اہتمام ہونے لگا۔

ابومسلم کے برخلاف منصور کی طرف یہ کوئی سامان بھی نہیں تھی گنی بوٹی اور نپے تُلے شوربے کا معاملہ تھا۔ اِس لیے ابومسلم کی جمعیت تو مکہ شریف پہنچتے پہنچتے دونی۔ گنی۔ ہوئی۔ اور منصور کی جمعیت پہلے سے بھی کم ہو گئی۔ منصور تو حج کرکے واپس آیا مگر ابومسلم ٹھیرا رہا۔

السفاح کے مرنے کی خبر اور منصور کا ابومسلم سے وقتی ملاپ

منصور مکہ سے چل کر جب ذات العرق کی منزل پر پہنچا تو اُسکو سفاح کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی۔ اُسنے ابومسلم کے انتظار میں وہیں قیام کیا۔ ابومسلم پہنچا تو اُس سے ماجرا بیان کرکے کہا کہ تم اپنی جمعیت کے ساتھ فوراً شہر رقے کی طرف چلے جاؤ۔ اور سفاح کے مال و اموال پر تصرف کرکے وہاں کی رعایا کو میرا مطیع اور فرمانبردار بناؤ۔ اب غور کرنا چاہیے کہ آج سے ایک دن پہلے منصور کے خیالات ابومسلم کی طرف سے کیسے تھے۔ مگر اب ضرورت پڑی اور وقت آیا تو منصور نے وہ تمام و کمال باتیں اُس وقت نسیاً منسیاً کر دیں اور ابومسلم کو تھوڑے دنوں تک پھر اپنا بنا لیا۔ اگرچہ اُسکے اتحاد و اخلاص وقتی اور صرف کام نکالنے کی ضرورت سے تھے اور ابومسلم اسکو سمجھتا بھی تھا۔

مگر ابو مسلم نے اسکے انکار کو مصلحت وقت نہ سمجھا اور فوراً سمعنا و اطعنا کہتا ہوا اپنی جمعیت کے ساتھ شہر رے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ہماری کتاب کے ناظرین کو منصور کی خود غرضی اور مردم فریبی کی حقیقت اسی ایک واقعہ سے معلوم کر لینی چاہیے۔

ملکِ رے میں عیسےٰ ابن علی کی تنبیہ

ملک رے عیسےٰ ابن علی ابن عبد العزیز کی سپردگی میں تھا۔ اس نے سفاح کے بعد منصور کی جگہ اپنی رعایا سے اپنی بیعت لینی شروع کر دی۔ جب اسکو ابو مسلم کے پہنچ جانے کی خبر مل گئی تو وہ اسکی ہیبت و جلالت سے ڈر گیا اور ابو مسلم کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے اب تک جو کچھ امرِ خلافت کے متعلق کیا وہ صرف حفاظتِ مال و اموال و اطمینانِ رعایا و لشکر کے خیال سے تھا۔ اسکے سوا اور میری نیت میں کوئی فساد نہیں تھا۔ ابو مسلم نے اسکی خطا معاف کر دی۔ ابو مسلم نے پھر اس علاقہ کا خاطر خواہ انتظام کر لیا۔ اس کی یہ بھی خدمت تھی جسے وہ منصور کی ترتیب و تجمیع امور میں بجا لایا باوجودیکہ وہ منصور کو ہمیشہ اپنی طرف سے مشکوک اور مخدوش سمجھتا تھا۔

شام میں عبد اللہ ابن علی کی مخالفت

منصور کے سر سے عیسےٰ کی بلا ٹلی تھی کہ عبد اللہ ابن علی کی مصیبت سر پر سوار ہوا۔ خانہ جنگی کے اس خوفناک منظر اور طوائف الملوکی کے اس وحشت خیز عالم کو دیکھکر ہر شخص سمجھتا تھا کہ عباسیوں کی سلطنت کا پودا زمین سے نکلتے ہی مرجھا جائیگا۔ اور انکی ابتدا کبھی انتہا تک نہ پہنچیگی۔ کیفیت یوں ہے کہ مروان حمار کے ہزیمت پانے کے بعد شام کا تمام ملک عبد اللہ ابن علی کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب سفاح کی وفات شام میں مشہور ہوئی تو عبد اللہ کی نیت میں فرق آگیا اور اسنے اہلِ شام میں یہ مشہور کر دیا کہ السفاح کے ولیعہد ہم ہیں۔ اور دو آدمیوں کو اپنی سازش میں لا کر تمام اہلِ شام کے مجمع عام میں شہادت دلوا دی۔ اہلِ شام تو ان سازشوں کے ہمیشہ سے عادی ہو رہے تھے۔ صورتِ حال معلوم کر کے فوراً عبد اللہ کی طرف ہو گئے۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ عبد اللہ ابن علی ملکِ شام میں خود مختار ہو بیٹھا۔ یہ حال دریافت کر کے منصور کو سخت انتشار اور تردد لاحق حال ہوا۔ اسنے ابو مسلم کو مقام رے سے خاص کر اسی مہم کی انجام دہی کے لیے طلب کیا۔

ابو مسلم نے اپنی صعوبت اور ماندگی کا بھی خیال نہیں کیا۔ اور اپنی موجودہ فوج کے ساتھ عبد اللہ کے سر پر جا پہنچا۔ ابو مسلم کے پہنچتے ہی عبد اللہ کی طرف ضعف کے آثار معلوم ہونے لگے۔ عبد اللہ کی کج فہمی اور بد اندیشی اسکی ناکامیابی اور ہزیمت کی اصلی باعث ہوئی۔ اسنے سب سے پہلے جو غلطی کی وہ یہ تھی کہ اس نے اپنے سترہ ہزار خراسانیوں کو جو اسکی فوج میں بھرتی تھے محض اس شبہہ پر قتل کر ڈالا کہ وہ مقابلہ کے وقت ابو مسلم سے مل جائینگے۔ اس خونِ ناحق کے اقدام نے غیروں کو کیا اسکے خاص ساتھیوں کو بھی اسکی طرف سے خائف اور بد دل کر دیا۔

ابو مسلم کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ اس سفاک کی مجنونانہ شقاوت پر دانت پیسکر رہ گیا۔ الغرض پانچ مہینے تک ابو مسلم محاصرہ کیے پڑا رہا۔ اور عبد اللہ بھی اسی کے سامنے اپنے لشکر کے پرے جمائے رہا۔ آخر کار ابو مسلم کی اعلیٰ تدبیروں نے اہلِ شام کو پسپا کر دیا۔ اور حسن ابن قحطبہ کو ابو مسلم نے ملا کر کہا کہ تم اہلِ شام سے مقابلہ کر کے عمداً شکست کھا جاؤ جب وہ تمہارا تعاقب کرینگے تو ہم پیچھے سے پہنچکر ان کو اپنی تلواروں کے نیچے رکھ لینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حسن ابن قحطبہ حسب الہدایت شکست کھا کر بھاگا۔ اہلِ شام اسکے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ ادھر ابو مسلم تو تاک میں تھا ہی۔ موقع پا کر اپنی تمام جمعیت کے ساتھ نکلا اور اہلِ شام پر یکایک جا پڑا۔ ادھر سے حسن بھی ابو مسلم کو آتا دیکھکر کہاں تو بھاگا جا رہا تھا۔ کہاں پھر لوٹ پڑا۔ اب اِدھر حسن ہو گیا اُدھر ابو مسلم بیچ میں اہلِ شام۔ پھر تو وہ گھمسان ہوا کہ الامان الامان۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبد اللہ ابن علی کے تمام ہمراہی بھاگ گئے عبد اللہ خود بھی ہر طرف سے مایوس ہو کر فرار ہو گیا۔ اور کسی نہ کسی طرح بصرہ میں اپنے بھائی سلیمان کے پاس پہنچکر پناہ گزیں ہوا۔ سلیمان نے بھائی کو چھپا لیا مگر منصور کو خبر ہو ہی گئی۔ اس نے سلیمان کو نہایت سختی سے لکھا کہ عبد اللہ کو فوراً بھیجدو۔ سلیمان نے اپنی جان کے خوف سے عبد اللہ کو حوالہ کر دیا۔ منصور کی شقاوت کے آگے نہ اپنے کی تمیز تھی نہ پرائے کی۔ اسکے غیظ و غضب کے وقت نہ یگانہ یگانہ تھا نہ بیگانہ۔ وہ تو ضرورت کے سبب کا ساتھی تھا۔ پھر کسی کا بھی نہیں۔ عبد اللہ کے حوالہ ہوتے ہی اس نے انکو ایک نونی لگے ہوئے مکان میں مقید کر دیا۔ اور اس کے بعد اسکی بنیادوں میں چاروں طرف پانی بھروا دیا۔ یہ نمک خوردہ دیواریں پانی سے تر ہو کر ایکبار زمین سے نیچے آ رہیں۔ تمام مکان بیٹھ گیا اور عبد اللہ اسی کے نیچے دب کر

مرگیا۔ یہ واقعہ ۱۳۶ھ کے اخیر میں واقع ہوا۔

یہ تو ہمارے ناظرین کو معلوم ہوا کہ ان دونوں مصیبتوں کو منصور کے سر سے ٹالنے والا اور اسکو خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کے طوفان خیز دریا سے نکالنے والا ابومسلم ہی تھا۔ نیز جو شاہی کی ترقی سلطنت میں منصور کو جو کامیابی ہوئی وہ ابومسلم کی بدولت۔ مگر ان مخلصانہ خدمات کی مکافات اور ان ہی خیر خواہیوں کے صلے میں ابومسلم کو منصور کی طرف سے کیا ملا۔ زجر و توبیخ ضبط اموال۔ گرفتاری اور آخر میں اسکا قتل۔ ان واقعات کو جو ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں پڑھکر ساری دنیا کو منصور کی محسن کشی۔ عہد شکنی۔ بیوفائی اور خودغرضی پورے طور سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ محسن کش تھا تو بہت بڑا۔ بیوفا تھا تو بہت بھاری۔ عہد شکن تھا تو پلے سرے کا۔ بیوفا تھا تو اس درجہ کا اور خودغرض تھا تو انتہا کا۔

ابومسلم کا منصور سے پھر بگاڑ

منصور کو جونہی اپنے چچا علی ابن عبداللہ کی ہزیمت کی خبر ملی تو اسنے اپنی تنگدلی اور کنجوسی کے تقاضوں سے جس کی وجہ سے وہ اطراف عالم میں دوانقی کے نام سے مشہور ہوا۔ ابوالخصیب کو ابومسلم کے لشکر میں یہ حکم دیکر بھیجا کہ وہ مال غنیمت کی خوب دیکھ بھال کرے اور ابومسلم سے کوڑی کوڑی وصول کرلائے۔ ابوالخصیب لشکر میں پہنچا اور ابومسلم کو خلیفہ کا فرمان دکھلایا۔ ابومسلم حکمنامہ دیکھتے ہی اپنے آپ میں نہ رہا۔ اور کہنے لگا کہ منصور نے ہزاروں بندگان خدا کی جانیں لینے میں تو مجھے پورا امین سمجھ لیا مگر اس دنیائے ناپائدار کے اموال مستعار کے لیے مجھے خائن اور ناقابل اعتبار سمجھا کہ اسکی نگرانی اور حساب گیری کی غرض سے مجھ پر محافظ اور محاسب مقرر کیے گئے۔ کہ وہ مجھ سے کوڑی کوڑی وصول کرکے اس کے خزانوں کے منہ اور اسکے لالچ کا پیٹ بھر دیں۔ اسی وقت سے ابومسلم تمام امور سے دست بردار ہو کر اپنی ہمراہیوں کے ساتھ خراسان کی طرف چلتا ہوا۔ اور اسی وقت سے اس کے اور منصور کے درمیان مخاصمت اور مخالفت ذاتی کے شعلے اور سختی سے بھڑک گئے۔

بعض مورخین نے غنیمت کے معاملہ کے علاوہ اس واقعہ کو بھی جانبین کے ازدیاد خصومت کا باعث بتلایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس جنگ میں ابومسلم کو حضرت عباس ابن عبدالمطلب کی تلوار ہاتھ لگی۔ اس نے اسکو بعینہ بزرگ کی تلوار قبضہ میں دبا گا سمجھکر اپنے پاس احتیاط سے تبرکاً رکھ لیا۔ منصور کو اسکی خبر لگی تو اسنے منگا بھیجی۔ ابومسلم نے نہ دی۔ نہ دی اور یہی منصور کی زیادہ ترنجش اور کبیدگی خاطر کا باعث ہوا۔ بہرحال اسی وقت سے منصور کو ابومسلم کے استیصال کی فکر لگی۔

منصور اور ابومسلم کا استیصال

چونکہ یہ معاملہ بذات خود ایک بہت بڑی مہم اور امر عظیم تھا جس کا انفصال بغیر صلاح و مشورہ ممکن نہیں تھا۔ اس لیے منصور نے دو چار دن سکوت اختیار کیا۔ ایک دن حمید ابن قحطبہ نے ابومسلم کی طرف سے منصور کے خوب خوب کان بھرے اور صاف صاف لفظوں میں اس سے کہدیا کہ جو جن تیرے چچا عبداللہ ابن علی کے سر سوار ہوا تھا وہی اب ابومسلم پر بھی مسلط ہوا چاہتا ہے۔ حمید کی تقریر سنکر اور دوسرے ارکین سلطنت کو بھی ہمکلام اور ہمخیال بناکر منصور نے ابومسلم کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔

ابومسلم کے نام خط

مجھ کو تمہارے خراسان چلے جانے سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ تم ملک شام میں مستقل رہو۔ کیونکہ وہ ملک بھی آبادی اور زرخیزی میں مملکت ایران سے کم نہیں ہے۔ اور ملک شام کی ولایت کا عہدہ میں تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی مصر بھی تمہاری ہی امارت میں دیا جاتا ہے۔ تم کو لازم ہے کہ یہ خط پاکر جہاں تک پہنچے ہو وہاں سے لوٹو اور اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ شام کی طرف چلے جاؤ۔ والسلام۔

ابومسلم کا جواب

مقام زاب سے ابومسلم کچھ آگے بڑھا تھا کہ اسکو یہ خط ملا۔ اس نے اسکے جواب میں لکھا کہ ملک مصر و شام کے عطیہ سے مجھ پر کچھ احسان نہیں رکھنا چاہیے۔ یہ دونوں مقام تو وہ ہیں جنہیں میں نے اپنے دست قوی اور شمشیر برق تاثیر سے حاصل کیا ہے۔ والسلام۔

منصور کا دوسرا خط

منصور نے ابومسلم کا جواب پڑھا تو سخت انتشار میں مبتلا ہوا۔ آخر اپنے مخصوصین میں سے ایک معتمد علیہ اور معتبر آدمی کو ابومسلم کے پاس بھیجا۔ جو اپنے خاص نقد میں ابومسلم کو اپنے مراحم خسروانہ کا

متوقع بناکر اُس سے استدعا کی کہ وہ خط کے دیکھتے ہی اُسکے پاس چلا آئے۔ ابومسلم شہر انبار کے قریب پہنچا تھا کہ اُس کو منصور کا خط ملا۔ اُس نے پڑھکر ذیل کا جواب لکھا۔

ابومسلم کا جواب

خدا کے فضل و کرم سے اب امیرالمومنین کا کوئی دشمن روئے زمین پر باقی نہیں رہا۔ اب امیر کو میری حاجت ہی کیا ہے۔ لیکن میں اُس کی غلامی اور خدمت کے لیے حاضر ہوں اور اُسکی اطاعت پر راسخ ہوں۔ مگر چونکہ اب مجھے امیر کی ذات سے چند اندیشوں اور خدشوں کا شبہ ہے اور اپنی جان کا خوف لگا ہے۔ اس لیے آستانِ عالی حضور کی سے مجبوری ہے۔ مگر تاہم نادمانِ والا کو اس امر کا پورا یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنی دوری اور غیبت کے زمانہ میں حضور کی فرمانبرداری جاں نثاری پر راسخ العقیدہ رہونگا۔ والسلام۔

منصور کی دوسری ترکیبیں

اس خط کو بھی پڑھکر جس کی حرف حرف سے اقرارِ عقیدت اور لفظ لفظ سے اظہارِ ارادت ہورہا تھا منصور کی رشک آمیز دلشکنی نہیں ہوئی۔ اور ہوتی تو کیسے؟ وہ تو کسی نہ کسی طرح ابومسلم کو کوفہ بلاکر اپنی پنجہ سیاست اور شکنجۂ عقوبت میں دبانا چاہتا تھا اور ابومسلم بھی اُس کے مرکوزِ خاطر کو اچھی طرح سمجھکر برابر پہلو بچا رہا تھا۔ اور چھٹکا چھٹکا پھر رہا تھا۔

بہرحال۔ منصور نے اب کی بار اپنے چچا عیسٰے ابن موسیٰ کو ایک بڑے طول و طویل محبت استمالت نامہ کے ساتھ ابومسلم کے پاس روانہ کیا اور پھر اُس میں اُسے اپنی مراحم و مکارمِ خسروانہ کی بہی لمبی امیدیں دلائیں مگر ابومسلم نے اُس کے اُس کے وعدوں پر کوئی اعتبار نہیں کیا اور منصور کی یہ رسالت بھی بیکار گئی۔

ابومسلم اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ حلوان کی راہ پکڑکر خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ اب منصور نے ابوحمید مروزی کو جو اُسکا ہموطن اور عزیز تھا ایک پوری جمعیت کے ساتھ ابومسلم کے پاس بھیجا اور اُسکو حکم دیا کہ پہلے وہ اُسے خاطر اور دلجوئی سے سمجھائے اور میرے پاس بلالائے۔ اور اگر وہ کوفہ آنے سے ڈرتا ہو تو مدائن تک آئے میں اُس سے وہیں آکر ملونگا۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو اُسکو آگاہ کردے کہ منصور نے قسم کھاکر کہا ہے کہ میں بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور فرزندانِ عباس سے نہ ہوں اگر اپنی تمام فوج سے خود تیری اوپر چڑھائی نہ کروں اور بذاتِ خاص خراسات پہنچکر تیری استیصال کا بند و بست نہ کروں۔

بہرحال۔ ابوحمید اپنی جمعیت کے ساتھ ابومسلم سے ملا اور بہت کچھ کہا سُنا مگر اُس نے ایک نہ مانی۔ آخر ابومسلم اس بات پر راضی ہوگیا کہ میں شہرزُر میں مقیم ہوتا ہوں۔ میر کو جو کچھ مجھ سے کہنا سننا ہے وہیں آکر کہلیں سُن لیں۔

منصور کی ایک نئی چال

ابھی تک منصور پوری طور سے مطمئن نہیں ہوا تھا کہ ابوداود کا خط جسے ابومسلم نے اپنی طرف سے خراسان میں نائب چھوڑا تھا اس مضمون کا اُس کے پاس پہنچا کہ یہ تمامی امور جو ہم نے تم نے کیے ہیں وہ سب رضائے آلِ محمد کی بنا پر مبنی ہیں۔ اب تم کو لازم ہے کہ بغیر اُنکے استمزاج اور اجازت کے خراسان کی طرف رُخ نہ کرو۔

ابومسلم تو یہ خط پڑھتے ہی دم بخود ہوگیا اور اُسی وقت سے اُسکو اپنے تنزل اور ادبار کا یقین ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ منصور کی ایک یہ بھی چال تھی۔ اُس نے ابوحمید کو روانہ کرکے ابوداؤد کو یہ خط لکھا جس کا یہ مضمون تھا کہ میں نے تجھ کو خراسان کا مستقل گورنر بنایا۔ ابومسلم کے پائے عقیدت جادۂ اعتدال سے باہر ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ بغیر ہماری اجازت کے خراسان میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اس لیے تجھے لکھتا ہوں کہ تو اُسکو خراسان میں نہ آنے دے۔ ابوداود یہ خط پڑھکر اور امارتِ خراسان کی بشارت پاکر پھولوں نہ سمایا اور پورے طور پر منصور کا مطیع ہوکر ابومسلم کو وہ خط لکھا جو اوپر لکھا گیا۔

ابومسلم نے ابوحمید سے اس خط کے مضمون کو پوشیدہ رکھا مگر اُسنے خراسان جانیکا ارادہ فسخ کردیا اور ابوحمید سے باتیں بناکر کہنے لگا کہ تمہاری اتنی منت و سماجت پر اپنے قطعی انکار کو مروت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ اس لیے قصد کرتا ہوں کہ میں اپنے معتمد علیہ کو امیر کے پاس بھیجکر اپنا اطمینان پہلے کرلوں۔ اگر میرا معتمد علیہ امین مجھ کو اُسکی طرف سے اطمینان کامل دلائے تو میں البتہ اُسکی خدمت میں شرف قدمبوسی حاصل کرسکتا ہوں ورنہ میں مجبور ہوں۔ ابوحمید نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا اور یہ قرار پایا کہ ابومسلم مدائن میں جاکر منصور سے ملاقات کرے۔

ابو اسحاق اور منصور کا دربار

اس گفتگو کے دوسرے دن ابو اسحاق کو ایک معتد بہ جمعیت کے ساتھ ابو مسلم نے منصور کے پاس بھیجا۔ ابو اسحاق منصور سے مدائن میں ملا۔ منصور نے اپنا کام نکالنے کی غرض سے اسکی اتنی خاطر و مدارات کی کہ کبھی اُسکے خواب و خیال میں بھی نہ آئی ہوگی۔ اور ابو مسلم کے اوصاف و اخلاق کی تعریفیں ایسے پُر زور اور خوش کن الفاظ میں بیان کیں۔ اور ابو مسلم کی طرف سے اُسکو ایسا اطمینان اور ایسی تشفی دلائی کہ ابو اسحاق فریفتہ اور از خود رفتہ ہوگیا تھوڑے دنوں کے بعد ابو اسحاق مدائن سے واپس آیا۔

ابو مسلم اور منصور کا دربار

ابو اسحاق نے واپس آکر امیر ابو مسلم سے منصور کی ملاقات کی تمام و کمال روئداد بیان کر دی۔ اور منصور کی طرف سے اُسکو پورا اطمینان اور تشفی دلادی۔ ابو مسلم بھی ابو اسحاق کی باتوں پر اعتبار کر کے مدائن کی طرف روانہ ہوا۔ مگر قصرِ شاہی سے دور ہٹکر اپنی جمعیت کے پڑاؤ ڈالدیے۔ منصور ابو مسلم کے داخلہ کی خبر سنکر بیچین ہوگیا۔ اُس دن بھر اُس کا انتظار کیا۔ وہ نہ آیا۔ تو دوسرے دن علی الصباح جریر ابن یزید کو جو نہایت فرزانہ اور دانشمندِ زمانہ تھا۔ اُس کے پاس بھیجا۔ جریر نے ابو مسلم کے پاس پہنچکر کچھ تو اپنی سابق ارتباط اور کچھ اپنی چرب زبانی اور سحر بیانی سے ابو مسلم کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ابو مسلم نے آخر کار چلنے اور امیر سے ملنے کا پورا وعدہ کرلیا مگر اس شرط پر کہ عیسےٰ ابن موسےٰ امیر کا چچا جو اُس کا مدت تک رفیق اور بہی خواہ رہچکا ہے آئے اور اُس کے حفظِ جان و مال کی ضمانت کرجائے۔ جریر نے اسکو بھی مان لیا اور منصور سے کہکر عیسےٰ ابن موسےٰ کو اُسکے پاس بھجوا بھی دیا۔ عیسےٰ گیا اور اُس نے ابو مسلم کی جان و مال کی محفوظ رہنے کی ضمانت کرلی۔ اور فیمابین عہد و پیمان استوار اور محکم ہوگئے اور آخر کار اُس کو شاہی دربار میں پہنچا ہی دیا۔

بعض مؤرخین کا قول ہے کہ منصور نے تین روز تک ابو مسلم سے ملاقات نہیں کی۔ مگر اسکی خاطر و مدارات اور راحت رسانیوں کے اہتمام میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ یہ امر منصور کے فہم و فراست کے خلاف ہے حقیقت امر یہ ہے کہ آنے جانے اور ابو مسلم کو راضی کرنے اور اطمینان دلانے میں تین دن کا عرصہ لگ گیا۔ جسکو مؤرخین نے تین دن تک ملاقات نہ کرنے سے تعبیر فرمایا۔

ابو مسلم کی دور اندیشی

ابو مسلم بھی حسن تدبیر میں منصور سے کم نہیں تھا۔ بلکہ اُس سے کچھ زیادہ ہی تھا۔ ابو مسلم کی تدبیریں وسعتِ دلی اور علو ہمتی کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اور منصور کی تجویزیں تنگدلی اور کوتاہ چشمی کے ساتھ۔ منصور کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے اُس نے مالک ابن ہشیم کو بلایا اور اپنا تمام مال و متاع اُسکے سپرد کیا۔ اور اپنی مہر اُسے دیکر تاکید کر دی کہ اگر تم کو میرا ایسا خط پہنچے جس پر پوری انگوٹھی کا نشان بنا ہو تو سمجھ لینا کہ یہ خط جعلی اور مصنوعی ہے اور اگر ایسا خط تجھے ملے جس پر میری نصف مہر لگی ہو تو سمجھ لینا کہ وہ خط حقیقتاً میرا ہی لکھا ہوا ہے۔

ابو مسلم اور منصور کی ملاقات

سمجھتا ہوں دل چھین لینے کی ڈھب ہیں
گلے میں وہ کیوں ہاتھ ڈالے ہوئے ہیں

ابو مسلم کو آتا دیکھتے ہی منصور تختِ امارت سے اُٹھا اور نہایت خلوص سے ہم آغوش ہوا۔ اپنے پہلو میں مسند پر بٹھلایا۔ اور محبت و الفت کی باتیں کرنے لگا۔ منصور نے ایسی باتیں کیں کہ ابو مسلم پر کیا منحصر ہے کسی کو بھی اُسکی طرف سے خلاف ورزی اور عہد شکنی اور بے مروتی کی امید نہیں تھی۔ بہر حال ایسی محبت انگیز اور الفت خیز باتیں کرکر منصور نے قصرِ شاہی کے اُس حصہ میں آرام کرنے کے لیے رخصت کر دیا جو پہلے ہی سے اُسکے قیام کے لیے شاہی انتظامات سے خاص طرح پر آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ امیر سے رخصت ہوکر ابو مسلم اپنے موجودہ رفیقوں کے ساتھ اُس قصر میں اُتر پڑا۔ تین روز تک ابو مسلم منصور کے دربار میں برابر آتا جاتا رہا۔ اور منصور اُسی طرح ہمیشہ اُسکی تعظیم و تکریم کرتا رہا۔ تین دن کی آمد و رفت میں ابو مسلم کو منصور کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوگیا اور وہ سابق کے خدشے اور اندیشے بالکل جاتے رہے۔

ابو مسلم کا قتل

منصور نے چوتھے دن عثمان ابن نہیک کو تین سپاہیوں کی ہمراہ ایک کوٹھری میں

یہ حکم دیکر پوشیدہ کر دیا کہ آج ابومسلم جس وقت میری ملاقات کو آئے اور میں اپنا تین بار ہاتھ سر پر لیجاؤں تو اُس وقت تم کوٹھری سے باہر نکل کر اپنی تلواروں سے ابومسلم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔ اور اپنے حاجب کو بلا کر حکم کر دیا کہ جس وقت ابومسلم آج میری ملاقات کو آئے تم کسی حیلہ سے اُسکی تلوار لے لینا۔

القصہ۔ تمام انتظام درست کر کے ابوجعفر منصور ابومسلم کا انتظار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ابومسلم دروازے سے خشم آلود اور عتاب انگیز تقریریں کرتا ہوا دکھلائی دیا۔ منصور نے اُسکو اس حالت میں آتا ہوا دیکھکر سمجھ لیا کہ دروازے پر اسکی تلوار چھین گئی۔ ابومسلم آیا اور اُن سے حقیقت حال معلوم ہوئی تو اُس نے اُسکی دلجوئی اور خاطرداری کرکے اُسکو پھر مطمئن کر دیا۔ العرض ابومسلم پھر بیخوف ہو کر منصور سے باتیں کرنے لگا۔ اثنائے گفتگو میں منصور نے ابومسلم سے پوچھا کہ میرے پاس آنے میں تمہیں اس قدر ردّ و کد کیوں تھی؟ اور تمہارا خراسان کی طرف بغیر میری اجازت کے چلا جانا کس باعث سے تھا؟ ابومسلم نے جواب دیا۔ ایہاالامیر! اس امر کی ابتدا تو آپ ہی کی طرف سے ہوئی آپ نے غنیمت کی ایسے بے حقیقت اور معمولی امر میں مجھ کو خائن اور غیر معتمد سمجھا۔ اور میری نگرانی اور حفاظت کے لیے ایک غیر شخص کو امین مقرر کرکے میرے لشکر میں بھیجدیا۔

ابومسلم کا یہ جواب سُنکر منصور نے ایکبارگی سخت کلامی شروع کر دی۔ ابومسلم نے رنگ بیرنگ ہوتا ہوا دیکھکر کہا کہ اے امیر! میری وہ مساعی جمیلہ اور کوششہائے بلیغہ جو میں نے تیری سلطنت کے استقرار و استحکام کے متعلق صرف کی ہیں فراموش نہ ہونی چاہییں۔ اب منصور کہاں اور یہ باتیں کہاں۔ وقت نکل گیا اور اُسکے ساتھ اُسکی سب باتیں نکل گئیں کام نکل گیا اور اُنہی کاموں کے ساتھ منصور بھی نکل گیا۔ اب منصور کہاں ہاتھ آنیوالا ہے؟

ابومسلم کی اس تقریر سے منصور کا دل کیا بھڑکا کہ وہ اور برافروختہ ہو گیا اور ابومسلم سے ڈانٹ کر کہنے لگا کہ اے کنیز حبشی کے جائے! تو اپنے محاسن خدمات اور مساعی جمیلہ پر کیا ناز کرتا ہے قسم خدا کی اگر تیری جگہ کوئی عورت زنگیہ بھی ہوتی تو اُس سے بھی وہی امور ظاہر ہوتے جو تجھ سے معرض ظہور میں آئے۔ کیونکہ یہ امر عظیم جو تجھ سے ظاہر ہوئے اُن کی خاص وجہ یہ تھی کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ کو ہمارے خاندان کو عزت و اقبال کے عرش الکمال تک پہنچانا منظور تھا۔ جو کچھ خدا کی مشیت میں ہے وہ ہو کے رہتا ہے اگر نہ ہونا ہوتا تو ہرگز نہ ہوتا۔ اور جو ہونیوالا تھا وہ ہو گیا۔ اور تیری

تیری قدرت کیا تھی۔ اور تیری مجال کیا تھی کہ بغیر مشیت ایزدی کے تو ہماری دولت و ثروت کے حصول کا انتظام کرتا۔ اور اے پسر زانیہ یہ تو ہی تھا جسنے میری عمہ آمنہ بنت علی سے عقد کی خواستگاری کی۔ اور یہ دعوے کیا کہ سلیط ابن عبداللہ ابن عباس کے فرزندوں میں سے ہوں۔ تو نے بڑے غرور و نخوت کے نشہ میں سرشار ہو کر حد سے باہر پاؤں پھیلا دیے اور اپنے حضیض ذاتی کو آسمان تمکنت پر پہنچا دیا۔ اتنا کہکر منصور نے یکایک تین مرتبہ اپنا ہاتھ سر تک پہنچایا۔ منتظرین تو اشارے کی تاک میں تھے ہی۔ جونہی منصور کا ہاتھ سر تک جاتے ہوئے دیکھا۔ فوراً ننگی تلواریں لیے ابومسلم کے سر پر آ دھمکے۔ یہ خونیں منظر دیکھتے ہی ابومسلم کے تو ہوش اُڑ گئے اور اُس سے اُس فوری اضطراب کے عالم میں اور کچھ تو بن نہ پڑا اُسنے فوراً اپنا سر منصور کے قدموں پر رکھدیا۔ مگر بیدرد منصور نے اُسکو ایسی ٹھوکر ماری کہ وہ ڈھلکتا ہوا دور جا پڑا۔ عثمان ابن نہیک اور اُسکے دوسرے ساتھیوں نے بڑھکر اپنی تلواروں سے ابومسلم کا کام تمام کر دیا جب وہ ٹھنڈا ہو گیا تو اُسکی لاش کو چٹائی میں لپیٹ کر ایک گوشہ میں کھڑا کر دیا۔

ابومسلم کے قتل کے بعد کے حالات

ابومسلم نے دربار جاتے وقت اپنے دوست عیسےٰ ابن موسےٰ سے کہدیا تھا کہ میں دربار میں جاتا ہوں۔ تم بھی پیچھے سے آنا جب الوعدہ عیسےٰ آیا تو ابومسلم کو نہ پایا۔ پوچھا تو منصور نے جواب دیا ھاھو ذالک ملفوف فی ذالک البساط۔ وہ دیکھو چٹائی میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔ عیسےٰ نے پوچھا کہ حقیقت میں تم نے ابومسلم کو مار ہی ڈالا۔ اب اُسکے ہمراہیوں کے ساتھ کیا معاملہ کروگے؟ جو اُس کی رفاقت میں اُسکے پسینے پر اپنا خون گرانے کو موجود ہیں۔ منصور نے کہا کہ اُن کا سیدھا کر لینا کونسی بات ہے۔ یہ کہکر اُسنے ایک ہزار تھیلیوں میں تین تین ہزار دینار رکھکر سلوا دیے اور عیسےٰ کو حوالہ کر دیے کہ بالاخانہ پر جاکر غوغائیوں پر تقسیم کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابومسلم کے ہمراہی اپنے رئیس کا تھوڑی دیر تک انتظار کرکے قصر امارت کے نیچے آئے۔ عیسےٰ نے اُس جماعت پر بالاخانہ سے روپیہ بھری ہوئی تھیلیاں پھینکنی شروع کر دیں اور بآواز کہنے لگا۔ اے سپاہیو! ابومسلم بھی بندگان امیر سے ایک امیر تھا جس نے امیر کی طبع کے ناگوار گزرا۔ آخر کار وہ اپنے اعمال کی سزا کو پہنچ گیا۔ [illegible] تمہارے ہی لیے اس وقت تفویض فرمائی گئی ہے۔

تم اس وقت انہیں لو اور آئندہ زیادہ کے امید وار بنے رہو۔ فوج کے
سپاہی زمانہ کے اُلٹ پھیر دیکھ رہے تھے۔ اس ایثارِ شاہی کو غنیمت سمجھ کر
اپنے اپنے مقام پر خوش ہو بیٹھے۔

یہ تھے ابومسلم کے مفصل واقعات اور مشرح حالات۔ ہم نے اس بحث کی
تفصیل و تشریح میں اس لئے طوالت کو پسند نہیں کیا ہے کہ اسی واقعہ سے
منصور کی طبیعت اُس کے افعال اور رفتار و کردار کی پوری حقیقت معلوم
ہو جاتی ہے۔ چونکہ منصور کی افتادِ طبیعت، اور اصول حکومت نے بلادِ اسلامیہ
کے تمام معزز اور ہنرمند لوگوں کے ساتھ اپنے مظالم اور شقاوت کے یکساں
مسالک قائم رکھے ہیں اس لئے ضرور تھا کہ ہم اُسکو پوری توضیح کے ساتھ
مندرج کریں۔ ابومسلم کے قتل کا واقعہ ابوالسفاح کے زمانہ سلطنت سے
متعلق تھا اس لئے ہم نے اُسے تشریح کے ساتھ نہیں لکھا۔ مگر ابومسلم کا واقعہ
چونکہ خاصکر منصور کے ایام حکومت کے متعلق ہے اس لئے ہمارا فرض ہے
کہ اپنے آئندہ ضروری مضامین کی توضیح کے اعتبار سے اس کی پوری
تشریح کریں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ ابومسلم کا واقعہ جو مختلف تاریخی ماخذوں سے منتخب کر کے
پوری تفصیل کے ساتھ اوپر بیان ہو چکا ہے وہ ہمارے ناظرین کے پیشِ نظر
ہے۔ اسکے ہر پہلو سے ابومسلم کے محاسنِ خدمات۔ تہذیب اور اخلاق کا
اظہار ہوتا ہے۔ برخلاف اسکے ہر قرینہ سے منصور کی خود غرضی۔ نفسانیت۔
شقاوت اور بیدردی آشکار ہوتی ہے۔ ابومسلم نے جیسا مرتے وقت سچ
کہا تھا کہ میرے محاسنِ خدمات کو بھولنا نہ چاہیے۔ بہت درست اور حسب الواقعہ
تھا۔ اُسکی خدمات۔ محاسنِ سلوک۔ تحفظِ حقوق اور وہ اعلیٰ کوششیں
اور ہمدردیاں جو اُس نے انکے امور کی درستی اور ترتیب میں ساری دنیا کی
سامنے ظاہر کی تھیں وہ ہرگز فراموش کر دیے جانیکے قابل نہیں تھیں۔

ابومسلم کے اخلاق اور شائستگی کی نسبت بہت بڑی مثال اس واقعہ سے ملتی
ہے کہ اُس نے ایسے وقت میں منصور کی اطاعت اور استعانت سے منہ
نہیں پھیرا جب جانبین کے دلوں میں رنجیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اور اُس کی
آثار طرفین سے ہویدا اور آشکار ہو گئے تھے مگر ابومسلم کی نظر اُس وقت
منصور کی خونخواری اور مردم آزاری پر نہیں تھی۔ بلکہ عموماً بنی عباس کی
نکوکاری اور اپنی وفاداری پر۔ اور یہ وہ سررشتہ تھا جسے وہ قریب قریب
مرتے دم تک تھامے رہا۔ ابومسلم نے منصور کے خلاف کبھی کسی قسم کی مالی
اور فوجی سازش سے کام نہیں نکالا۔ بالعکس اسکے منصور نے ابومسلم
کے خلاف اُسکے استیصال کی تجویزوں میں ہمیشہ فریب۔ دغا بکر اور
حیلہ سے کام لیا۔ ممکن تھا کہ ابومسلم اگر خراسان نہیں تو شام کی تازہ
فتح شدہ علاقوں میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیتا۔ فوج کی کمی نہیں
تھی۔ مال کی قلت نہیں تھی۔ غنیم شکست کھا ہی چکا تھا۔ ملک اور رعایا
قبضہ میں آ ہی چکا تھا۔ پھر اُسکے بادشاہ بن بیٹھنے میں کیا باقی تھا۔ مگر
اُس نے نظر بر استحقاقِ بنی عباس ان امور میں سے کسی طرف بھی
خیال نہیں کیا۔ اُسکی اطاعت و فرمانبرداری کی ثبوت کو تو وہی اُسکی قربانی
کافی ہے جو اُسنے منصور سے ابومسلم کے معاملہ میں کی تھی۔

یہ بھی ممکن تھا کہ ابومسلم بھی اپنے نائب ابوداؤد کو منصور کی نسبت بھی
ویسا ہی تحریر کرتا جیسا منصور نے اُس کے متعلق لکھا تھا۔ مگر ابومسلم کی
دل میں ایک گونہ رنجش کے علاوہ منصور کی طرف سے غدر و فساد کی
باتیں نہیں تھیں۔ ابومسلم نے اپنی حاضری کی رد و کد میں جو تاخیر اختیار
کی اُسکا باعث بھی زیادہ تر منصور ہی کی ذات ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ
منصور ہی کے انداز و روش سے ابومسلم خوف اور ترساں ہو گیا تھا۔
منصور کی خود غرضی۔ نفسانیت۔ خفیف الحرکاتی۔ عجز رسی اور خورده گیری
اُسکے شبہات کو اور بڑھاتی گئیں۔

ان امور کے علاوہ۔ منصور نے جس صورت اور جس حیثیت سے ابومسلم کو
گھر بلا کر قتل کیا وہ صاف صاف مہمان کشی کی تصویر ہے۔ دنیا کے
جنگ آزما دلیروں اور معرکہ کارزار کے شیروں کو شکار کرنے یا اُن کے
گرفتار کرنے کی یہ شان نہیں ہوتی۔ اگر منصور بھی مرد میدان ہوتا تو
اپنے حریف کو میدان میں پکڑ کر رو در رو مقابلہ کرتا اور پھر دست بقبضہ ہو کر
دونوں آپس میں سمجھ لیتے۔ تو ہم کیا دنیا کے تمام لوگ سمجھ لیتے کہ منصور نے
اپنے حریف کے پسپا کرنے اور مار گرانے میں کمال دلیری اور جسارت سے
کام لیا ہے۔ گھر بلا کر اپنا مہمان بنا کر دعوت کے دھوکے میں عداوت کا
مزا چکھانا اور شربت نوشیں کی جگہ کاسۂ مرگ پلانا منصور کی تنگدلی اور
کم ظرفی کا کامل ثبوت ہے۔ اہلِ عرب کی حیثیت سے عموماً اور بنی ہاشم کے
اخلاق و مہمان نوازی سے خصوصاً کوسوں دور ہے۔ بہرحال۔ چونکہ
عباسیوں کا ستارہ عروج پر تھا اور مساعدت زمانہ بھی انکی ہمدم اور
ہمقدم تھی اس لیے منصور کی یہ سفاکانہ حرکات دنیا پر کہاں تک نفوذ
ابومسلم کی ہمراہی جمعیت پر بھی اپنا کوئی اثر پیدا نہ کر سکیں۔ منصور نے
بنی وقتی سخاوت دکھلا کر زر پرستانِ دنیا کے لبہائے شکایت بند کر دیے۔

اور ملک میں کوئی فتنہ یا کوئی فساد پیدا نہیں ہوا۔
اس لیے ہم اپنی کتاب کے ناظرین کو آگاہ کیے دیتے ہیں کہ ہم نے اس مضمون میں جو ابومسلم کے ذاتی اخلاق و اوصاف سے بحث کی ہے اُس سے میرا مقصود ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے ان معاملات میں جس راستی سے کام کر گیا اُسی طرح اُسکے تمام معاملات راستی اور حق بینی پر مبنی ہوتے تھے۔ یا وہ جیسا آلِ عباس کے ساتھ مستقیم العقیدہ تھا ویسا ہی بنی حسن اور دیگر بنی فاطمہؑ کے ساتھ بھی۔ نہیں ایسا نہیں۔ اگر وہ دوست تھا تو صرف بنی عباس کا۔ ہمدرد تھا تو اُنہی کا۔ جان نثار تھا تو اُنہی کا۔ اور کسی کا بھی نہیں۔ اور اُنکی خیرخواہیوں کے آگے بنی فاطمہؑ۔ بنی حسن۔ آلِ جعفر۔ غرض کسی کی کوئی وقعت یا کسی کا لحاظ اُسکو ملحوظ نہیں تھا۔ تو پھر ایک برگشتہ ایمان اور بگڑے ہوئے مسلمان کو ہم صحت کے ساتھ دائرۂ ایمان میں شمار نہیں کر سکتے۔ ابومسلم کے مظالم اور مفاسد سے تاریخوں کے ہزاروں صفحے رنگے پڑے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بنی عباس کے حصولِ مقاصد کی غرض سے اُس نے ہزاروں خونِ ناحق کا سیلاب زمین پر بہا دیا ہے۔ مثال کے لیے عبداللہ اُن کے بھائی حسن اور اُنکے رفیق کے کشت و خون موجود ہیں۔ یہ غریب سادات حضرت عبداللہ ابن جعفر کی اولاد سے تھے جو ابومسلم کے حکم سے شہر ہرات میں مارے گئے۔

باقی رہے اُن مراسلات کے مضامین جو ابومسلم نے قبولِ خلافت کے لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بھیجے تھے۔ وہ حقیقت میں اُسکی مدبرانہ چالیں تھیں اور کچھ بھی نہیں مگر اُسکے مفہوم کو ابوجعفر منصور تا غایت الرام سمجھ چکا تھا۔ اور منصور سے زیادہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام معلوم کر چکے تھے۔ ابومسلم کی غرض امر امارت میں اِن بزرگواروں کی مشارکت سے عباسیوں کی قوت و اختیار کا توڑنا تھا۔ اور اپنی شان و شوکت کا سکہ دنیا کے دلوں پر بٹھانا تھا۔ اسی لیے جناب صادق آلِ محمدؐ علیہ السلام نے اُسکے پہلے خط پر کوئی اعتنا ہی نہیں فرمائی۔ دوسری تحریر آنے پر جواب بھی دیا گیا تو ایسا صاف کہ تو نہ ہمارے آدمیوں میں سے ہے اور نہ یہ زمانہ ہماری خلافت کے لیے موزوں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ پھر ایسی حالت میں جب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اُسکو اپنے متبعین کے دائرہ میں شمار نہ فرمائیں اور اُسکی کوئی معرفت یا تصدیق و توثیق نہ کریں تو میری کیا مجال اور میرا کیا منہ کہ ہم ابومسلم کو دائرۂ اسلام اور رقبۂ ایمان میں داخل کرنے کی جرأت کریں۔ العیاذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

سادات بنی حسنؑ اور منصور

ابومسلم کے واقعات کو اختتام تک پہنچا کر اور منصور کے ظلم و شقاوت کے حالات دکھلا کر اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں ابنائے حضرت امام حسن علیہ السلام کی درد انگیز اور مصیبتناک داستان قلمبند کرتے ہیں۔ ابومسلم کے واقعہ سے فراغت کر کے منصور نے سب سے پہلے جس کی طرف نظر دوڑائی وہ امام حسن علیہ السلام کی اولاد تھی اُس کی سادات کشی کے واقعات یہ ہیں:-

یہ تو پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ بنی عباسیہ نے اپنی دعوت کا سلسلہ بنی حسنؑ کے اتفاق سے شروع کیا تھا اور مقام ابوا کے مجمع میں سب سے پہلے منصور ہی نے محمد ابن حسن الملقب بہ نفس زکیہ کو امارت و خلافت کے لیے خود منتخب کیا تھا۔ اور اُس مجمع میں علی الاعلان یہ اقرار کیا تھا کہ میری نگاہ میں اس جوانِ رعنا سے بہتر کوئی شخص دوسرا امارت و خلافت کے قابل نہیں ہے۔ اور دنیا کے لوگ سوائے اسکے کسی دوسرے کی طرف مائل اور راغب نہیں ہونگے۔

منصور نے کچھ اس تقریر ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس تقریر کے بعد محمد کی بیعت بھی کر لی۔ اسکے بیعت کرتے ہی تمام حاضرین نے محمد نفس زکیہ کی بیعت کر لی۔ مگر جب ان کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام بطلب ان لوگوں کے تشریف لائے اور آپ نے ان لوگوں کی ایس[illegible] سے اختلاف فرمایا اور بنی عباس کی خلافت و سلطنت کی صاف صاف لفظوں میں پیشین گوئی بیان فرما دی تو منصور کو اُسی وقت سے محمد نفس زکیہ کے ساتھ بیعت کر لینے پر سخت ندامت آئی اور ع

کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

کے معانی پر غور کر کے اُسی وقت سے اُسکے دل میں اُلجھن پیدا ہو گئی۔ اگر امام زمانہ کی پوری معرفت اُسکو ہوتی تو اُسے زیادہ تفتیش کی ضرورت نہ ہوتی۔ مگر چونکہ قلب اُس کا توفیقاتِ یزدانی اور نورِ ایمانی سے محروم تھا اس لیے جناب صادق آلِ محمدؐ علیہ السلام کی پیشین گوئیوں کی اُس وقت تک تصدیق نہ کر سکا جب تک کہ دولت پر حا[illegible] ہو کر بذاتِ خاص اس امر کو پورے طور سے پوچھ نہ لیا۔ جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دوبارہ اُسکو

تسکین کر دی تب کہیں نہ کسی طرح اُسکی دلجمعی ہوئی۔
حقیقتِ امر یہ ہے کہ اُسی وقت سے اُس کو اپنی امارت کی فکر لگ گئی اور اگرچہ وہ حصولِ خلافت کی مدت تک رضائے آلِ محمد کی خوشگن فقرے سے اپنا کام چلاتا رہا مگر اپنی تفریق و تخصیص بھی ہمیشہ مدِ نظر رکھی اسی وجہ سے اپنے امور میں استقرار و استحکام آتے ہی منصور نے سفاح کو ابو سلمہ اور ابو مسلم کے فوراً ہٹا دینے کی صلاح دی جن کو وہ اہلبیت علیہم السلام کے حقوق کا موید سمجھ کر اپنے خاص فائدوں کا مانع خیال کرتا تھا۔ چنانچہ السفاح نے ابو سلمہ کا خاتمہ تو اپنے ہی زمانہ میں کر دیا۔ باقی رہا ابو مسلم۔ وہ منصور کے وقت میں تمام کیا گیا۔ یہ دونوں محبتِ اہلبیت علیہم السلام کے شبہہ پر قتل کیے گئے۔ مگر واقعات بتلا رہے ہیں کہ یہ شبہہ محض غلط تھا۔ یہ لوگ کبھی منصور کو چھوڑ کر ان بزرگواروں کے بہی خواہ اور موید نہیں تھے۔ ان سب کو تمام کرکے دو برس تک منصور سبناد مجوسی اور فرقۂ مرتد مذہب کے استیصال میں مصروف رہا۔ ان سے فراغت کرکے وہ باطمینان تمام اولادِ حضرت امام حسن علیہ السلام کے قتل و غارت کی طرف متوجہ ہوا۔ شمس العلما پروفیسر مولوی شبلی نعمانی سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں۔
منصور کی بیرحمیاں۔ اور بیرحمیاں تو تھیں ہی منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی بیخ کنی اور خانہ بربادی شروع کر دی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال بندھا رہے تھے اور ایک لحاظ سے ان کا حق بھی تھا۔ تاہم سفاح کے وقت تک ان سے کوئی سازش ظاہر نہیں ہوئی۔ صرف بدگمانی پر منصور نے سادات علویین (اور نیز بنی فاطمہؑ) کی بیخ کنی شروع کر دی۔ جو لوگ ان میں ممتاز تھے اُنکے ساتھ زیادہ بیرحمیاں کی گئیں۔ محمد و ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے اور اسی وجہ سے دیباج کہلاتے تھے زندہ دیواروں میں چنوا دیے گئے۔ ان بیرحمیوں کی ایک داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے۔ آخر ان ظلموں سے تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انہی مظلوم سادات سے محمد نفس زکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں خروج کیا۔ (سیرۃ النعمان)
بہرحال۔ ہمارے فاضل معاصر کی تحریر سے اتنا تو ضرور ثابت ہو گیا کہ محمد نفس زکیہ کے خروج کرنے کی وجہ منصور کی بیرحمیاں تھیں۔ اگر وہ انکے ساتھ رفق و مدارا کے سلوک قائم رکھتا تو غریب سادات باوجود ایک گونہ استحقاقِ خلافت رکھنے کے بھی اپنے مقام پر خاموش بیٹھے کے بیٹھے رہ جاتے۔ مگر بقول فاضل محقق جب وہ منصور کی بیرحمیوں سے عاجز آ گئے تو مرتا کیا نہ کرتا۔ اُنکی غیرت اور شجاعت کا خون بھی جوش میں آ گیا اور اُنکی رگِ ہاشمی میں بھی ایک غیر متحمل حرکت پیدا ہو گئی۔ ہمارے قابل مورخ نے یہ واقعات بالکل مجمل۔ وہ بھی محض اختصار اور اجمال کے ساتھ لکھے ہیں۔ ہم اُن کو پوری تفصیل کے ساتھ ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔
حقیقتِ حال یہ ہے کہ منصور نے اور اُسکے قائم مقام سلاطین عباسیہ نے ابتدا سے لیکر انتہا تک سادات کشی کو اپنے استحکامِ سلطنت اور بقائے حکومت کا ویسا ہی ذریعہ سمجھ لیا تھا جیسا معاویہ اور اسکے بعد اُسکے قائم مقام سلاطینِ امویہ نے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اس تدبیر کے کرنے میں دونوں قوموں کے سلاطین ہم قدم اور ہم خیال تھے۔ مقام ابواء کی باہمی مشورہ اور محمد نفس زکیہ سے منصور کی ارادتمندانہ بیعت نے منصور کو سخت مخوف اور منتشر بنا رکھا تھا۔ اُسپر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمانا سونے میں سہاگہ کا کام دے گیا۔ منصور نے سمجھا۔ ہم نے تو اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی ماری کہ محمد سے بیعت کرکے اُس کو اپنا سردار و حکمران یا کم سے کم اپنا شریک و سہیم بنا لیا۔
منصور ان امور پر غور کرکے اپنی نادانی اور عجلت پر برابر دانت پیسا کرتا تھا۔ مگر خود کردہ را درمانے نیست کا مضمون تھا۔ اب وہ کر ہی کیا سکتا تھا۔ اسی اضطراب کے غیر متحمل عالم میں اُسنے سادات عظام کی بیخ کنی اور استیصال پر اپنے ظلم و شقاوت کی کمر ہمت چست باندھی۔ اسی منصوبہ میں کوفہ سے اُٹھا اور ۱۴۲ھ میں مکہ پہنچا۔

سادات بنی حسنؑ کی تدبیریں

یہ تو منصور کے خاص حالات تھے۔ اب سادات کے احوال یہ ہیں کہ سفاح کے ایام حکومت تک تو یہ بالکل خموش بیٹھے رہے اور بنی عباس کی طرف سے ایفائے وعدہ کی امید لگائے رہے۔ اگرچہ سفاح کے وقت ہی سے عباسیوں کے رُخ بدل گئے تھے اور اُنکی پیشانیوں سے بے وفائی اور عہد شکنی کے آثار ہویدا اور آشکار ہو چلے تھے۔ مگر چونکہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی مخالفانہ اور مخاصمانہ کارروائیوں کی ابتدا نہیں کی گئی تھی۔ اس لیے یہ اپنی طرف سے اُنکے وعدوں کی یاد دہانی کر

کو کسی تحریک یا تقاضۂ شدید سے کام لینا بھی نہیں چاہتے تھے۔
سادات کا سکوت۔ انکی خموشی۔ انکے اعلے اخلاق و آداب کی شان
ثابت کر رہا تھا۔ وہاں استبداد ایام حریف کے امور میں انتظام اور
استحکام پیدا کر رہا تھا۔ منصور کا زمانہ شروع ہوا تو اسکو سب سے
پہلے اپنی سلطنت کے استحکام ہی کی فکر ہوئی۔ اور اسمیں نمبر اول اسنے
سادات حسنی ہی کو اس استحکام کا کامل ذریعہ قرار دے لیا۔ اور
اسی اصول پر اُسنے اپنا کام شروع کیا۔ اور پہلے ان بزرگواروں
کے مویدین کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کیا۔ اور آس پاس کی سادات
کو جن میں زیادہ تر حضرت زید شہید رضی اللہ عنہ کی اولاد تھی جو ہشام
کے وقت سے سکونت مدینہ کو ترک کر کے شہر واسط میں آباد تھی۔ اُن کو
قتل کیا۔ اور پھر ایسی ایذا اور تکلیفوں کے ساتھ کہ الامان والحفیظ۔
جب منصور کے مظالم و شدائد کی خبریں سادات بنی حسن کو پہنچیں تو انکو
بھی منصور کی طرف سے سخت ہراس پیدا ہوا۔ اور انہوں نے اسی وقت
سے یقین کر لیا کہ یہ ہمارے ساتھ بھی انہی بیرحمیوں سے ضرور پیش آئیگا یہ
خیال کر کے تمام سادات بنی حسن ایک بارگی چونک پڑے اور اُنہوں نے
اپنی جان و مال کی حفاظت کے لحاظ اور منصور کے ظالمانہ حملات کے
خیال سے اپنی حفاظت خود اختیاری کے سامان شروع کر دیے۔
اور جب ان لوگوں کو اس امر کا پورا یقین ہو گیا کہ منصور اپنے اُن عہد
پر ہرگز قائم نہ رہیگا جو اُسنے پہلے ان امور کی نسبت ہم سے کیے تھے بلکہ
ان خلوص و اتحاد کے عوض وہ ہم سے عداوت و خصومت کا سلوک
قائم رکھیگا۔ ہم کو قتل کریگا۔ ہمارے گھروں کو غارت کریگا۔ ہمارے
مال و اسباب کو لوٹیگا ضبط کریگا۔ جیسا کہ اُسکے موجودہ مظالم و مفاسد
سے ظاہر ہوتا ہے تو سادات نے مجبور ہو کر اُس کے خلاف میں کوششیں
کرنی شروع کر دیں۔
ہم کو اس مقام پر اپنے فاضل معاصر شمس العلماء مولوی شبلی صاحب کا وہ
قول بھی لکھ دینا ضروری ہے جس کو جناب ممدوح الیہ نے اپنے سلسلۂ
ہیروز آف اسلام کے پہلے نمبر المامون میں درج فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ۔
"عباسیوں پر سادات کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جو لوگ حجروں
میں بیٹھکر اعتراض کرتے ہیں۔ معذور ہیں۔ مگر پولیٹکل ضرورتوں کا
اندازہ داں اسکو مشکل سے تسلیم کریگا" (المامون)
مولوی صاحب ممدوح کی یہ عبارت لکھکر ہم جناب موصوف الیہ کی
اُس عبارت سے ملاتے ہیں جس کو ہم نے آپ کی دوسری کتاب
سیرۃ النعمان سے ابھی ابھی لکھا ہے تو آسمان زمین کا فرق پاتے
ہیں ہمیں ابھی تک نہیں معلوم ہوتا کہ ہم اپنے فاضل محقق کی
کس قول پر اعتبار کریں اور کس تحقیق پر اعتماد۔
المامون کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سادات قصور وار تھے۔
اُنھوں نے بادشاہ وقت سے بغاوت کی پس قتل کیے گئے۔ باغی
کی سزا کے لیے کوئی شخص کسی گورنمنٹ کو ملزم قرار دے نہیں سکتا۔
سیرۃ النعمان کی تفہیم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب سادات منصور کی
بیرحمیوں سے عاجز آ گئے اور اُسکے ناقابل برداشت مظالم کی زیادہ
برداشت نہ کر سکے تو محمد نفس زکیہ نے منصور پر خروج کیا۔ لیجیے اس
قول سے محمد بے قصور ثابت ہوئے اور منصور ارتکاب جرائم اور
مظالم کی سولی پر لٹکا دیا گیا۔ تو اب ناظرین خود ہی انصاف کریں کہ
ایسی حالت میں سادات پر خروج۔ فوج کشی یا بغاوت کا الزام لگانا
سراسر خلاف ہے یا نہیں۔ اب ان غریبوں پر بغاوت کا الزام لگا کر دنیا
میں وہ کون ہے جو انہیں واجب القتل ٹھیرا سکتا ہے۔
المامون کی عبارت سے اگر وہ سادات مراد لیے جائیں جو مامون کے
عہد حکومت میں خروج پر آمادہ ہوئے تو یہ بھی شبہہ صحیح نہیں ہو سکتا
کیونکہ ہمارے فاضل محقق نے اپنی عبارت میں جو لفظ رکھا ہے وہ
مجرد بنی عباس کا ہے جس سے کوئی تفریق یا تخصیص معلوم نہیں ہوتی۔
جس میں السفاح سے لیکر بنی عباس کے آخر خلیفہ المستعصم باللہ
تک شمار ہو سکتے ہیں۔ پھر ایسی حالت میں سادات عہد مامون کی تخصیص
محض بیکار ہے۔ اور یہ شبہہ بھی بادر ہوا ہے۔
خلاصہ یہ ہے کہ ہر قرینہ سے المامون کی تعریض کو سیرۃ النعمان کی تسلیم
نے غیر معتمد اور ساقط الاعتبار ثابت کر دیا۔ ایک کتاب میں غریب سادات
کرام مجرم قرار دیے گئے اور دوسری کتاب میں اُن الزامات سے بری
کر دیے گئے ہم تمام سادات کرام کی طرف سے اپنے فاضل ممدوح کا دلی شکریہ
ادا کرتے ہیں اور اپنے قدیم سلسلۂ بیان کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اولادِ حسن علیہ السلام سے خصومت کی ضرورت

اُن خصومتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا ہے جنہوں نے منصور کو ان کی خلاف
کوشش کرنے پر مجبور کر دیا۔ اول تو یہ بزرگوار وہی تھے جو بقول فاضل

معاصر ایک لحاظ سے خلافت کے حقدار بھی تھے۔ دوسرے مقام ابواء میں سب سے
پہلے منصور نے بعد اُسکے تمام حاضرین نے (سوائے جناب امام جعفر صادق
علیہ السلام کے) محمد ابن حسن الملقب بہ نفسِ زکیہ سے بیعت بھی
کرلی تھی اور اس امر پر طرفین سے ہر قسم کے معاہدے مستحکم ہو چکے تھے۔
پھر اپنے حقوق رکھنے کے بعد منصور نے ان حضرات سے عہد کیا انکی
ساتھ اتحاد و اخلاص کے مراسم کو توڑ کر خصومت و عداوت کا طریقہ
اختیار کیے۔ ان کے تمام عمائد و اکابر خاندان کو صرف اس شبہہ پر کہ یہ
ہمارے خلاف میں بغاوت اختیار کرینگے۔ قید کرلیا۔ انکے علاوہ اور
بہت سے بیگناہ اور محض بے سروکار سادات کو انکی تائید اور سازش
کے شبہہ میں سخت سے سخت ایذائیں پہنچائیں اور بڑی بیرحمیوں سے
اُن کو قتل کیا۔ دیواروں میں چنوا دیا۔ بہتے دریا میں غرق کردیا جلتی
آگ میں جلوا دیا۔

ایسی حالت میں جب انکے ایسے قوی دشمن کے مظالم کی تمام آنکھیں خاص کر
انھی کی طرف لگی تھیں اور اُنکی خصومت اور عداوت کے تیز قدم
نہایت عجلت سے انھی کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے یہ وہ روز
انکا زمانہ نازک اور اُنکی حالتیں شکستہ ہوتی جاتی تھیں۔ یہاں تک
تو نوبت پہنچ چکی تھی کہ اُن کا رئیس قبیلہ اپنے اُن خوشرو جوانوں کے
ساتھ مقید کرلیے جانے کے بعد کوفہ بھیجدیا گیا۔ جن سردار نوجوانوں
کی شجاعت تمام عرب کے لیے مایۂ ناز ہو رہی تھی۔

ان خاص حالتوں میں یہ غریب ان خوفناک اور خونیں منظروں کو
نگاہِ یاس سے دیکھ دیکھ کر اپنی حفاظت اور گورنمنٹ کے موجودہ مظالم
کی مدافعت کا اب بھی سامان نہ کریں تو کیا کریں۔ ایسی حالت میں ہم
نہیں کہہ سکتے کہ دنیا کے عدالت پسند اور راست باز مدبران اُنکی حالات
پر بغاوت کا کیسے الزام لگا سکتے ہیں۔ منصور کی سادات کُشی کو ایک
پولیٹکل ضرورت بتلانیوالے حضرات کا دعوےٰ ان معنوں میں البتہ
صحیح مانا جاسکتا ہے کہ منصور کا استحکامِ سلطنت بغیر ان غریب
سادات کی بیخ کنی اور استیصال کے ممکن نہیں تھا۔ اس لیے اُنھوں نے
استحکامِ حکومت اور بقائے دولت کی کوششوں میں آخر کار اُنھی
اصول کی پابندی کو اختیار کیا جن کو ان سے پہلے سلاطین امویہ اپنے
حفظانِ حکومت کے لیے جاری کرچکے تھے۔

بنی عباس ان تدبیروں میں بنی امیہ کے پورے مقلد تھے۔ اگر غور
کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ منصور بنی امیہ سے زیادہ سادات کُشی
کے لیے مجبور تھا۔ کیونکہ کسی وقت میں بنی امیہ کا سادات کی بیعت
کرنا کہیں سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔ برخلاف اسکے منصور تو ان کی
بیعت کرچکا تھا۔ اطاعت و متابعت کے عہد و میثاق مستحکم کرچکا
تھا۔ خلوص و اتحاد کے قائم رکھنے کے لیے حلف اٹھا چکا تھا۔ اور ہر طرح
سے اپنے عمائد و اکابر کے مجمع عام میں انکے فضل و شرافت کو تسلیم
کرچکا تھا۔ پھر ایسی حالت میں ان حضرات کا دفعیہ تو اُسکے لیے
بدرجۂ اولےٰ ضروری اور لازمی تھا۔ بات یہ تھی کہ منصور نے بنی امیہ
کی عداوت اور زیادہ تر اپنے حصولِ مقاصد کی تمناؤں میں پہلے
ان حضرات کی شرکت یا مداخلت کا کوئی خیال نہیں کیا۔ مگر ہاں
سلطنت ملجانے پر آنکھ کھلی اور اپنی غلطی آپ نظر آئی۔ تو پھر ان
پولیٹکل اغراض کو ان حضرات کے استیصال کی نسبت بنی امیہ کے
زیادہ ضروری اور مفید سمجھا۔ اور اُسی وقت سے ان کے پیچھے پڑ گیا۔
اب یہ امور چاہے کیسے ہی مُلکی اور مالی اغراض سے مفید ہوں اور
چاہے اُن کا نام پولیٹکل رکھے جائیں یا سوشیل ریفارم Social
Reform جو ہوں۔ مگر جب اس پر دنیا کا کوئی راست باز
اور متدین مدبر نظر ڈالیگا تو وہ انکو ضرور منصور کی غایت درجہ کی
بدعہدی۔ خود غرضی اور مردم کُشی قرار دیگا۔ اور اگر انھی اخلاقی کمزوریوں
کا نام پولیٹکل اغراض رکھا جائیگا تو شاید پھر پولیٹکل دنیا سے صداقت
اور دیانت کا نام بھی اُٹھ جائیگا۔

منصور کی سادات کُشی

منصور کی سادات کُشی کا سلسلہ ۱۴۴ھ سے شروع ہوکر اُس کے
مرتے دم تک قائم رہا۔ اور پھر اُس کے بعد اُسکی یہ یادگار اُس وقت
تک برابر قائم رہی جب تک اُسکی اولاد شہر بغداد میں حکمرانی کرتی
رہی۔ منصور نے اس امر کو ایسا ہی ضروری سمجھا کہ شہر بغداد کی تعمیر کو
عمداً چھوڑکر ۱۴۴ھ میں مکہ آنے کے قصد کو حج بیت اللہ کی نیت سے
ظاہر کیا۔ مگر اُسکی جو اصلی غرض تھی وہ آخر کار چھپ نہ سکی۔
منصور مکہ سے ہوتا ہوا مدینۂ منورہ میں پہنچا اور یہاں پہنچکر اُس نے تمام
ذریاتِ حضرت ابیطالب علیہ السلام کے حاضر ہونیکا حکم دیا۔ اُسکی نیت
تو یہیں سے معلوم ہوگئی اور اُسکی پوشیدہ عداوت و خصومت اُسکے

اسی لیئے حکم صادر ہو گیا۔ اگر اسکا یہ حکم اسی اتحاد و یکجہتی کے اصول پر قائم ہوتا جس پر وہ اپنے ابتدائی دعوت کے زمانے سے لیکر اس وقت تک ظاہری طور پر کاربند رہنے کا زبانی اقرار کیا کرتا تھا تو پھر آلِ محمد یا بنی ہاشم سے آلِ ابیطالب علیہ السلام کی تخصیص و تفریق کی کیا ضرورت تھی۔ اس تخصیص و تفریق سے معلوم ہو گیا کہ ان کی حاضری میں شبہہ ہے اور خدشہ۔

آلِ ابیطالب یا بنی حسنؑ کی گرفتاری

سوائے نفسِ زکیہ محمد بن حسن اور انکے بھائی ابراہیم کے تمام آلِ ابیطالب یا بنی حسن حاضر ہوئے منصور نے ان بزرگوں کو دیکھ کر عام حکم دیا کہ عبداللہ محض بن حسن (نفسِ زکیہ کے باپ) تمام بنی حسنؑ کے ساتھ قید کر دیے جائیں حکم کی دیر تھی۔ عاملِ مدینہ نے سب کو اپنی حراست میں لے لیا اور پابجولاں کر کے سب کو کوفہ کی طرف روانہ کر دیا۔ بنی حسنؑ کی گرفتاری کی کیا ضرورت تھی۔ اب شاید اس سوال کے جواب لکھنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں رہی ہے۔ ہمارے ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ اس گرفتاری کا اصلی باعث کیا تھا۔

منصور کو سادات میں سب سے زیادہ خدشہ تو بنی حسنؑ ہی کی طرف سے تھا کیونکہ انہی کو وہ اپنی جماعت میں امرِ امارت کے لیے منتخب کر چکا تھا۔ اور عبداللہ محض ہی وہ شخص تھے جنہوں نے مشورے والے دن اپنے بیٹے کی امارت کے لیے سب سے پہلے تقریر کی تھی۔ اور منصور نے انہی کی تقریر کی تائید کی تھی اور کچھ تائید ہی نہیں کی تھی بلکہ اس مجمع عام میں سب سے پہلے محمد ہی کی بیعت کر لی تھی۔ منصور کو پورا یقین تھا کہ میری اس بیعت سے عبداللہ اور انکے صاحبزادوں کے معاملات میں قوت و استحکام آ گیا ہے اور سادات کے تمام قبیلے میں جو امور میرے خلاف ہونگے وہ انہی سے ہیں اس لیے ان سب سے پہلے انہی کی مجموعی قوتوں کو توڑنا اور انکی جماعت کو پریشان کرنا اور تباہی و بربادی کی حدود تک پہنچا دینا نہایت ضروری ہے یہی وجہ تھی جنہوں نے سب سے پہلے عبداللہ محض اور تمام بنی حسنؑ کی گرفتاری کا بندوبست کر دیا۔ اور غریب سادات کو قید خانہ کا منہ دیکھایا۔

محمد نفسِ زکیہ اور ابراہیم کی سرگزشت

منصور ان غریب سادات کو قید کر کے اور عاملِ مدینہ کے حوالہ کر کے چلتا ہوا۔ اور یہ حکم دیا کہ ان لوگوں کو ہمارے پاس رہنے دو بھیجدے کہ میں انکو اپنی ہمراہی میں خود کوفہ تک لیجاؤں۔ ان غریبوں کے احوال کو یہاں تک لکھکر ہم اب محمد اور ابراہیم کے حالات لکھتے ہیں:-

محمد اور ابراہیم نے اپنے قبیلہ کی گرفتاری دیکھکر جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ لی۔ اور منصور کے خوف سے ان مصیبت زدوں اور وطن آوارہ نے پورے چار برس تک جن جانکاہ مصیبتوں اور دلخراش آفتوں میں بسر کی وہ طول و طویل آفتوں کی داستانیں اور حسرت و عبرت کے تفصیلی افسانے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دونوں حضرات اپنے معدودے چند ہمراہیوں کے ساتھ مدینہ سے حجاز کے پہاڑوں۔ خوفناک جنگلوں۔ وحشت خیز ریگستانوں اور دہشت انگیز ویرانوں میں ٹھوکریں کھاتے رہے۔ دن بھر شاہی جاسوسوں کے خوف سے مجال نہیں تھی کہ اپنی ہیبتناک پوشیدہ گاہوں سے اپنے قدم باہر نکال سکیں۔ وہ پوشیدہ گاہیں بھی ایسی مہیب اور خطرناک تھیں کہ انسانی بود و باش کا خیال بھی کبھی اُن تک نہ پہنچا ہوگا وہ مقامات ان وطن آواروں کے لیے جائے امن تو ضرور تھے۔ مگر وہ بذاتِ خاص ایسی دہشت اور خوف کے مقام تھے جہاں ہر دم و ہر لحظہ انکی غریب جانوں کے جانے کا پورا یقین ہوتا تھا۔

بہر حال۔ حجاز سے پھرتا پھراتا یہ قافلہ ساحلِ عرب پر پہنچا اور چندے شہرِ عدن میں قیام پذیر ہوا جب وہاں بھی اطمینان کی کوئی صورت نہیں دیکھی تو آخر جزیرہ نمائے عرب کو الوداع کہکر یہ مظلوم قافلہ بحرِ عرب سے ہو کر ہندوستان کے مغربی ساحل پر اُتر پڑا۔ اور ملکِ سندھ میں مقیم ہوا۔ قریب قریب دو برس تک یہ لوگ وہیں مقیم رہے۔ مگر یہاں بھی اپنے آرام و آسائش کی کوئی صورت نہیں دیکھی تو آخرِ کار پھر کوفہ کی طرف لوٹے اور حاکم کے خوف سے اطراف و جوانب میں چھپتے چھپاتے پھر مدینہ منورہ میں چلے آئے۔

کیا منصور کو انکی خبر نہیں تھی اور کیا وہ انکے تجسس و تلاش سے غافل تھا۔ نہیں ایسا نہیں تھا۔ وہ اُن کے احوال کو خوب جانتا تھا۔ اور ہمیشہ اُن کی سراغ رسانیوں میں اپنے جاسوس لگا رکھے تھے۔ مگر یہ غریب سادات بھی پورے حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس طرح اور ایسے غیر معروف اور ویران مقاموں میں پوشیدہ ہوتے تھے کہ انکی بود و باش کا سوتے جاگتے بھی کبھی کسی کو خیال نہیں گزرتا تھا۔

منصور کو ان دونوں بھائیوں کی گرفتاری کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ اور

ان میں بھی محمد کی سب سے زیادہ، کیونکہ وہ محمد ہی کو امارت کے لیے منتخب
کر کے خود اُسکی بیعت کر چکا تھا۔ اس لیے محمد کا موجود رہنا اور ملک و قوم
سے یہ اظہار کرنا کہ منصور وہ شخص ہے جو سب سے پہلے میری بیعت
کر چکا ہے اُسکی کوششوں کے لیے کس قدر مضر تھا۔ اس لیے منصور
کو اور جلدی تھی کہ کسی نہ کسی طرح محمد کو گرفتار کر کے قتل کر دے کہ
اس شبہہ کی جڑ ہی کٹ جائے۔

مگر یہ تو معلوم ہے کہ چار برس سے منصور اُن کو ڈھونڈھ رہا تھا اور
یہ کسی طرح نہیں ملتے تھے۔ ان کے نہ ملنے سے اُس کے غصّہ کی آگ
اور بھڑکتی چلی جاتی تھی۔ جب اُسکو سادات کے مدینہ لوٹ آنے کی
خبر معلوم ہوئی تو وہ اپنے آپ میں نہ رہا۔

سادات کی روانگی

بغداد کی عمارت جو قریب الاختتام تھی اُسکو چھوڑ کر مکّہ پہنچکر غیرت کے مارے
مدینہ تو نہ جا سکا۔ مگر راہ میں۔ بغداد سے لیکر مکّہ تک جنگلوں میں بیابانوں
میں۔ پہاڑوں میں۔ پتا پتا ڈھونڈھا اور تمام سُراغ لگایا مگر سادات کا
کہیں پتہ نہ پایا۔ آخر کار مکّہ سے مدینہ کے عامل کو لکھ بھیجا کہ بنی حسن جو
مقید کر کے تیری حراست میں دیے گئے ہیں اُنکو لیکر مجھ سے راہ میں
مل جاؤ تاکہ میں اُنکو اپنے ہمراہ لیکر کوفہ سے ہوتا ہوا بغداد میں قید کر دوں۔

بہرحال جس وقت یہ ستم رسیدہ قافلہ مدینہ سے چلا۔ اُنکی عبرت
مجبوری اور بیقصوری پر خیال کر کے ہر شخص اپنی اپنی مقام پر اشکبار اور
بیقرار تھا۔ اُنکی عبرتناک روانگی کا منظر ایسا دلخراش اور جانگزا تھا کہ
دوست تو دوست دشمن تک اُنکے نظارے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ وہ
شرافت و نجابت کی مجسم صورتیں۔ وہ فضیلت و کمال کی بولتی تصویریں۔
جن کے حسن و صورت کی مثالیں دنیا کے مرقع میں مشکل سے پائی جاتی
تھیں۔ اُن کا ایک ایک جوانِ رعنا اپنی ہمت و دلیری میں تمام بنی ہاشم اور
بنی عبدالمطلب کا سرمایۂ ناز اور باعثِ اعزاز ہو رہا تھا گلے میں طوق پہنے
ہاتھوں میں دوہری دوہری زنجیریں پڑی ڈالے۔ شرم و حجاب سے گردنیں ڈالے۔
سر نیہوڑائے۔ لاغر اونٹوں کی ننگی پیٹھوں پر بٹھایا جا رہا تھا۔ اور یہ معلوم
ہوتا تھا کہ یہ قافلہ اُن اسیروں کا ہے جو ترک و دیلم یا دیگر مقامات مخالف
اسلام سے قید کر کے عبرتِ عامّہ کی غرض سے شہر کی گلیوں اور کوچوں میں
کشاں کشاں پھرائے جاتے ہیں۔

سادات اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب انکی روانگی کا حال جناب صادق آلِ محمد علیہ السلام
کے گوش زد ہوا تو آپکے اشفاق و اخلاق میں تحمل باقی نہیں رہا۔ اور
اُس وقت آپنے عبداللہ محض کی اُن غلط فہمیوں کا ذرا بھی خیال
نہیں کیا جو انہوں نے آپکی موعظت کی نسبت خیال کی تھیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام وہاں سے اُٹھے اور باہر نکل کر ایک مکان
کی آڑ میں کھڑے ہوگئے۔ جہاں سے آپ اُن لوگوں کو دیکھ سکتے تھے۔
مگر وہ آپ کو نہیں۔ یہ آپ کے اخلاق کریمانہ کے خاص تقاضے تھے۔
آپ نہیں چاہتے تھے کہ یہ آپ کو دیکھکر شرمائیں اور اپنی غلط فہمیوں کے نتیجے
معلوم کر کے پہلے سے زیادہ پشیمان و پریشان ہوں۔ بہرحال آپ اس مقام
پر تنہا خاموش کھڑے تھے۔ کہ مظلوم سادات کا قافلہ اُسی بیکسی اور بیبسی
کی حالت میں جس طرح اوپر بیان کیا گیا ہے اُدھر سے نکلا۔ صلۂ رحم و
قرابت کے لحاظ سے آپ سادات کو ان مصیبتوں میں گرفتار دیکھکر جن میں
کوئی تو پابزنجیر ہے اور کسی کے طوق گلوگیر ہے۔ کسی کی مشکیں کسی ہیں۔
کسی کے پاؤں اونٹ کے پیٹ سے بندھے ہیں۔ بیساختہ رونے لگے۔
ابن اثیر کا بیان ہے کہ آپ روتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ اب
شہر مکّہ و مدینہ دار الامن نہیں رہے۔ ایسے امور کے سرزد ہونیکے بعد
خدائے سبحانہ و تعالےٰ پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے ان دونوں حرموں
کی حفاظت کا ذمہ دار بنا رہے؟

اور امام ابو الفرج اصفہانی کی اسناد سے ملّا محمد باقر مجلسی نور اللہ مرقدہ
تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے یہ کلمات بھی اُسی وقت ارشاد فرمائے تھے
کہ خدا کی قسم آج کے بعد سے حرمتِ خدا محفوظ نہیں رہیگی۔ خدا
کی قسم قوم انصار نے جو جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ
وسلّم سے عہد و پیمان کیے تھے اُنکو پورا نہیں کیا۔ یہ امر تحقیق ہو چکا
ہے کہ بیعت عقبہ والے دن قوم انصار نے اس امر پر آنحضرت
صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے عہد کیا تھا کہ آپکی اور آپکی ذریت طاہرہ
کی اُسی طرح حفاظت و حمایت کرینگے جس طرح اپنے اہل و عیال اور جان و
اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ان لوگوں نے اپنا قول پورا
نہ کیا۔ حتےٰ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے انتقال فرمایا مگر
انصار کی اولاد ابھی باقی ہے۔ اور آج اُن میں سے کسی کا ہاتھ آپکی

زینؑ کی حفاظت و حمایت میں نہ اٹھا۔ پھر فرمایا اللّٰھم اشدد وطأتك علی الانصار۔ پروردگارا! تو انصار سے سختی افزا کر۔

کتاب کافی میں بھی ایسے ہی کلمات آپ سے منقول ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب اسیروں کا قافلہ مسجدِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُس دروازے کی طرف سے ہوکر گزرا جسے بابِ جبرئیل کہتے ہیں تو حضرت ابو عبداللہ جعفرِ صادق علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہوکر ان مصیبت کے ماروں کو دیکھ رہے تھے۔ اور ہجوم غم و الم آپکے قلب پر مستولی تھا۔ ردا دوشِ مبارک سے گر گئی تھی۔ اسی حالت میں تین بار آپ نے فرمایا کہ اے معاشرِ انصار! رحمتِ خدا کبھی تم تک نہ پہنچے۔ آیا اسی اقرار کے ساتھ تم نے جنابِ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ پھر فرمایا کہ میں ان غریبوں کی نصرت پر نہایت حریص تھا۔ مگر قضا و قدر سے چارہ نہیں۔ یہ فرما کر آپ دولتسرا کی طرف لوٹ گئے۔ لیکن تاہم آپکی یہ کیفیت ہوئی کہ بندِ نعلین ٹوٹ گئے۔ اور آپ اُسی طرح ایک نعلین پہنے اور دوسری ہاتھ میں اُٹھائے۔ ردائے مطہر زمین پر گھسٹتی ہوئی۔ مکان تک پہنچ گئے۔ آپ کی اس اضطرار و انتشار کا یہ نتیجہ ہوا کہ طبع ہمایوں ناساز ہوگئی۔ آخر کار ایسی سخت تپ آئی کہ بیس روز تک آپ کو دست و پا کی مطلق خبر نہ رہی۔ اور مرض کی ایسی شدت بڑھی کہ دشمنوں کی جان کے لالے پڑ گئے۔

کتاب کافی کی ایک دوسری روایت سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ جب ان اسیروں کا قافلہ اور ان غریب سادات کی محملیں مسجدِ رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچیں تو آپ مسجد سے باہر نکلے اور آپ نے اُس محمل کی طرف جانا چاہا جس پر آپکے چچا عبداللہ محض حضرت حسن مثنیٰ کے صاحبزادے بیٹھے تھے۔ آپ کا یہ مقصود تھا کہ انسے کچھ تسکین و تشفی کی باتیں کیجائیں۔ مگر ایک سنگدل سپاہی نے آپ کو اُن تک جانے نہ دیا اور کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ نہیں تو تمہارا بھی وہی حال کر دیا جائیگا جو تم ان اسیروں کا دیکھ رہے ہو۔ آپ اُس شقی کی سنگدلی اور بیرحمی دیکھکر واپس آئے۔

راویِ حدیث سے مروی ہے کہ یہ قافلہ جنت البقیع تک نہ پہنچا تھا کہ وہ اپنی کردار ناہنجار کی پاداش تک پہنچ گیا۔ قافلہ کے اونٹوں سے ایک اونٹ بھڑکا اور اس زور سے اُسکے لات ماری کہ وہ ایک ہی ضرب میں زمین پر گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

غیرتمند باپ کی سعادتمند بیٹوں کو نصیحت

علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ محمد اور ابراہیم یہ دونوں صاحب اُس وقت مدینہ میں نہیں تھے۔ بخوفِ جان ادھر اُدھر پوشیدہ ہوگئے تھے۔ تبدیلِ لباس کرکے صحرائی عرب کے بھیس میں عباسیوں کی اُس فوج میں آئے تھے جس میں اسیرانِ سادات مقید تھے۔ اپنے پدر بزرگوار عبداللہ محض کے برابر ملتے تھے۔ باتیں کرتے تھے اور اُنکی تسکین و تشفی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن عبداللہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں کو جوشِ انتقام میں بیتاب و بیقرار پاکر کہا کہ میں تو اسیر ہوکر چلا تم میں ابھی اتنی قوت کہاں کہ تم بادشاہِ وقت سے میری مخلصی کی کوئی فکر کرو۔ نہیں معلوم کہ میری اس گرفتاری کا کیا نتیجہ ہونیوالا ہے۔ اس لیے میں آخری نصیحت تم سے کیے جاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اگر منصورِ عباسی تم کو عزت سے دنیا میں زندگی بسر کرنے نہیں دیتا تو عزت سے مرجانے کے لیے تو نہیں روکتا۔ مایوس باپ کے ان حسرت آمیز کلمات نے دونوں فرزندوں کے دلوں میں غیرت اور حیاداری کے وہ جوش پیدا کر دیے کہ پھر وہ سعادتمند دلیر و غیرتمند نوجوان مطلق تاب نہ لاسکے۔

عبداللہ اور منصور سے دو دو باتیں

بہرحال۔ ان اسیروں کا قافلہ مقام ربذہ میں آکر منصور کی شاہی فوج سے مل گیا۔ اور وہاں سے منصور کی ہمراہ عراق کی طرف روانہ ہوا۔ ایک روز اسی حالتِ سفر میں منصورِ عباسی نہایت تزک و احتشام سے اسپ دوبکا پر سوار عبداللہ کی محمل کی طرف سے نکلا۔ انکی یہ حالت تھی کہ اپنے اونٹ پر بیٹھے ہوئے اُن زخموں اور رگڑوں کی شدت سے نہایت اضطراب اور بیچینی میں تھے جو اونٹ کی ننگی پیٹھ ہونے کی وجہ سے انکے جسم پر نمودار ہوگئے تھے۔ عبداللہ نے منصور کو اس شان و تجمل سے جاتا ہوا دیکھکر اُسے اپنی طرف مخاطب کرکے کہا یا ابو جعفر اھکذا فعلنا بکم یوم بدر وکان مرادہ اسر العباسؓ جدہ۔ اے ابو جعفر! کیا بدر کی لڑائی والے دن ہم نے تمہارے اسیروں کے ساتھ یہی فعل کیا تھا جو آج تم میرے ساتھ کر رہے ہو۔ اور اس سے حضرت عباسؓ کی اسیری مراد تھی۔ اور یہ دکھلانا تھا کہ ہمارے جدِ بزرگوار

تمہارے جدِ بزرگوار کے ساتھ جنگ بدر کے دن کیا ایسے ہی سلوک قائم رکھے تھے۔ بہرحال منصور کو تو یہی منظور تھا۔ اُس نے عبد اللہ کی باتوں کی طرف کوئی اعتنا نہیں کی۔ اور وہاں سے آگے بڑھتا ہوا چلا گیا۔

ساداتِ کا حبسِ دوام

سادات کی یہ مقید جماعت کوفہ میں پہنچی منصور نے انکو ایسے تیرہ و تاریک قیدخانہ میں بند کیا جہاں کہ دن رات کی تمیز ہو سکتی تھی مصیبت زدہ جماعت کی [illegible] اُن قیدیوں کی [illegible] سبب سے فنا ہو گئی اور [illegible] بعض مقیدین؛ گر کوئی متنفس کوفہ کے Black Hole سے زندہ نہ نکلا۔ انکو مارنے اور فنا کرنے کی ترکیب بھی نئی نئی تھیں کسی مصیبت زدہ پر مکان کی چھت گرا دی گئی اور وہ اسکے نیچے دب کر مر گیا کسی بدقسمت پر دیوار ڈھا دی گئی اور وہ غریب پس گیا بعض آفت رسیدوں پر دیواریں چنا دی گئیں اور بعض بیچارے بہت مصیبت زدہ کنوؤں میں گرا دیے گئے۔ اور اُن کو مٹی سے بھر دیا گیا۔ اور بعض غریب بے موت کے اس طرح مرے کہ اُس قیدخانہ میں جو مرتا تھا اُسکا مُردہ وہاں سے نکالا نہیں جاتا تھا بلکہ وہ میت وہیں پڑی سڑا کرتی تھی اور اس تنگ اور بند سردابہ میں سخت اور ناقابل برداشت تعفن پیدا ہو کر وہاں کی ہوا کو سم قاتل بنا دیتی تھی۔ اُس میں جو زندہ رہتے تھے اُن میں بھی ہوا کی سمیت اثر کر جاتی تھی۔ اُنکے پاؤں پھول جاتے تھے اور ورم بڑھتے بڑھتے تمام اعضائے رئیسہ کے نظام کو خراب کر ڈالتے تھے۔ اور وہ غریب گھل گھل کر آخرکار مر جاتے تھے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ سادات کُشی میں منصور کیا۔ تمام بنی عباس بنی امیہ کے پورے قائم مقام اور جانشین تھے۔ ہمارے دعوے کے ثبوت میں سادات کے حبس دوام کا تنہا واقعہ پورے طور سے کافی ہے۔ کیا ان واقعات کو پڑھکر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ بنی عباس نے سادات پر بنی امیہ سے کم ظلم کیا۔ بنی امیہ کے مظالم سنکر کبھی کسی کو حیرت یا تعجب نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو ہمیشہ کے دشمن جانی تھے۔ ہاں عباسیوں کے شدائد کو ہر شخص انگشت بدنداں ہو کر ضرور دیکھیگا کیونکہ یہ اپنے تھے اور ہمیشہ یگانگت اور قرابت کا دم بھرتے تھے اور ساری دنیا سے رضائے آل محمدؐ اور ولائے

اہلبیت علیہم السلام کے دعوے کرتے تھے۔

بہرحال۔ اب یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ قیدخانہ میں ان شریف الاصل اور کریم النفس قیدیوں کے کیا مشاغل رہا کرتے تھے۔ اور وہ کن مشغلوں میں اپنی مصیبت کے دن کاٹا کرتے تھے۔ علامہ ابن اثیر کا بیان ہے کہ ان حضرات نے تلاوت قرآن مجید کو اپنا شعار بنا رکھا تھا۔ اور اسی ذکر میں آٹھ رات دن بسر ہوتے تھے۔ قیدخانہ میں ایسی تیرگی تھی کہ دن رات میں مطلق فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے ان غریبوں نے اپنی تلاوت کو پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا تھا اور تلاوت ہی کے ذریعہ وہ حصہ وار [illegible] طاعات الٰہی کے معینہ اوقات کا اندازہ لگاتے تھے۔ اور اسی حساب سے اپنی وقت وقت کی نماز ادا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں محمد نفسِ زکیہ کی امارت

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ بنی حسن [illegible] گرفتاری کے وقت [illegible] اور اُنکے بھائی ابراہیم پسران عبد اللہ محض [illegible] منصور نے ہر چند اُن کی تلاش کی مگر نہ ملے۔ اور [illegible] سرگرداں پریشان پھرتے رہے۔ علامہ ابن اثیر تو انکی جرأت و دلیری یہاں تک لکھ چکے ہیں کہ باوجود اس پر آشوبی اور تمام جاسوسی کے محمد و ابراہیم شاہی فوج میں بے دھڑک چلے آتے تھے اور اپنے معتقدین اعزا کے ساتھ ملاقات کرتے تھے۔ اُنکی خاطر و دلجوئی کرتے تھے اور اپنے معاملات میں اُن سے مشورہ لیتے تھے۔ اور اُنکی حاجت و آرام کے تمام سامان فراہم کر دیتے تھے اور منصور کی فوج میں کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

بعض مورخین نے تو ان کے اظہار جرأت و ہمت میں یہاں تک اضافہ کیا ہے کہ یہ حضرات اپنے اعزا کے پاس سے ہو کر اکثر منصور کی صحبت میں بھی حاضر ہوتے تھے اور وہاں کے ذکر و اذکار کو پورے طور سے سنتے تھے۔ اور معلوم کرتے تھے۔ اور اکثر اُسکے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔

بہرحال۔ ایک ایک کر کے ان سادات کے مارے جانے کی کیفیت محمد نفس زکیہ کو معلوم ہوئی۔ اور یہ بھی خبر پہنچی کہ اُنکے تمام اعزا

ہے جو رسا کی ایذائیں پہنچا کر قیدخانہ میں مارے جاتے ہیں۔ تو اب محمد کے دل میں ضبط کی قوت باقی نہیں رہی اور وہ ان غریبوں کے نتیجوں کے ساتھ اپنے آئندہ واقعات پر غور کرنے لگے۔ کسی طرف سے اپنی جان بچنے کی صورت نہیں دیکھی تو حفاظت خود اختیاری کے اعتبار سے منصور کے ایسے لاگو دشمن کے حملات کی مدافعت کا پورے طور سے قصد کیا۔ مدینہ کے تمام باشندے ان کے پُرحسرت واقعات کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے تھے۔ منصور کے ہاتھوں جو ان پر گزرا اگرچہ تھا وہ سب ان لوگوں پر ظاہر اور ہویدا تھا۔ محمد نے انہی لوگوں سے اپنی امداد کی استدعا کی اور اپنی ذاتی تحریک پر مدینہ کے تمام باشندے مہاجر و انصار کے یادگار انکی طرف ہوگئے اور باتفاق خود باتمام لوگوں نے انکی بیعت کرلی۔ محمد نے رفتہ رفتہ مدینہ اور اُسکے اطراف وجوانب میں اپنی حکومت کا رنگ جما لیا۔ اور یہاں کی املاک و رعایا پر ان کا کامل تصرف ہوگیا۔ محمد کے اختیارات یہیں تک محدود نہیں تھے۔ بلکہ مکہ اور یمن تک اُنکی حکومت اور امارت کا اثر پہنچ گیا تھا۔ محمد نے اپنے دو عامل مقرر کرکے مکہ اور یمن میں بھیجدیے تھے۔ اور یہاں کی رعایا کو بھی اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ غرض حجاز میں محمد کے تمام کام تھوڑے دنوں میں بخوبی انتظام پاگئے۔

بصرہ میں ابراہیم کی حکومت

ابراہیم کی کارروائیاں یہ ہیں:- ابراہیم بصرہ میں چلے گئے اور وہاں اُنہوں نے اپنی حکومت کا رنگ جما لیا۔ کوفہ اور بصرہ کے کثیر التعداد لوگوں نے ابراہیم کی بیعت کرلی۔ اور بیرونجات کی بہت سی قومیں انکی مطیع ہوگئیں۔ رفتہ رفتہ ابراہیم کی قوت محمد کے برابر ہوگئی۔ بلکہ ابراہیم کے پاس آدمیوں کی جمعیت محمد سے زیادہ تھی۔ اس لیے اُسکی فوجی قوت محمد کی فوجی طاقت سے بڑھی ہوئی تھی۔

جب ان دونوں بھائیوں کے امور میں ترتیب اور نظام آچلا تو دونوں بھائیوں نے باتفاق خود یہ تجویز کی کہ اسی متفقہ قوت سے ایک بارگی منصور پر خروج کیا جائے اور جن جن مقامات پر حریف کے مقابلہ کی ضرورت ہو اپنی مجموعی فوج سے کام لیا جائے۔ مگر انسان تو سوچنے ہی تک کا مالک ہے۔ کرنے نہ کرنے کا خدا مختار ہے۔

سادات بنی حسن اگر تجویز کردہ امور کی تعمیل پر بھی قادر ہوجاتے تو انکی ہمت و دلیری اور اُنکی تیاری و مستعدی سے تمام دنیا کو اُنکی کامیابیوں کا یقین ہو چلا تھا۔ مگر مشیت ایزدی تو عباسیوں کے ہاتھ میں زمام سلطنت دیکر اُنکے نفوس کا امتحان اور اُنکی نیتوں کی آزمائش لینے والی تھی۔ سادات کو فروغ ہوتا تو کیسے اور اُن کا کام بنتا تو کیونکر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد و ابراہیم اپنی تجویز کے مطابق اپنے ارادوں کی تکمیل نہ کرسکے اور ابراہیم کے دفعتہً علیل ہوجانے سے بصرہ کے لوگ اپنے مقام سے حرکت نہ کرسکے۔

منصور سے محمد کا مقابلہ

بصرے کے لوگ اپنے مقام سے حرکت نہ کرسکے۔ یہاں محمد کے سر پر منصور کی فوج آدھمکی اور محمد کو ابراہیم کے انتظار کی مہلت نہیں ملی۔ آخر کار اُس کو اپنے موجودہ رفقا کے ساتھ منصور کی فوج سے مقابلہ کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس تفرقہ کے واقع ہوجانے سے سادات کے امور میں بہت بڑا نقصان پڑ گیا۔ اگر سابق کی صلاح کے مطابق یہ دونوں بھائی اپنے حریف کے مقابلہ میں اپنی باہمی قوت سے کام لیتے تو اُنکے دست تمنا ضرور شاہد مدعا تک پہنچتے۔ اور وہ اپنے حریف کے مقابل میں ضرور کامیاب ہوتے مگر ایسا نہ ہوا۔

بہرحال جب سادات کے امور مرتب ہوگئے تو منصور کو اسکی خبر لگی۔ اُسنے عیسیٰ ابن موسیٰ کے ہمراہ چار ہزار جرار فوج مدینہ کی طرف روانہ کی۔ یہ لوگ ربیع الثانی ۱۴۵ھ ہجری میں مقام فید پر جو مدینہ منورہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے جمع ہوئے۔ اور محمد نفس زکیہ اور اُنکے اعوان و انصار کا سراغ لگانے لگے۔ مگر وہ اس میں مطلق کامیاب نہ ہوئے۔

محمد نفس زکیہ نے بھی اپنی جمعیت کو تیار کرلیا اور عیسیٰ کی طرف سے سبقت کا انتظار کرنے لگے۔ عیسیٰ نے حملہ کرنے سے پہلے غنیم کے توڑنے کی ایک دوسری ترکیب نکالی۔ اور وہ مفید ثابت ہوئی۔ جیسا کہ عموماً تاریخوں میں درج ہے کہ عیسیٰ نے ایسے لوگوں کو جو محمد کے مطیع ہوچکے تھے خط لکھے۔ اور اُن سب میں منصور کی طرف سے محمد کی ترک بیعت پر بہت بڑے بڑے گرانمایہ انعام و جاگیرات دینے کے وعدہ واثق کیے۔ اِن مراسلات کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد کی فوج سے نصف لوگوں کے قریب بھاگ نکلے۔ ان میں سے کچھ تو عیسیٰ سے جا ملے اور کچھ

اپنے مقام پر خاموش متجسّد طرفین کے فیصلہ کا انتظار کرنے لگے جب ان ترکیبوں سے عیسےٰ نے محمد کی نصف قوت توڑ ڈالی تو ایک بارہویں رمضان ۱۴۵ھ ہجری کو اپنی ہمراہی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ محمد نے بھی اپنی ہمراہی جمعیت سے انکا مقابلہ کیا۔ یہ لڑائی مدینہ میں مقام احجار الزیت پر واقع ہوئی۔ محمد نے اس معرکہ میں اپنی شجاعت آبائی کے جوہر دکھلا کر دیف کے بہت سے دلیر اور نبرد آزما جوانوں کو بیباک کر دیا۔ اسی گیرودار میں حمید ابن قحطبہ نے اپنی نوکِ نیزہ سے انکا کام تمام کر دیا۔ اور ان کے تمام ہوتے ہی انکی تمام جمعیت منتشر ہوگئی۔

اموالِ سادات کی ضبطی

عیسےٰ بذاتِ خود منصور ہو کر مدینہ میں آیا اور اولادِ جنابِ حسنین علیہما السلام کی تمام جائدادیں ایک ایک کر کے ضبط کر لیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے باغات اور اراضیات بھی اسی نیبلے گردی میں نکل گئیں۔ حالانکہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے انہی امور کی لحاظ سے ان ایام میں سکونت مدینہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور اپنے علاقہ فرع کو تشریف لے گئے تھے۔ اور وہاں سے اس وقت تک حرکت نہ فرمائی جب تک کہ شہر میں پھر امن قائم نہ ہولیا۔ آپ نے اپنی براءت کے ثبوت ہرچند دکھلائے مگر عیسےٰ نے ایک نہ سُنی اور آپ کی جائداد بھی بشمول دیگر مقبوضاتِ سادات ضبط ہی کر لی۔

بوڑھے باپ کے آگے جوان بیٹے کا سر

عیسےٰ نے محمد نفس زکیہ کا سر فتحنامہ کے ساتھ منصور کے پاس بھیجا۔ منصور کو محمد کی شکست کی خبر تو مل گئی تھی مگر قتل ہونیکا حال ابھی معلوم نہیں ہوا تھا۔ اسی عرصہ میں کسی نے اُس سے یہ کہا کہ محمد میدانِ جنگ سے بھاگ گئے۔ منصور نے کہا کہ میں اسکو ہرگز باور نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میدانِ جنگ سے بھاگ جانا بنی ہاشم کی عادت اور شان نہیں ہے۔ یہ ذکر ہو ہی رہا تھا کہ عیسےٰ کا قاصد محمد کا سر لیکر دربار میں حاضر ہوا۔ ظالم منصور نے یہ قیامت کی کہ محمد کا خون آلود سر اُن کے باپ عبداللہ محض کے پاس قیدخانہ میں بھیجدیا۔ جو اُس وقت تک محبس میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ اتفاق سے عبداللہ غریب اُس وقت تک نماز میں مصروف تھے۔ اُن کی نظر تو اس شاہی تحفہ پر پڑی مگر اُنکے بھائی ادریس نے یہ خونیں منظر دیکھکر کہا کہ اے ابو محمد نماز کو طول نہ دو۔ یہ دیکھو بادشاہ نے تمہیں تحفہ میں کیا بھیجا ہے؟ غریب عبداللہ نے سلام پھیر کر جو دیکھا تو محمد کا فرقِ بریدہ پہلو میں رکھا تھا۔ بے اختیار ہو کر اُٹھایا اور اپنے تڑپتے ہوئے دل سے لگا کر کہنے لگے اهلاً وسهلاً یا ابا القاسم اے میرے پارہ جگر تم بے شک وشبہ اس آیۂ وافی ہدایہ کے مصداق ہو الذین یوفون بعهد الله ولا ینقضون المیثاق۔ وہ لوگ جو خدا کے معاہدہ کو پورا کرتے ہیں اور اپنے وعدوں کو قضا نہیں کرتے۔ ربیع نے تعریضاً پوچھا کہ آپ محمد کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اُنہوں نے کہا کہ میں کیا کہونگا۔ مجھ سے پہلے ایک شاعر انکی متعلق کہہ گیا ہے ؎

فتی کان یحمیه من الذل سیفه ؛ ویکفیه ان یاتی الذنوب اجتنابها

یعنی وہ ایک ایسا جوانمرد تھا کہ اسکی تلوار ذلیل ہونے سے اُسکی حمایت کرتی ہے۔ اُسکی پرہیزگاری اُسکو ارتکاب گناہ سے بچاتی ہے۔ پھر ربیع سے کہا کہ منصور سے جا کر کہدینا کہ ہم تو مقتول ہو چکے۔ اب ہمارے بعد تمہاری باری ہے۔ قیامت میں ہماری تمہاری ملاقات ہونیوالی ہے۔

تاریخوں کا بالاتفاق یہ بیان ہے کہ یہ کہکر اُس ستم رسیدہ اور غمدیدہ باپ کے ضعیف قلب پر جوان بیٹے کے مرنے کا ایسا دھکا پہنچا کہ اُسکی روح پرواز کر گئی اور ایک آہ کے ساتھ دم نکل گیا۔

منصور سے ابراہیم کا مقابلہ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ محمد سے زیادہ ابراہیم کے امور میں نظام اور درستی آ گئی تھی۔ ابراہیم نے اپنے موجودہ اعوان و انصار کے زور سے پہلے ہی بصرہ اور وہاں کے بیت المال پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور منصور کے عامل ابو سفیان ابن معاویہ کو وہاں سے نکالدیا تھا۔ بصرہ پر اپنا قبضہ مستحکم کر کے ابراہیم نے اہواز۔ واسط اور فارس میں بھی اپنے عمال بھیجدیے تھے۔ ان لوگوں نے ان مقامات پر پہنچکر بنی حسن کی حکومت کا اثر ضرور پہنچا دیا تھا اور وہاں کی رعایا کو سادات کا مطیع و منقاد بنا دیا تھا۔

ابراہیم کے امور روز بروز مستحکم ہوتے جاتے تھے۔ اور اُسکی قوت یوماً فیوماً ترقی کرتی جاتی تھی۔ منصور اس کے حالات سُن سُنکر نہایت متردد ہو رہا تھا۔

دن کی غذا رات کی نیند حرام ہوگئی تھی۔ غایت درجہ کے انتشار اور نہایت درجہ کے اضطرار میں گرفتار رہتا تھا۔ تعمیر بغداد کا کام چھوڑ چھاڑ کر کوفہ میں مقیم تھا اور بڑے دن رات تدبیریں کر رہا تھا اور سینکڑوں چالیں چل رہا تھا۔ مگر کوئی تدبیر مفید کارگر نہیں ہوتی تھی۔ برابر وحشتناک اور دہشت خیز خبریں آرہی تھیں کہ آج اہواز ہاتھ سے نکل گیا کل واسط گیا گزرا ہوا۔ فارس پر فتنہ پردازوں نے قبضہ کرلیا۔ بصرہ کی مسجد بیت المال اور دارالامارہ پر وہ متصرف ہوگیا۔

ان کے علاوہ اُس کو سواد کوفہ کی طرف سے بھی سخت اندیشہ لگا ہوا تھا۔ اور خاص شہر کوفہ کی رعایا کی جانب سے بھی مشکوک اور مشتبہ تھا کیونکہ شہر میں ایک لاکھ آدمیوں کی ایسی مخصوص جماعت تھی جو ذرا سے ادھر اُدھر ہونے پر بگڑ جاتی۔ اور اسکے ہتھے سے اُکھڑ جاتی۔ غرضکہ منصور اُس وقت چاروں طرف سے انتشار و اضطرار کے سخت پنجوں میں گرفتار تھا۔ اُس کے انتشار و اضطرار کی موجودہ کیفیتوں میں اسلامی مورخین لکھتے ہیں کہ منصور نے ان ایام میں بستر نرم پر لیٹنا چھوڑ دیا تھا۔ دن بھر مصلے پر بیٹھا رہتا تھا۔ اور رات دن اُسی پر پڑا رہتا تھا۔ ایک میلا سا کُرتا بدن میں ڈالے تھا جس کے گریبان پر میل جما ہوا صاف دکھلائی دیتا تھا۔ باہر آکر دربار میں بیٹھتا تو اُس کرتے پر ایک سیاہ عبا اوڑھ لیتا۔ پھر اندر جاتا تو اُس سیاہ عبا کو اُتار دیتا منصور نے پچاس روز اسی چلہ میں کاٹے۔

جب منصور نے کسی طرح سے کشود کار نہیں دیکھی تو آخر کار عیسٰی کو مدینہ سے بُلوایا۔ عیسٰی بغیر حج و عمرہ کے مکہ سے منصور کا خط پاتے ہی اُسکے پاس چلا آیا۔ ادھر منصور کا قاصد عیسٰی کے پاس گیا اُدھر ابراہیم اپنی جمعیت کے ساتھ کوفہ پہنچا منصور کے تو ہوش و حواس جاتے رہے۔ الغرض ابراہیم مقام الحمرا میں خیمہ زن تھا کہ اُسے عیسٰی کا وہ لشکر ملا جو منصور کی کمک میں مدینہ سے آرہا تھا۔ مقام الحمرا پر جانبین سے مقابلہ کی ٹھہر گئی۔ اور شدت سے موت کا بازار گرم ہوا۔ لوہے پر لوہا اور لاش پر لاش گرنے لگی۔ ابھی تک ابراہیم کو عباسیوں کی فوج پر پورا غلبہ حاصل تھا۔

میدان جنگ کی رتی رتی خبر منصور کو پہنچا کرتی تھی۔ وہ ابراہیم کے غلبہ کی کیفیت سنکر پہلے سے بھی زیادہ سراسیمہ ہوگیا۔ اور وہ بدعقیدہ حالت اضطراب میں اپنے لبہائے حیرت کاٹ کر کہنے لگا کہ کہاں ہیں آج اُنکے صادق (معاذ اللہ) اور اُنکی وہ خبر کہ سلطنت عباسیوں کی ہوگی اور اُنکے لڑکے اس سے اس طرح کھیلیں گے جس طرح بچے معمولی گیند سے کھیلتے ہیں۔ کتاب کے ناظرین منصور کو دلی اضطرار اور قلبی انتشار کا اندازہ صرف اسی ایک واقعہ سے پورے طور پر کرسکتے ہیں کہ وہ اس وقت کیسے تردد میں مبتلا تھا۔ پہلے اسکے ہم علامہ ابوالفرج اصفہانی کی اسناد سے درج لکھ آئے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی بنی عباس کی سلطنت کی بشارت سنکر منصور کو اپنے بادشاہ ہوجانیکا اُسی دن سے یقین کامل ہوچکا تھا لیکن اگر حقیقتاً منصور راسخ العقیدہ اور مستقیم الارادہ ہوتا تو چاہیے جو ہوتا وہ اپنے یقین پر قائم رہتا۔ مگر اُسکے دل میں امام علیہ السلام کی طرف سے خلوص تو تھا ہی نہیں ایک ذرا سے انتشار پر ادھر سے اُدھر ہوگیا۔ اور جس مقدس بزرگوار کو وہ راست گو اور صادق القول اور معتبر البیان یقین کرچکا تھا اُنہی کو اُس وقت (معاذ اللہ) دروغگو سمجھنے لگا۔ استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ۔ حالانکہ محمد کے قتل سے اُس کو آپ کی بشارتوں کی نصف تصدیق ہوگئی تھی۔ مگر تاہم اُسکے خبیث نفس کا کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

بہرحال۔ اتنا لکھکر ہم پھر اپنے قدیم سلسلہ بیان پر آجاتے ہیں ابراہیم کی فوج نے عباسیوں کے مقابلہ میں ایسی جرأت و ہمت دکھلائی کہ عیسٰی کی ہمراہی فوج پسپا ہوکر ادھر اُدھر منتشر ہونے لگی۔ عباسیوں کو شکست ہوئی تو ابراہیم کی فوج نے حسب دستور اُن کا تعاقب شروع کیا۔ مگر جنگ دوسرا دارا اسی کو کہتے ہیں اور ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ انہی موقعوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔ فوج کو حریف کا تعاقب کرتا ہوا دیکھکر ابراہیم نے اپنی رحمدلی اور اخلاق کی تقاضہ کر تمام لشکر میں منادی کرادی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ افسوس ابراہیم کے یہ محاسن سلوک حریف کے لیے تو ہر قرینہ سے مفید نکلے۔ مگر خود اُنکے مقاصد کے واسطے ازحد مضر ثابت ہوئے۔

ابراہیم کا لشکر اپنے امیر کا یہ حکم سنکر تو پیچھے پاؤں لوٹا۔ اُدھر اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر عیسٰی نے بھی اپنی برخاستہ خاطر لشکر کو فوراً سنبھالا اور پھر تازہ دم کرکے اُنہی لوٹنے والوں پر یکایک ٹوٹ پڑا۔ ابراہیم کی فوج تو اپنی لڑائی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرکے منصور و مسرور واپس ہورہی تھی۔ اُن کو اس بلائے ناگہانی کی کیا خبر تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہ

ان حالات میں یکایک ایسا گرفتار ہو گئے اور ایسے سراسیمہ اور حیران کہ اب اُنکے بنائے کچھ نہ بنی۔ کہاں تو وہ خود فتحمند و منصور تھے۔ کہاں خود مجبور و محصور ہو گئے۔ الغرض ابراہیم کی تمام جمعیت منتشر ہو گئی۔ ابراہیم نے اسی حالت میں بجکہ نکل جانے کو اپنے لیے مصلحت نہ جانا اور تلوار پکڑ کر حریف کا رو در رو مقابلہ کیا۔ اور اپنے پدرِ بزرگوار کی اُس آخری وصیت کو کہ "اگر منصور تمہیں دنیا میں چین سے رہنے نہیں دیتا تو تلوار سے مرجانے کے لیے بھی تو نہیں روکتا" پورا کر دکھایا۔ ایک عباسی کی ضربِ شمشیر نے ابراہیم کا کام تمام کر دیا۔ ابراہیم کی شہادت ۲۵ ذیقعدہ دوشنبہ کے دن ۱۴۵ھ میں واقع ہوئی۔ ابراہیم وہ بزرگ تھے جو پورے پانچ برس تک منصور سے روپوش رہے اور وہ انکی گرفتاری اور سراغیابی میں باوجود اتنی قدرت و قوت رکھنے کے کامیاب نہ ہو سکا۔ ابراہیم فہم و فراست اور عقل و کیاست میں فردِ یگانہ اور عصو و زمانہ ہو رہے تھے۔

منصور کی آئندہ ساداتکُشی

محمد نفس زکیہ اور ابراہیم ابنائے عبداللہ ابن حسن تو ختم ہو چکے مگر منصور کی ساداتکُشی کا سلسلہ تمام نہیں ہوا۔ اسی سے سمجھ لینا چاہیے کہ اُسکی عداوت سے اگر کوئی خاص شخص مقصود ہوتا تو وہ البتہ اُسکو تمام کر کے اپنی خصومت اور مخالفت کو بھی ختم کر دیتا۔ اور محمد و ابراہیم کو ختم کر کے جو اُسکی خصومت کے اصلی باعث تھے بقیہ سادات کے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرتا۔ مگر اُسنے ایسا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اُس کے مظالم کسی شخص خاص کے لیے محدود نہیں تھے۔ بلکہ وہ عام طور سے تمام سادات کو قابلِ عقوبت اور واجب القتل سمجھتا تھا اسی لیے اُسنے ساداتکُشی کو عموماً اپنا شعار بنا لیا تھا۔ اور جس وقت یا جس مقام پر اُسکو سادات ملے اُنکو جس حیلہ اور جس تدبیر سے ہوا قتل کرایا۔ اپنے ممالکِ محروسہ کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی جہاں کہیں سادات کا وجود ثابت ہوا منصور نے اُنکے قتل و استیصال کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ اور آخرکار اُنکو مار ہی چھوڑا۔ اُس کے ان مظالم و شدائد کے واقعات اس وقت اس کثرت سے ہمارے پیش نظر ہیں کہ اگر ہم اُن کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کرنا چاہیں تو ہماری تالیف کا موجودہ حصہ سادات کے مصائب کا ایک مرتب اور مکمل دفتر ہو جائیگا اور غالب ہمکو اپنے مدعائے تالیف سے علیحدہ ہو جانا پڑیگا۔ جو ہماری موجودہ تالیفی ضرورتوں کے لیے ناموزوں اور نامناسب خیال کیا جائیگا۔ اس لیے ہم اُن حالات کی تفصیل سے قطع نظر کر کے صرف بقیہ سادات بنی حسنؑ کی عبرتناک سرگزشت بیان کرتے ہیں جن کے احوال کا تفصیلی سلسلہ ہمارے موجودہ حصۂ تالیف کا اصلی مقصود قرار پا چکا ہے۔ مگر قبل اسکے کہ ہم ان غریب سادات کی مصیبتوں کا دفتر کھولیں۔ ہم منصور کے مظالم و شدائد کی حالت کا سچا اور صحیح فوٹو ناظرینِ کتاب کے آگے پیش کرتے ہیں۔

مظالمِ منصور کا سچا فوٹو

تمام تاریخوں کا بالاتفاق بیان ہے کہ منصور کو جب کسی شخص کا قتل کرنا منظور ہوتا تھا تو وہ اپنے محلِ شاہی کے اُس دیوان میں آ بیٹھتا تھا جس کا نام قصر الحمراء تھا۔ اور حکمِ خون کی رعایت سے اُسکی دیواریں، چھت اور کواڑ وغیرہ۔ غرض تمام چیزیں سُرخ رنگی ہوئی تھیں۔ اُس دن منصور بھی سُرخ لباس میں آتا تھا۔ بعض مورخین نے اس عمارت کا نام مذبح بھی لکھا ہے۔ بہرحال منصور قصر الحمراء یا ایوان مذبح میں حکمِ قتل جاری کرنے کے لیے اس وضع اور لباس سے آتا تھا کہ اُسکا چہرہ آتشِ غیظ و غضب سے لال بھبھوکا بنا رہتا تھا۔ اُسکی دونوں آنکھیں دو خون کے بھرے پیالوں کی طرح سُرخ دکھلائی دیتی تھیں۔ اُس کے تمام بدن کے بال، جو پوشش کی وجہ سے چھپ نہیں سکتے تھے اُسکی جلد پر کانٹوں کی طرح ظاہر اور نمودار ہوتے تھے اُسکی لمبی ناک کے دونوں نتھنے اور اُسکے ہونٹوں کے بالائی حصوں میں برابر حرکت معلوم ہوتی تھی اور اُسکے تمام جسم میں ایک گونہ حرکت محسوس ہوا کرتی تھی۔

وہ اس شان و صورت سے برآمد ہو کر تختِ حکومت پر بیٹھتا تھا۔ اور بغیر کسی پرسش یا کہے سُنے قتل کے حکم دیا کرتا تھا۔ مقتولین کو کچھ عرض کرنے یا اپنی برات پیش کرنے کی مجال نہیں ہوتی تھی۔ اور نہ ایسے مجرمین کو ایسے عرض و معروض کی مہلت یا اجازت دی جاتی تھی۔ اُسکا فوری حکم بجلی تھا۔ نکلا اور ختم کیا۔ اُس کے ساتھ کے خاص خاص بیٹھنے والے اُس سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ اے امیر! آپ تو رعایا کے ساتھ [illegible] سختی [illegible] پیش آتے ہیں گویا عفو و بخشش کا

شفقت کبھی آپکے کان تک نہ آیا ہوگا۔ منصور اُنکے جواب میں کہا کرتا تھا
کہ کل کی بات ہے کہ ہم انہی لوگوں کے ساتھ عام رعایا کی طرح بسر کرتے
تھے۔ ہمارا رعب اب ان میں اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ ان کو سخت
سے سخت ایذائیں پہنچائیں۔ اور عفو و بخشش کا نام ہی بھول جائیں۔
بہر حال جس شخص کے مظالم، شدائد اور سفاکی اس درجہ تک پہنچ گئی
ہوں اور جسکی طبیعت سے دردی و بیرحمی کی اس قدر خوگر اور عادی
ہوگئی ہو جو عفو و بخشش کو بالکل بھول گیا ہو پھر اسکی عداوت۔
شقاوت اور خونخواری کا کیا ٹھکانا۔

سادات بنی حسن کے بقیہ لوگوں کی تباہی و بربادی

علی ابن محمد ابن حسن دیباج کا قتل۔ جلال

اب ہم تفصیل کے ساتھ منصور کے ان مظالم کو لکھتے ہیں جو اُس نے سادات
بنی حسن کی ترتیب وار پر ڈھائے۔ ان میں سب سے پہلے علی ابن
محمد ابن حسن دیباج کے پر درد حالات قلمبند کرتے ہیں۔ یہ غریب
مدینہ سے مقید کر کے کوفہ میں جب منصور کے سامنے لائے گئے تو اس
بیدرد نے انکے ساتھ پہلے سخت کلامی شروع کی۔ جب اس میں کوئی
دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ اور اُس بزرگ شریف النسل اور عظیم الخلق
کی طرف سے اسکا جواب کچھ نہ ملا تو ان کو ہزار سو تازیانے لگائے گئے۔
جن کی ضرب سے آپ کے تمام جسم کی یہ کیفیت ہو رہی تھی کہ جس وقت انکے
بدن سے کپڑا اُتارنے لگے تو کپڑے کے ساتھ جلد بدن بھی اُتر آئی۔ چنانچہ
امام ابوالفرج اصفہانی تحریر فرماتے ہیں "القی علیہ قمیصا غلیظا ثم
نزعہ فخرج جلدہ معہ۔" یہ اُس دن موٹا کپڑا پہنے ہوئے تھے جب وہ
اُتارا گیا تو اُسکے ساتھ جلد بدن بھی اُتاری گئی۔
ضرب تازیانہ میں سے ایک ضرب انکی آنکھ پر بھی بیٹھی تھی کہ انکی آنکھ کو بیکار
کر گئی۔ ان سفاکیوں پر بھی منصور نے بس نہیں کی۔ اُس نے پھر ان کو
انہی زخمہائے تازہ کے ساتھ اپنے قصر کی اُس دیوار میں کھڑا چنوا دیا جو
اُس زمانہ میں زیر تعمیر تھا۔

عباس ابن حسن کا قتل

عبداللہ ابن حسن کے ایک بھائی کا نام عباس تھا۔ یہ اپنے تمام بھائیوں میں
کم سن تھے۔ لیکن بڑے مقبول صورت۔ انکی ماں عائشہ نامی طلحہ کی
بیٹی تھیں۔ منصور کے سپاہیوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو بیقرار
ہو کر ماں نکل آئی۔ اور ان بیرحموں سے ہزار منت و سماجت کی کہ ان
کو چھوڑ دو۔ مگر وہ ایسے کب تھے جو کسی کی فریاد سنتے۔ آخر کار مصیبت زدہ
ماں نے کہا باللہ دو منٹ ٹھہر جاؤ۔ مجھ کو اتنی اجازت دو کہ میں صرف
اُسکی بوسہ لے لوں۔ مگر ان شقاوت نے اُسکی ذرا درخواست کو نہ سنا۔
اور عباس کو نہایت سختی سے کھینچتے لے گئے۔ منصور نے پہلے تو انکو قید کیا
پھر بعد چندے قید سے نکال کر قتل کرا دیا۔

عمر ابن حسن المثلث۔ عبداللہ ابن حسن کے بھائی محمد
نفس زکیہ کے چچا تھے۔ انکو بھی منصور نے قتل کیا۔ یہ وہ بزرگ تھے جن
کی منصور بہت قدر و منزلت کرتا تھا اور انکے مشورے لیا
کرتا رہتا تھا۔ مگر منصور کے مظالم نے انکے اوصاف و درجات کی
کوئی قدر اور لحاظ نہیں کیا۔ محمد نفس زکیہ کے قتل کے بعد انکو بھی فوراً
قتل کرا دیا۔

محمد نفس زکیہ کے بھائیوں کی بربادی

محمد نفس زکیہ نے اپنی تسلط کے زمانہ میں اپنے کئی بیٹوں اور بھائیوں
کو دیگر مقامات میں اپنے امور کے استحکام کے لیے بھیجا تھا۔ اُن کے
ایک لڑکے کا نام علی ابن محمد تھا۔ دوسرے کا عبداللہ۔

علی او رعبداللہ فرزندان نفس زکیہ کی سرگزشت

علی ابن محمد مصر میں گرفتار کیے گئے اور منصور کے حکم سے وہیں قتل کیے
گئے۔ اُن کے دوسرے بیٹے عبداللہ تھے جو خراسان میں جا کر روپوش
ہوئے۔ جب انکی تلاش وہاں ہوئی تو یہ سندھ کی طرف نکل گئے۔
اور پھر ان کا پتہ نہ ملا۔ مگر بعض تاریخیں یہ بتلاتی ہیں کہ کشمیر کی لڑائی میں
عبداللہ مارے گئے۔ سندھ ہو یا کشمیر۔ اس میں کلام نہیں کہ ان کی شہادت
ہندوستان کی سرزمین پر واقع ہوئی۔ اور بنی فاطمہ کا سب سے پہلا
خون ہندوستان میں یہی تھا۔ جو گرایا گیا۔ علاقہ سندھ اور عموماً ہندوستان
کے مغربی ساحل کے اکثر مقامات عباسیہ خلفاء کے زیر اثر آ چکے تھے۔
اس وجہ سے منصور کو عبداللہ کے قتل میں اگر فارس میں دسترس مل سکا
تھا تو ہندوستان میں اُسنے انکا خاتمہ کرا دیا۔

انکے ساتھ انکے چچا عیسٰے ابن عبداللہ زید بھی تھے۔ جب عبداللہ مارے گئے تو یہ ہندوستان کے مختلف مقامات میں مدت تک پوشیدہ رہا کیے۔ اور منصور کے خوف سے عرب میں لوٹ آنیکا قصد کرتے تھے۔ جب منصور کے مرنے کی خبر انکو پہنچ گئی تو یہ اسکے بیٹے مہدی کے زمانہ میں مدینۂ منورہ میں لوٹ آئے۔ ہم ان کا حال انشاء اللہ پوری تفصیل کے ساتھ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حال میں لکھینگے۔ چوتھے بیٹے حسن تھے۔ وہ یمن کے قید خانہ میں مر گئے۔

محمد نفس زکیہ کے بھائیوں کی سرگزشت

یہ تو انکے بیٹوں کی سرگزشت تھی جو لکھی گئی۔ اب بھائیوں کی روداد یہ ہے کہ محمد کے ایک بھائی کا نام موسےٰ ابن عبداللہ۔ دوسرے کا نام یحییٰ تھا۔ موسےٰ جزیرہ کی طرف اور یحییٰ رے اور طبرستان کی طرف نکل گئے۔ اور بخوفِ جان ہارون الرشید کے زمانہ تک پوشیدہ رہے۔ انکے تیسرے بھائی ادریس ابن عبداللہ دیارِ مغرب کی طرف نکل گئے۔ وہاں کے باشندے ان سے برفق و مدارا پیش آئے اور ان کے مطیع و منقاد بھی ہوئے۔ مگر منصور نے اپنے خاص غلام کو بھیجکر ادریس کو کسی حیلہ سے وہیں قتل کرا دیا۔

یہ تو وہ سادات تھے جو عبداللہ اور محمد کی خاص اولاد سے تھے۔ انہی لوگوں پر منصور نے بس نہیں کی۔ اُس نے اپنی تمام عمر سادات کے تجسس و تلاش میں بسر کر ڈالی۔ اور جب اُسکو کوئی سید ہاتھ لگ گیا اُس کو قتل کر ڈالا۔ یا دیواروں میں چنوا دیا۔ چنانچہ صاحب بستان الواعظین کی یہ عبارت جو ذیل میں لکھی جاتی ہے اس کی شاہد ہے۔ وھو ھذا۔ منصور مسجدے در بغداد ساخت کہ اساسش از اجساد سادات بنی فاطمہ علیہم السلام مستحکم ساخت و در قلعۂ شہر رے نیز بسیارے را در بنیاد نہاد۔

بہرحال سادات کشی منصور کی خاص عادت ہو گئی تھی اور سیدوں کا خون اُس کے منہ سے لگ گیا تھا۔ اور اس مادۂ خاص میں اُسکی مثال اُن وحشی اور جنگلی بہائم کے ایسی پائی جاتی ہے جو مردم خوار اور حد سے زیادہ خونخوار ہو جاتے ہیں۔ اس کی خونخواری اور ستمگاری کی ایک پُر درد مثال نمونہ کے طور پر ذیل میں قلمبند کی جاتی ہے۔

ایک کمسن سیّد کی سزا

ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون میں لکھتے ہیں کہ منصور جس زمانہ میں بغداد کی عمارت بنواتا تھا تو جتنے سادات اولادِ امیر المومنین علیہ السلام و ذریاتِ سائر ائمہ معصومین علیہم السلام یہاں سے پکڑ آتے تھے وہ اُن سب کو اُس عمارت کی دیواروں اور ستونوں میں چنوا دیتا تھا۔ اور اُنکو مصالح اور چونے سے مستحکم کرا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ بغداد کی کی مسجد کی پوری بنیاد سادات کی لاشوں سے پاٹ دی گئی۔ اور انہی لاشوں پر مسجد کی عمارت قائم کی گئی۔ شہر رے کے قلعہ کی نسبت بھی یہی مشہور ہے کہ اُسکی دیواروں اور ستونوں میں بھی سادات چنے ہوئے ہیں۔ شہر بغداد کا موجودہ گمرک (مکانِ دفترِ چُنگی) کے متعلق بھی خاص وہیں کے باشندے ایسا ہی بیان کرتے ہیں۔

انہی ایام میں ایک دن منصور کے سپاہی اولادِ امام حسن علیہ السلام کے ایک قبول صورت لڑکے کو جو ہنوز سنِ رشد تک نہیں پہنچا تھا پکڑ لائے۔ منصور نے حسبِ دستور معمار کے سپرد کر دیا کہ اسکو بھی کسی ستون میں چن دے۔ اور اپنے ایک معتمد علیہ آدمی کو مقرر کر دیا کہ وہ معمار پر نگراں رہے۔ تاکہ وہ اُس کے سامنے حکم شاہی کی تعمیل کر دے۔

معمار صاحب اولاد تھا۔ اُسکا دل اُس فرزند خوش جمال کو دیکھکر بھر آیا۔ اُسنے اُس ستون میں اُس معصوم کو چُن تو دیا۔ مگر ایک سوراخ آمد و رفتِ ہوا کے لیے چھوڑ دیا تاکہ اُسکی ہلاکت کا باعث نہو۔ اور چپکے سے اُس صاحبزادے کے کان میں کہدیا کہ تم گھبراؤ مت۔ ہم شب کے وقت آکر تم کو اس ستون سے نکال لیجائینگے تمہاری زندہ رہنے کے لیے ہم نے اس میں ایک سوراخ رکھ چھوڑا ہے۔ جس سے ہوا کی آمد و رفت برابر جاری رہیگی۔ جو تمہاری بقائے روح کے لیے کافی ہو گی۔

بہرحال۔ دن تمام ہو گیا تو معمار کام چھوڑکر گھر چلا آیا۔ اور نصف شب کے وقت جب تمام سناٹا ہو گیا تو معمار اپنے گھر سے اُٹھا اور اُس ستون کے پاس پہنچا۔ اُس معصوم سید کو اُس سے نکالا اور ہاتھ جوڑکر کہنے لگا کہ اب تم اتنی مہربانی کرو کہ ہم اور ہمارے زیرِ حکم کام کرنیوالے نہ قتل کیے جائیں۔

معمار کا اس سے کیا مطلب تھا؟ اُسکا یہ مدعا تھا کہ تم یہاں سے کہیں اور چلے جاؤ۔ اگر رہ گئے تو لوگ دیکھکر منصور سے کہدینگے اور وہ ہم کو اور ہمارے ماتحتوں کو مار ڈالیگا۔ پھر اُس نے مفصل طور پر اُس معصوم سید کو سمجھا دیا کہ تم بہ تبدیل لباس اس شہر کے کسی طرف نکل جاؤ۔ میں جو اس تیرہ و تاریک شب میں آیا اور آپکو اس معرض ہلاکت میں ڈالا وہ صرف اسی غرض سے کہ میرے ہاتھ تمہارے خون سے نہ رنگین ہوں جس کے سبب تمہارے جد بزرگوار فردائے قیامت میں مجھ سے تمہارا معاوضہ لینے پر آمادہ ہوں۔ اُس معصوم سید نے معمار کے کلام سُنکر اُس کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اگر تیری صلاح ہو تو میں اپنی ماں کے پاس چلا جاؤں۔ مگر معمار نے منصور کے جاسوسوں کے خیال سے اس تجویز کو پسند نہ کیا اور سید کو منع کیا۔ صاحبزادے نے کہا بہتر۔ اگر تو میرے ماں کے پاس جانیکو مصلحت نہیں سمجھتا تو میں نہ جاؤنگا۔ مگر جہاں تو نے اتنے احسان میرے ساتھ کیے ہیں میرے حال پر اتنا احسان اور فرما دے کہ یہ میرے دونوں گیسو کاٹ لے اور انکو اپنے پاس رکھ لے جب کبھی میری آفت رسیدہ اور مصیبت دیدہ ماں سے ملاقات ہو تو میرے زندہ رہنے کی خبر اُس سے کہدیجیو۔ اور یہ دونوں گیسو اُسکو نشانی کے طور پر دیدیجیو کہ انہی سے وہ اپنے دلِ بیتاب و بیقرار کی تسلی کر لیگی۔ اتنا کہکر اُس صاحبزادے نے اپنے دونوں گیسو کاٹ کر معمار کے حوالے کیے اور وہاں سے تبدیل لباس کر کے رات کی تاریکی میں کسی طرف نکل گیا۔ وہ خوش عقیدہ معمار اُس غریب سید کی امانت لیکر گھر واپس آیا۔ اور صبح کو اُسکی ماں کی تلاش میں نکلا۔ اتفاقاً ایک دروازہ پر پہنچا جسکے اندر سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ اس نے دق الباب کیا۔ ایک ضعیفہ تشریف لائی۔ معمار نے اُس سے حال دریافت کیا تو اُس نے اپنے یوسف گم گشتہ کی ساری داستان کہہ سنائی۔ معمار نے ساری روئداد سنکر اُسکی تسکین و تشفی کی اور کہا کہ آپ کا فرزند بحمدہ تعالےٰ زندہ ہے پھر اُس معصوم کی امانت دیکر سارا ماجرا اُس سے کہدیا۔ اُس ضعیفہ نے خوش ہو کر اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور اُس معمار کو ہزاروں دعائیں دیں۔

داؤد ابن حسن مثنّٰی کی سرگزشت

حسن مثنّٰی کے ایک صاحبزادے کا نام داؤد تھا۔ اور یہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے رضاعی بھائی ہوتے تھے۔ سادات بنی حسن کی گرفتاری کے وقت یہ بھی گرفتار ہوئے۔ اور گلے میں طوق اور پاؤں میں زنجیر پہنکر عراق کی طرف روانہ کیے گئے۔

داؤد کی ماں جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی رضاعی ماں ہوتی تھیں اپنے فرزند کی مفارقت میں ایسی بیقرار تھیں کہ اُنکی حالت دیکھنے والوں سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اور تمام اتقیا و صلحا کے پاس اُسکی مخلصی کے لیے وہ التجا اور استدعا پیش کرتی تھیں۔ اسی اثنا میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کچھ علیل ہوئے۔ حضرت امّ داؤد آپ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئیں۔ آپ نے اُن سے پوچھا کہ میرے بھائی داؤد کی اسیری کا کیا نتیجہ نکلا؟ امّ داؤد نے عرض کی۔ مجھے کیا معلوم وہ تو منصور کے قیدخانہ میں ابھی تک مقید ہے۔ یہ سنکر آپ ازحد غمگین و ملول ہوئے۔ اور امّ داؤد کو اُسی وقت دعائے استفتاح تعلیم فرمائی۔ حضرت امّ داؤد نے اُس دعا کو پڑھا۔ پڑھنے سے تھوڑے ہی دنوں کے بعد داؤد قید سے چھوٹ کر اپنی ماں کے پاس مدینہ میں آگئے۔ یہ عمل امّ داؤد کے نام سے شیعوں کے تمام اعمال کی کتب میں مرقوم ہے اور کشود مہمات و انجاح مطالب کے لیے تیر بہدف ہے[1]۔

یہ تھے منصور کی سادات کشی اور سفاکیوں کے حالات جو ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ قلمبند کیے ہیں۔ اب سنیے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ منصور حقیقت میں کسی کا دوست اور شریک نہیں تھا اگر وہ شریک تھا تو اپنی ضرورت کے وقت تک۔ کام نکل جانے کے بعد اور ضرورت رفع ہوجانے کے بعد چاہے اُسکا کوئی کیسا ہی عزیز ہو اور قریب نہ ہو۔ وہ کسی کو نہیں جانتا اور نہیں مانتا۔ ذرا سا شبہ ہوا اور قتل کیا گیا۔ اس بیدرد کا خون بالکل سفید ہوگیا تھا۔ وہ اپنی خودغرضی کے آگے کسی عزیز یا قریب کی رعایت نہیں کرتا تھا۔ سادات بنی حسنؑ بھی اگرچہ عزیز تھے مگر تاہم سلسلۂ انساب میں باخود یا کئی پشتوں سے مفارقت ہوگئی تھی۔ منصور نے اپنے چچا اور چچازاد بھائیوں کے ساتھ ہی اپنے کام نکال لینے کے بعد ایسے ستم ڈھائے اور اُنکو بھی وہ صدمے پہنچائے کہ دیکھنے والوں کے کلیجے ہل گئے۔

عیسےٰ ابن موسےٰ پر سختی

اسکی ابتدائی حکومت میں جس طرح ابومسلم نے اسکی حکومت کو نشانہ جنگ بنایا

[illegible]

کی مصیبتوں سے بچایا تھا اُسی طرح عیسے ابن موسے نے اپنی تنہا کوششوں سے محمد اور ابراہیم کی مہمات کو سر کر کے مدینۂ منورہ اور بصرہ کے گئے ہوئے علاقوں کو پھر اسکے مقبوضات میں ملایا۔ ابھی کے دن ہوئے تھے کہ منصور نے ابراہیم کی مہم میں پریشان ہو کر عیسے ابن موسے کو کس خلوص و محبت سے اپنی کمک میں بلایا تھا مگر جب کام نکل گیا اور ضرورت رفع ہوگئی تو پھر کہاں کہ عیسے اور کہاں اُن کی مدمات سب بالائے طاق۔

عیسے کی طرف سے جو اسکے دل میں خلش لگی ہوئی تھی۔ وہ یہ تھی کہ ابتدائے سلطنت میں منصور نے عیسے کو اپنی ولیعہدی کیلیے نامزد کیا تھا۔ مگر آگے چلکر جب حکومت و امارت اپنے گھر میں قائم رکھنے کا خیال اسے پیدا ہوا تو عیسے کے نکالنے کی فکر کرنے لگا اکی وجہ سے عیسے کو ہمیشہ معرکہائے جنگ میں بھیجا کرتا تھا کہ اسکا خاتمہ ہو جائے تو میرے بیٹے مہدی کے لیے رستہ صاف ہو جائے۔

اسکا یہ ارادہ اس کے اُس قول سے پورے طور پر ثابت ہوتا ہے جو اُس نے عیسے کی نسبت اُس وقت کہا تھا جس وقت وہ اُسے محمد نفسِ زکیہ کی مہم پر بھیج رہا تھا۔ اُس نے اس موقع پر اپنے مخصوصین سے یہ کہا تھا لا ابالی ایھما یقتل صاحبہ ان دونوں میں سے جو مارا جائے (محمد یا عیسے) تو مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ اس سے یہ مراد تھی کہ اگر عیسے کے ہاتھ سے محمد مارے گئے تو مدینہ کے اندیشے رفع ہو جائینگے اور اگر محمد کے ہاتھ سے عیسے مارے گئے تو میرے بیٹے مہدی کی حکومت کے لیے رستہ کھل جائیگا۔ منصور کے دل کی بدی اور نیت کا فساد اُس کے اس کلام سے پورے طور پر ثابت ہوگیا۔

مگر مقدور سے کیا زور۔ سخت جان عیسے ان معرکہائے امتحان سے بھی صحیح و سالم نکل آیا۔ اور منصور کی تمناؤں کے خلاف اُس کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا۔ تو اب عیسے کو منصور نے سخت پکڑا۔ اور اُس کو اتنا تنگ کیا کہ آخر بیچارے نے ولیعہدی سے استعفا دیکر کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچائی اور منصور کی ہدایت کے مطابق مہدی کی بیعت بھی کر لی تھی۔

عبد اللہ ابن علی کی سزا

عیسے کی تو جان بھی بچ گئی۔ مگر عبد اللہ تو کسی طرح نہ بچ سکا عبد اللہ کا حال تفصیل سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر اپنی ضرورت کے مطابق نہایت اختصار کے ساتھ پھر بار دگر بیان کرتے ہیں۔

اس میں شبہہ نہیں ہے کہ عبد اللہ السفاح کے مرنے کی خبر پاکر شام میں اپنی خود مختار اور آزادانہ حکومت کا ضرور رنگ جمانا چاہتا تھا۔ مگر ابو مسلم نے عین وقت پر پہنچکر اُسکو ایسی کامل شکست دی کہ پھر اُس کے قدم حدودِ شام میں نہ ٹھیر سکے۔ اور وہ بیکسی و بیچارگی کے ساتھ اپنے بھائی سلیمان کے پاس جاکر بصرے میں روپوش ہو رہا۔ حقیقت میں اُسکی حالت ایسی خراب ہوگئی تھی اور اُسکی قوت ایسی پارہ پارہ ہوگئی کہ اُس سے پھر کسی نقل و حرکت کی کوئی امید نہیں تھی۔ تو پھر ایسی کمزوری اور مجبوری کی موجودگی میں اُسکے ہلاک کرنے کی فکر محض بیکار تھی اور منصور کی سفاکی اور خونخواری کی کامل دلیل تھی۔ یہ تو ظاہر تھا کہ اب نہ عبد اللہ کے پاس کوئی ملک تھا۔ نہ فوج اور نہ مال جس کے ذریعہ سے وہ منصور کے خلاف ورزی اختیار کرتا۔ مگر منصور کی سرشی اور بیدردی میں عفو تقصیر کہاں۔ اور ترک تعذیر کیسی۔ اُسنے عبد اللہ کو سلیمان سے زبردستی لیکر ایک ایسے ویران اور کہنہ مکان میں قید رکھا جو امتدادِ ایام سے غیر آباد رہکر نونی لگنے کی وجہ سے بالکل کمزور ہو رہا تھا۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کی۔ اُسکے چاروں طرف پانی بھر دیا۔ وہ نونی چاٹا ہوا مکان پانی کی طغیانی سے ایکدم بارہ پتھر ہو کر بیٹھ گیا اور عبد اللہ اُس میں دبکر مر گئے۔

ہم کو یقین ہے کہ صرف یہی دو واقعات ہمارے دعوے کے ثابت کرنے کو پورے طور سے کافی ہیں۔ عیسے اور عبد اللہ بنی عباس تھے۔ ایک ان میں منصور کا چچا ہوتا تھا اور ایک چچا زاد بھائی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس سے زیادہ قریب تر اور کون عزیز ہونگے۔ مگر نہیں۔ منصور کی اصولِ فطرت کے مطابق جب اپنا کام نکل گیا۔ تو پھر قرابتداری کے حقوق کیسے اور عزیزداری کی رعایتیں کہاں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منصور کی بدسلوکیاں

اب ہم منصور کے اُن مظالم اور خونخواریوں کو جو اُسنے ساداتِ بنی فاطمہ علیہم السلام کے ساتھ روا رکھیں کامل تفصیل سے لکھکر اب اُسکے وہ ستم و ظلم کی کارروائیاں اور اُسکی وہ مکر و دغا کی ترکیبیں اپنے

سلسلۂ بیان میں مندرج کرتے ہیں جو اس سفاک حجاز اور ضحاک عرب نے خاص طور پر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی جان لینے اور آپکے ہلاک کرنے کے متعلق جاری کیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وجہ خصومت

ہم سلطنت عباسیہ کے آغاز میں لکھ آئے ہیں کہ انکی حکومت و اقتدار کی پیشین گوئی آپ ہی نے ارشاد فرمائی تھی اور منصور نے اپنے مطلب کی بات کی اسکی پوری تصدیق کر لی تھی۔ اور دوبارہ حاضر خدمت ہو کر اسکی صحت کے متعلق آپ سے اپنی تسکین و تشفی کر لی تھی۔ چنانچہ عباسیوں کے پورے تسلط ہو جانے کے بعد جیسا کہ عموماً سواد اعظم میں مشہور ہے اسی نے منصور نے آپ کو الصادق کا لقب دیا تھا۔ مگر یہ تمام امور اور سارے سلسلے ظاہری محبت و اخلاص اور نمائشی عقیدت و اتحاد صرف وقتی حیلے تھے۔ اور جو بھی بات ہو امام علیہ السلام کی صداقت پر جمیع انبیائے مرسلین سلام اللہ علی نبینا و آلہ و علیہم اجمعین اور ملائکۂ مقربین اور خود وہ اصدق الصادقین شاہد ہے۔ تو پھر بمقدار منصور کس شمار و قطار میں آ سکتا ہے۔

بہرحال۔ جب منصور کا تسلط پورے طور سے ملک پر ہو گیا تو اُسنے کچھ سادات بنی حسن علیہم السلام ہی پر منحصر نہیں تمام بنی فاطمہ علیہا السلام کو اور ان حضرات کے وجود کو اپنی اغراض و مقصود کے بالکل خلاف سمجھا۔ اور اس مبارک سلسلہ کے استیصال و بیخ کنی کی فکر میں رہنے لگا۔ اسکی بائیس ۲۲ برس کی طویل سلطنت انہی فکروں میں تمام ہوئی۔ ان حضرات میں جن سے وہ زیادہ مشتبہ تھا انکو پہلے تباہ و برباد کیا۔ پھر اور حضرات کو تدریجاً اور رفتہ رفتہ۔ جیسا کہ واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس کی بائیس ۲۲ برس کی سلطنت غریب سادات کے لیے بلائے آسمانی سے ہرگز کم نہیں تھی۔ خاندان سادات میں وہ کونسا گھر تھا جو اس نے بے چراغ نہیں کیا۔ اور وہ کون خانوادہ تھا جو ویران و برباد نہیں کیا۔ یہاں تک نوبت ان غریبوں کا پیچھا کیا کہ انہوں نے اس کے مظالم سے تنگ آ کر ممالک غیر کی جلاوطنی اختیار کی۔ مگر وہاں بھی اسکے پنجۂ عقوبت سے نہ چھوٹے۔

انہی واقعات پر نظر کر کے امام جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں کھل کھلا کر لکھ دیا ہے کہ منصور پہلا شخص ہے جس نے آل عباس اور آل علی علیہ السلام کے فیمابین آتش بغض و حسد کو روشن کیا ورنہ اسکے آگے دونوں گروہ ایک سمجھے جاتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ صاحب تاریخ الخلفاء کا قول صحیح اور فی الواقع ہے منصور سے پہلے ابراہیم و السفاح کے زمانہ میں بنی ہاشم کی تفریق بہت کم محسوس ہوتی تھی۔ اور تمام دنیا کے لوگ انکو باہم متفق اور ایک دوسرے کا شریک سمجھتے تھے۔ اگرچہ بنی عباس کے باطن میں ان حضرات کی طرف سے جو کچھ ہو مگر ظاہر میں کسی تفریق اور مغائرت کے آثار معلوم نہیں ہونے پاتے تھے۔ اور ہوتے تو کیسے؟

ہم اپنے متعدد اور مختلف مقامات پر لکھ آئے ہیں کہ بنی عباس اپنی ضرورت کی وجہ سے اس تفریق کو ظاہر کرنا خود نہیں چاہتے تھے کیونکہ انکو تو اپنا کام بنانا تھا۔ اتفاق دکھلا کر دنیا کو اپنا مطیع و منقاد بنانا منظور تھا۔ اور بنی فاطمہ علیہا السلام کو اپنا شریک اور معین دکھلا کر تمام امت اسلامیہ کو اپنی طرف مائل بنانا مقصود تھا۔ ان وجوہات سے وہ اپنی تفریق کسی طرح ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ اگر یہ امر اسی وقت کھول دیتے تو اپنا بنا بنایا سونے کا گھر مٹی کر دیتے۔ مگر ہاں جب وقت نکل گیا اور ضرورت بھی رفع ہو گئی تو بنی فاطمہ یا سادات علوی جو خاندان ہاشم کے چشم و چراغ تھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیے گئے۔ اگر اس علیحدگی اور تفریق ہی پر بس کی گئی ہوتی تو ہم اسی کو غنیمت سمجھتے۔

ان غریبوں نے بنی عباس سے اپنی کس مپرسی اور انکی عدم توجہی کی کبھی شکایت بھی نہیں کی۔ اُنکے ہاتھ سے اپنی جان بچنے ہی کو ہزار غنیمت سمجھے مگر نہیں۔ اس علیحدگی اور تفریق کے ساتھ اُن کی بیخ کنی کر کے اُن کا کامل استیصال کیا گیا۔ وہ قتل کیے گئے۔ ڈبوئے گئے۔ جلاوطن کیے گئے اور عورتیں اسیر و قید کیے گئے۔ دیواروں میں چن دیے گئے۔ جب اپنے لوگوں کی اپنے ہاتھوں سے اتنی بربادی و تباہی کر دی گئی ہو تو ہم کسی طرح انکو کسی وقت اپنا نہیں سمجھ سکتے اور انکو اپنا شریک اور رفیق نہیں خیال کر سکتے۔

یہ تو دنیا کو معلوم ہے کہ بنی فاطمہ علیہا السلام کی قریب قریب صفائی کر دی گئی۔ معدودے چند ایسے بزرگوار رہ گئے تھے جو محض گوشۂ عزلت

کے محدود اور محصور مشاغل میں دنیا کے تمام امور سے کنارہ کش ہوکر اپنی حیاتِ ستودہ آیات کے ایام صرف کرتے تھے۔ اُن کو نہ ملک سے واسطہ تھا اور نہ مال سے غرض۔ مگر منصور کی خونخوار طبیعت نے انکو بھی چین سے اپنے گوشۂ عافیت میں بیٹھنے نہ دیا۔ اور اپنی مقدس حیات کے ایام کو جس عافیت سے وہ تمام کرنا چاہتے تھے بسر کرنے نہ دیا۔

اِن حضرات میں منصور کی بدبین اور خونی نگاہیں جس مقدس بزرگ کی طرف گئیں وہ جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ سلطنتِ عباسیہ کے ابتدائی حالات میں ہم جنابِ صادقِ آلِ محمد علیہ السلام کے ساتھ منصور کے خلوص و عقیدت کی کیفیت دکھلا چکے ہیں۔ اور مقامِ ابوا کے شورے میں آپکی پیشین گوئی کو پوری تفصیل کے ساتھ درج کرچکے ہیں۔ جو آپنے تمام ساداتِ بنی حسن علیہ السلام کے مقابلہ میں بنی عباس کے حصولِ سلطنت کی نسبت ارشاد فرمائی تھی اور عبداللہ محض سے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ اِس میں آپ لوگوں کی کوششیں محض بے سود اور فضول ہیں۔ امرِ امارت تو بنی عباس کے لیے مقدر ہوچکا ہے۔ اس کے بعد پھر یہ بھی دکھلا چکے ہیں کہ اِن ارشادات کو سُنکر منصور نے کیسے استحکام اور مضبوطی سے اس پر یقین کامل کرلیا اور کس عقیدت اور خلوص سے آپ کے ساتھ ساتھ دولتسرا تک حاضر ہوا اور آپ سے ان پیشین گوئیوں کی بدفعات تصدیق کراکے اپنی خاطرخواہ تشفی کرلی۔ اِن واقعات کو پڑھکر کیا کوئی عقل والا منصور کی جانب سے امام علیہ السلام کی خدمت میں کسی بدعنوانی۔ مظالم اور ایذارسانی کے کیے جانے کی "کبھی سوتے جاگتے" بھی امید رکھتا تھا۔ نہیں۔ کبھی نہیں۔ بلکہ بخلاف اِسکے آپ کی پیشین گوئی کو جو بائیس تیئیس برس کے بعد ظاہر ہوئی۔ اپنے حسبِ حال اور مطابقِ ارشاد پاکر اِس امر کا پورا یقین ہوتا تھا کہ منصور کیا بلکہ تمام بنی عباس آپ کو اور زیادہ قدر و منزلت اور خلوص و محبت کی نگاہوں سے دیکھیں گے اور ہر امر میں آپ کی اقتدا کو اپنا فخر اور اعزاز سمجھیں گے۔ مگر۔ ع

خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ یہاں تو سلطنت مل گئی۔ رنگ بدل گئے۔ طبیعتیں متغیر ہوگئیں۔ نیتیں اور ہوگئیں۔ قلوب ادھر سے اُدھر ہوگئے۔ خلوص و عقیدت۔ اتحاد و محبت کے تمام امور درہم و برہم ہوگئے۔ اور اپنی شقاوتِ قلبی اور عداوتِ دلی کے باعث منصور اُسی فرشتہ خصال بزرگوار کی ہلاکت و استیصال کی فکریں کرنے لگا جس کے کلام ہدایت التیام کو ایک بار نہیں کئی بار معیارِ صداقت پر کس چکا تھا۔ اور اُنکی ذاتِ بابرکات کو صادق (علیہ السلام) کے معزز لقب سے موسوم اور مشہور کرچکا تھا۔ مگر منصور نے سابق کے تمام مراسم کو تقویمِ پارینہ سمجھکر پارہ پارہ کردیا۔ اور اپنے خلوص و عقیدت کے گزشتہ خیالوں کو اجزائے بوسیدہ سمجھ کر بالکل نسیاً منسیا کردیا۔ اور اپنی ضلالت اور شقاوت کی جدید تجویزوں میں کمبخت نے آپکے وجودِ ذیجود کو بھی اپنے مقصود کے خلاف سمجھا۔ اور اِس انوارِ ہدایت کے گل کردینے کو اپنی سلطنت کی روشنی قائم رکھنے کی ضرورت سے ضروری جانا۔ اور اپنی اِن سوءِ تدابیر میں اُسنے اپنے مکر و حیلہ کے وہ نیرنگ دکھلائے جو کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے ہونگے۔

بنی فاطمہ سے منصور عقائد میں خلاف تھا

سب سے بڑھکر جو اس نے اپنے زمانہ میں قیامت کی وہ یہ تھی کہ آنے بنی ہاشم سے عقائد میں بھی اپنا پورا اختلاف ظاہر کیا۔ حالانکہ اس وقت تک تمام بنی ہاشم عام اس سے کہ بنی فاطمہ ہوں۔ بنی حسن ہوں یا بنی عباس۔ عقائد میں متفق اور متحد سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کا مسلک ایک جانا جاتا تھا۔ وقتاً فوقتاً۔ ان کے غیر معصوم افراد میں بعضوں کو بعض مسائلِ شرعیہ میں اگر کوئی شک یا شبہہ ہوجاتا ہو تو وہ دوسری بات ہے۔ مگر اُنکے اصولی عقائد میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔

منصور کے ایسے ننگِ خاندان نے حصولِ دنیا کے جنون میں جہاں تمام محاسن کو کھودیا اور اپنی تمام خوبیوں کو ڈبودیا۔ وہاں اسکو بھی۔ اسی کے وقت سے بنی عباس اور بنی فاطمہ علیہا السلام میں پوری تفریق ہوگئی۔ بنی فاطمہ علیہا السلام تو اپنے آبائے طاہرین کے مسلک پر قائم رہے مگر منصور نے بنی امیہ کی قائم مقامی اور جانشینی کی رعایت سے حفظِ سلطنت والی پالیسی کو مدِ نظر رکھکر عقائد میں خلفائے سابقین کی پیروی اختیار کی۔ اور خدا کی شان ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت سے ایسے شخص کو جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے مقابلہ میں عالمِ دہر کا خطاب دیکر تمام بلادِ اسلامیہ کا مفتی اور قاضی بنایا ؎

کسی کا پردۂ عزت جنوں کتاں نہ کرے
خدا برہنہ کرے ننگِ خانداں نہ کرے

ابو حنیفہ کا مبلغِ علم اور مقدارِ استعداد اسلام کے علمی ارباب پہ اچھی طرح روشن ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ان کو جو کچھ شُد بُد ہوئی وہ جنابِ امام محمد باقر اور امام جعفرِ صادق سلام اللہ علیہما کی خدمات میں مناسب تھا کہ ہم اُن کے پوست کندہ احوال تمام و کمال لکھتے مگر اپنے مدعائے تالیف سے زائد سمجھ کر مرفوع القلم کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

بہرحال۔ ابو حنیفہ کی شاگردی اور ان کے اس بےجوڑ مقابلہ کو پروفیسر شبلی صاحب نے اپنی دونوں تالیفوں (سیرۃ المامون و سیرۃ النعمان) میں بطیبِ خاطر قبول فرمالیا ہے۔ اس لیے ہمکو اس مضمون پر زیادہ بحث کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

منصور نے اپنی ان گمراہانہ تجویزوں کے متعلق جو جو کارروائیاں کیں اور جیسی جیسی تکلیفیں جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کو پہنچائیں وہ آپ ہی کی ذاتِ بابرکات تک منحصر نہیں تھیں آپ کے خواص متبعین کو بھی ایسے ہی ایسے انواع و اقسام کے آزار پہنچائے وہ بہت جلد ہمارے سلسلۂ بیان میں آتے ہیں۔

اب ہم کو یہ لکھنا ہے کہ منصور کے اس استبداد کی کیا وجہ ہوئی؟ تو اسکی وجہ یہی سلطنتِ دنیاوی اور سطوتِ شاہی کا غرور ثابت ہوتا ہے اور کوئی دوسرا نہیں۔ جن کے نشہ میں وہ مخمور ہو کر اپنی فرعونیت اور ربانیت کا دعوے کرنے لگا۔ منصور کا یہ گمان تھا کہ جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام اگر اور پہلی خلافتوں کو نہیں تو میری خلافت کو ضرور بنی ہاشم ہونے کی رعایت سے خلافتِ حقہ تسلیم کرینگے کیونکہ اسکی بشارت سب سے پہلے آپ ہی نے دی ہے۔ اور دیگر سادات کے مقابلہ میں اس امرِ امارت کو ہمارا ہی حصہ بتلایا ہے۔ مگر بخلاف اسکی امیدوں کے بنی عباس کی حکومت کو بھی آپ نے دنیا کی معمولی سلطنتوں سے زیادہ نہ سمجھا جسکی ایسی ہزاروں کیا لاکھوں ہو چکی تھیں۔ بنی عباسیوں نے اپنی سلطنت کو بنی ہاشم میں شامل ہونے کے باعث اُس امامتِ حقہ سے تعبیر کرنے کی کوشش کی تھی جس کے منجانب اللہ ہونے میں نصوصِ الٰہی اور احکامِ رسالت پناہی بہت سے شاہد تھے۔ اور اسی کے ساتھ ہی انہوں نے آپ کو بنی عباس ہونے کی رعایت سے جنابِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اُنہی اوصیائے برحق میں داخل کرنے کی سعی کرتے تھے جو منجانب اللہ عروۃ الوثقےٰ اور حجۃ اللہ علی اہل الدنیا کے حقیقی مفہوم بتلائے گئے تھے۔

عباسیوں کے ان خیالات کا پتہ اُس خطبہ سے لگتا ہے جو السفاح کی بیعت کے وقت داؤد ابن علی بن عبد اللہ نے کوفہ کی مسجد جامع میں تمام اہلِ اسلام کو سنایا تھا۔ اور اپنی خلافت کو جنابِ امیر المومنین علیہ السلام کی خلافت کے مساوی بتلایا تھا۔ اور آلِ محمدؐ کی رعایت سے اپنی حکومت کو تا بہ قیامِ قیامت مستقر اور مستمر کرنا چاہا تھا۔ جیسا کہ تاریخ روضۃ الصفا کے اسناد سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر اُنکی ان ابلہ فریبیوں پہ وہی ایمان لاتے اور اعتبار کرتے جو امام زمانہ کی معرفت سے معذور اور حجۃ اللہ کی صفات سے ناواقف تھے۔ اس سبب اُن کی یہ تدبیر پیش نہ چلی۔ نہ کسی نے اُنکی امارت کو امامتِ برحق تسلیم کیا۔ اور نہ اُن کو جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وصی مطلق۔ دنیا کے امرا پرستوں نے جن معنوں میں اور جن طریقوں سے پہلی حکومتوں کو خلافتِ حقہ تسلیم کر لیا تھا ویسے ہی لوگوں نے اِنکی سلطنت کو بھی۔

اِنکی حکومت اور ان سے پہلی سلطنتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ دین کی آڑ پکڑ کر سب کے سب دنیا کے پیچھے پڑے تھے۔ ع
ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش کردند۔ کے اصول پر لوگوں کا دار و مدار تھا۔ غلبہ اور استیلاء کے اصول۔ تعیین خلیفہ کے متعلق جسکی لاٹھی اُسکی بھینس والے قانون کے اجزا کو پورے طور سے صحیح ثابت کر رہے تھے۔ نہ کوئی اصول ایسے تھے جن کا ثبوت نصوص و احادیثِ معتبرہ سے ملتا ہو۔ ورنہ آئینِ ملکی ہی ایسے تھے جنکو احکامِ شریعت سے کوئی واسطہ ہو۔ پھر ایسی معمولی اور دنیاوی سلطنت کو جو اتنے مظالم اور مفاسد کا باعث ہو چکی ہو امامت و خلافتِ حقہ سے تعبیر کرنا کسی عقل والے کا کام نہیں۔ چہ جائیکہ ایسی خلافت شریعت سلطنتوں کے برحق تسلیم کرنے کی امام مجیب ناطق حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات سے امید کی جائے۔ ع این خیال است و محال است و جنوں۔

~~~*~~~
~~~

کسی امر کی پیشین گوئی تسلیم کی دلیل نہیں ہو سکتی

اب اس مقام پر ہم اُس شبہ کی اصلاح بھی کیے دیتے ہیں کہ آپ نے بنی عباسیوں کی سلطنت کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے بنی عباس کی سلطنت کو خلافتِ حقّہ تسلیم کر لیا۔ نہیں۔ ایسا کبھی نہیں۔

آپ نے جس صحبت میں انکی سلطنت کی خبر دی۔ وہ سادات کا خاص جلسہ تھا۔ عبد اللہ محض اُس عام جلسہ میں اِس امر کے مدعی تھے کہ ہمارا بیٹا محمد نفسِ زکیّہ اِس امّت کا مہدی ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مہدیٔ آلِ محمد علیہ السّلام کا زمانہ بہت دور ہے۔ تمہارا بیٹا وہ مہدی نہیں ہو سکتا" اس امرِ خلافت کے حصول میں تم لوگوں کی کوششیں بیکار ہیں۔ یہ امر عباسیوں کے لیے مقدّر ہو چکا ہے۔

آپ کی اس تقریر سے پورے طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ امامتِ حقّہ جس کا اختتام مہدی آلِ محمد علیہ السّلام پر بتلایا گیا ہے وہ نہ بنی حسنؑ کی امارت ہے اور نہ بنی عباس کی حکومت۔ وہ ایک جداگانہ شے ہے جس کو ان دونوں فریق سے کوئی علاقہ نہیں۔ تو ایسی حالت میں آپ کی مجرّد پیشین گوئی فرما دینے سے اِسکی تصدیق کیسے سمجھی جا سکتی ہے؟

حقیقتِ امر یہ ہے کہ یہ سلطنت وہ خلافت کبھی نہیں ثابت کیجا سکتی ہے جسکی خبر جنابِ احدیت نے اپنی کتابِ مقدّس میں بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ ابومسلم کے اُس خط کے جواب میں جو اُس نے بار دیگر جنابِ امام جعفر صادق علیہ السّلام کی خدمت میں قبولِ خلافت کے لیے لکھا تھا۔ آپ نے کھُلے کھُلے صاف صاف لفظوں میں لکھ دیا تھا کہ یہ زمانہ میرا زمانہ نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جس خلافت کے قبول کرنے کے لیے تو مجھ سے خواستگار ہو رہا ہے وہ میری خلافت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کسی اور کی۔ جیسا کہ امام یافعی کی اسناد سے اوپر لکھا جا چکا ہے۔

بہرحال منصور بھی اپنی سلطنت کو وہی امارتِ حقّہ تسلیم کیے جانے کی امام جعفرِ صادق علیہ السّلام کی خدمت سے امید رکھتا تھا۔ اور کوشش کرتا تھا کہ آپ بھی میرے احکامِ سلطنت کے مطیع و منقاد ہو کر میری بیعت اختیار فرمائیں۔ اور میرے آئینِ حکومت کو احکامِ شریعت قرار دیکر چون و چرا نہ کریں۔ یہاں نتیجہ بالعکس ہوا۔ اور امام جعفرِ صادق علیہ السّلام نے اس کی سلطنت کو اُنہی سلطنتوں میں شمار کیا جو اس سے پہلے گزر چکی تھیں۔ اور اُسکے تمام احکام کو بھی دنیاوی سیاست کے مطابق بتلایا۔ نہ آئینِ شریعت کے موافق۔ اور اسکے ساتھ ہی آپ نے اپنی علیحدگی اور تفرّق کے وہی طریقے اختیار کیے جو اس سے پہلے چھ سات سلطنتوں کے زمانہ میں آپ نے اختیار فرمائے تھے۔ اور اپنے تمام متعلقین اور مؤمنین خالصین کو بھی اسکی تقلید اور اقتدا سے خصوصاً امورِ شریعت میں جُدا رکھا۔ ان وجہوں سے منصور کو اپنے ان ارادوں میں پوری ناکامیابی ہوئی۔ اور وہ تمام سادات کو قتل کر کے آپ کی ہلاکت کے درپئے ہوا۔ اپنے زورِ سیاست اور قوّتِ حکومت کے ظاہر کرنے میں تو حتی المقدور کوئی ایسی بات اُٹھا نہیں رکھی جس سے جنابِ صادقِ آلِ محمد علیہ السّلام کی ہدایت تعلیم دینیات اور احیائے شریعت کی تمام راہیں بند ہو جائیں۔ مگر وہ مدّت العمر اپنی جی توڑ کوششوں میں کبھی کامیاب نہ ہوا۔ وہ زور پر زور لگاتا رہا اور کچھ نہ ہو سکا۔ آپ جس طرح سے رہرو انِ مسلکِ حقّہ کو تعلیم دینیات فرماتے تھے۔ فرماتے رہے۔ اُس میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔

بہرحال۔ اتنی تمہید کے بعد اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں منصور کی اُن ترکیبوں کو مندرج کرتے ہیں جو اُس نے صرف اس امر کی کوشش میں صرف کیں کہ جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السّلام اپنے منصبِ امامت کے فرائض پورے اطمینان سے انجام نہ دے سکیں۔

شیعوں کی گرفتاری

یہ تو معلوم ہے کہ اُسکی ہر چیز کی ابتدا اور اُسکی ہر تدبیر کا آغاز انتہا درجہ کے ظلم و شقاوت کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اس لیے ان تدبیروں کے متعلق بھی منصور نے وہی طریقے قائم رکھے اور جنابِ صادقِ آلِ محمد علیہ السّلام کے ساتھ اپنی خصومت اور عداوت کے اظہار ایسی سختی اور بیرحمی سے کیے کہ امام علیہ السّلام اور آپکے شیعوں کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے۔ وہ ہمہ دم انہی فکروں میں غرق رہتا تھا۔ اور چالوں پر چالیں نکالتا تھا جس سے آپ کے دامانِ عصمت پر کوئی دھبّہ لگے۔ اور جسکی وجہ سے اُسکو آپ کی ہلاکت کا عذرِ معقول ہاتھ لگے اسی طرح

شیعوں کے لیے بھی طرح طرح کے حیلے ڈھونڈھا کرتا تھا۔ اطراف و جوانب میں ایسے مخبر اور جاسوس چاروں طرف لگا رکھے تھے جو شہر شہر اور قریہ قریہ میں شیعوں کے تفحص احوال کرتے رہتے تھے۔ اور وہ انکے متعلق ذرا ذرا سی خبر اسکو پہنچایا کرتے تھے۔ جہاں کہیں انکا پتہ لگا گرفتار کیا گیا جس کسی کی محبت اہلبیت علیہم السلام کی بو پائی گئی یا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا نام سنا۔ گرفتار کرکے سخت سے سخت ایذاؤں کے ساتھ قتل کیا گیا۔ عوام شیعہ آپ کا اسم مبارک علانیہ نہیں لے سکتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کی حدیث کو کبھی ابوصالح ابو اسمٰعیل اور کبھی صرف الشیخ کہکر بیان کرتے تھے حمید ابن قحطبہ اور داؤد ابن علی وغیرہ عام طور سے شیعوں کی گرفتاری پر مامور تھے۔ اور انکے تحتی مخبر اور جاسوس بیرونجات اور مضافات میں ان غریبوں کا سراغ لگاتے پھرتے تھے۔

اس مقام پر ہم ذیل کے واقعہ کو اپنے مدعا کے ثبوت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے:۔

معلّٰے ابن خنیس کی گرفتاری

داؤد ابن علی ابن عبداللہ منصور کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔ اس نے اپنے عہد حکومت میں شیعیان علی علیہ السلام کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ منجملہ ان مقتولین کے معلّٰے ابن خنیس مولائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔ مدینہ منورہ میں معلّٰے بہت بڑے ذی وجاہت اور با اثر بزرگ تھے۔ داؤد کو ان کی خبر لگی تو انہیں گرفتار کرایا۔ جب یہ حاضر کیے گئے تو ان کو حکم دیا کہ تم مدینہ کے شیعہ باشندوں کے نام بتلا دو۔ اور انکی فہرست لکھوا دو۔ معلّٰے نے کہا اے امیر میں اپنی کاروبار میں لگا رہتا ہوں۔ میں کسی کو کیا جانوں داؤد نے کہا کہ اگر تم نہیں بتلاؤ گے تو تمہیں اسی وقت قتل کر ڈالونگا۔ معلّٰے ابن خنیس رضہ نہایت مستقیم العقیدہ اور دلیر بزرگ تھے۔ نہایت استقلال سے داؤد کو مخاطب کرکے کہنے لگے کہ تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم اگر ان شیعوں میں سے ایک بھی میرے پاؤں کے نیچے چھپا ہوا ہو تو تیرے حکم سے ڈر کر میں اپنا پاؤں نہ اٹھاؤں اور کبھی نہ دکھلاؤں۔

داؤد معلّٰے کا جواب سنکر غصہ سے آگ ہو گیا اور انکے قتل کا فوری حکم دیا۔ معلّٰے نے کہا۔ اے امیر! میں تو بہت جلد تیرے حکم سے مارا جاتا ہوں۔ مگر میری آخری وصیت تو سن لے۔ اور اسپر شاہد رہ۔ وہ یہ ہے کہ میں اپنی جائداد اور مقبوضات کی ہبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام نامی سے کرتا ہوں۔ معلّٰے نے داؤد کے علاوہ اور دیگر حاضرین کو بھی اس امر پہ شاہد کیا۔ اسکے بعد معلّٰے داؤد کے حکم سے قتل کیے گئے۔

ان کے بعد داؤد نے انکی تمام جائداد اور مال و متاع کو ضبط کر لیا۔ اور انکے ہبہ کی شرائط قائم نہیں رکھیں۔ داؤد کا جو نتیجہ ہوا وہ ہم آپ کے اعجاز امامت کی بحث میں انشاء اللہ تعالےٰ عنقریب لکھیں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایذا رسانیاں اور قتل و ہلاکت کی تدبیریں

اب ہم اپنے سلسلۂ بیان میں منصور کے ان جبروں اور مکاریوں کو مندرج کرتے ہیں جو اس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایذا رسانی اور قتل کر دینے کی تجویزوں میں ظاہر کیں۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ منصور [illegible] وجود ذی جود کو اپنی ان مقاصد کی کامیابیوں کے لیے ضرور [illegible] سمجھتا تھا جو اسکو اپنی خلافت حقہ تسلیم کرانے کے متعلق پیش نظر تھیں۔ اور اسے یقین کر لیا تھا کہ جب تک یہ نفس نفیس آپ کا قائم ہے ہمارے حقوق کبھی ارادت و عقیدت کے ساتھ تسلیم نہیں کیے جائینگے۔ اور امور شرعیہ میں اور احکام دینیہ میں ہماری اقتدا نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے وہ اکثر آپ کی نسبت کہا کرتا تھا هذا الشجی المعترض فی حلقی میرے لیے آپ کی مثال اس ہڈی کے ایسی ہے جو گلے میں اٹک جاتی ہے۔ کیونکہ آپکے مقابلہ میں منصور دینی پیشوا ہونے کی نہایت سخت تمنا رکھتا تھا۔ اور اسکی تقریر سے ان امور کی خواہش اور حسرت کے پورے ثبوت ملتے ہیں۔

منصور کی امام حدیث بننے کی تمنا

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں اسکی ان تمناؤں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

ایک مرتبہ منصور کے مخصوصین نے اُس سے پوچھا کہ دنیوی لذّتوں سے کوئی ایسی لذّت بھی اٹھا رہی ہے جو تمہیں نہ حاصل ہوئی ہو؟ منصور نے کہا۔ ہاں۔ ایک لذّت ابھی ایسی باقی ہے جس سے میں اب تک البتہ محروم ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں محفل درس میں بیٹھا ہوں اور طالبانِ حدیث میرے گرد جمع ہوں۔ اور پوچھنے والا مجھ سے پوچھتا ہو کہ من ذکرت رحمک اللہ۔ خدا تم پر رحم کرے۔ تم نے کس کا ذکر کیا۔

اُس کے ہواخواہوں نے اُسکی حسرت پوری ہوجانے کی غرض سے اپنے بچّوں کو اخذِ حدیث کے لیے اُسکے پاس بھیجدیا اور وہ سب کے سب دوسرے دن مستمعانِ حدیث کی صورت میں حلقہ باندھے۔ دوات و قلم ہاتھوں میں لیے اُسکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ منصور نہیں دیکھکر کہنے لگا۔ نہیں۔ تم لوگ وہ نہیں ہو بلکہ وہ اور لوگ ہیں۔ اُن کے کپڑے میلے کچیلے۔ پاؤں کثرتِ سفر سے پھٹے اور سر کے بال بڑے ہوتے ہیں۔ وہ تمام جہان میں گردش کرنیوالے اور حدیثوں کی طلب کرنیوالے ہوتے ہیں۔

اس واقعہ سے منصور کی دلی تمنّاؤں کا پورا اندازہ ہوتا ہے یہاں بھی منصور نے اپنی خودغرضی اور خودنمائی کی شان نہ چھوڑی۔ اور اس امر میں بھی اپنی کوتاہی اور کمی کے نقص کا اعتراف نہیں کیا بلکہ جو کمی یا کوتاہی بتلائی وہ انہی لوگوں کی مطلب یہ تھا کہ مجھ میں امامِ حدیث ہونے کے تمام اوصاف موجود ہیں مگر تم البتہ ان اوصاف سے خالی ہو۔ اور حقیقتِ امر یہ تھی کہ منصور خود ان محامد و اوصاف سے بالکل ہی کورا تھا۔ اور اس منصب کی انجام دہی کی ذرا بھی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ جس کو وہ خود سمجھتا تھا۔ مگر اس وقت اپنی خودداری اور نیک پوشی کی غرض سے اسکے اظہار کو کھا بدا۔ اور اُن کو اُلٹ کر اُن بچّوں کی جماعت پر ڈالدیا۔ جو اُسکی حسرت پوری ہونیکی خوشامد میں اُن کی والدین کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔

اسی سے قیاس کرلینا چاہیے کہ جب عموماً معمولی عالمانِ حدیث کے ساتھ جو کثرت سے اُس زمانہ میں پائے جاتے تھے۔ منصور کے رشک و حسد کی یہ کیفیت تھی تو جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کے ساتھ اسکے رشک و حسد اور خصومت و عداوت کے کیا حساب ہونگے۔ جو اسکے مقابلہ میں امامِ برحق اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وصی مطلق ہونیکا اعلان فرماتے تھے۔ انہی وجہوں سے تو وہ آپ کی ایذارسانی اور قتل و ہلاکت کو سب سے زیادہ ضروری اور واجب التعمیل سمجھتا تھا۔ اور ہمیشہ انہی فکروں میں مستغرق رہا کرتا تھا۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی ایذادہی کی تدبیروں میں منصور نے کچھ ایک ہی طرح کی تدبیر سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اپنے ان خونیں ارادے کی تعمیل میں نئی نئی طرح کی چالیں اختیار کیں۔

منصور کی پہلی ایذادہی

منصور کے ان ارادوں کی ابتدا محمد نفسِ زکیہ کے قتل کے وقت سے ہوتی ہے۔ کیونکہ پہلے پہلے منصور نے آپ کو مدینہ مقام ربذہ پر بلا بھیجا۔ اور یہ قصد کیا کہ سادات بنی حسن کی طرح آپ کو بھی نظربند کرکے عراق کی طرف لیجائے اور مادام الحیات مقیدکرلے۔ چنانچہ اُس نے ابراہیم ابن جبلہ کو جو اس وقت اُسکا بہت بڑا معتمد علیہ تھا بلا کر کہا کہ میرے مخصوصین میں وہ کون ایسا ہے جو میرے دل کو حضرت جعفر ابن محمد علیہما السّلام کے اندیشوں سے مطمئن کردے۔ وہ محمد نفس زکیہ کے معاملات سے گو بظاہر علیحدہ تھے مگر خفیہ اُنکے ساتھ ملے ہوئے تھے اور اُنکا یہ ارادہ تھا کہ اگر محمد نے فتح پائی تو پھر میرے لیے خلافت کا ملنا آسان ہوجائیگا۔ کیونکہ میرے شیعہ بہت ہیں۔ اور اگر محمد مارے گئے تو میں ہر طرح سے محفوظ رہونگا۔ یہ کہکر ابراہیم کا بیان ہے کہ اُسنے مجھ کو حکم دیا کہ مدینہ جاکر اُنھی کی چادر اُنکے گلے میں ڈالکر یہاں تک لے آؤ۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ میں منصور کے حکم سے مدینہ میں آیا تو امام جعفر صادق علیہ السّلام اُس وقت مسجد حضرت ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ میں مصروفِ عبادت تھے۔ مجھ سے نہ ہوسکا کہ میں اُس حالتِ خاص میں آپکی خدمت میں کسی قسم کی گستاخی یا تعرض کرسکوں۔ لاچار ٹھیرا رہا۔ جب امام جعفر صادق علیہ السّلام نماز سے فارغ ہوچکے تو میں نے آپ کی آستین پکڑ کر عرض کی کہ آپکو منصور نے بلایا ہے۔ یہ سنکر آپ نے بیساختہ فرمایا انّا للّٰہ و انّا الیہ

رجوع ہوں۔ پھر آپ نے ارشاد کیا کہ اچھا میں چلتا ہوں۔ مگر اتنی مہلت مجھے اور دے کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔ میں نے منظور کر لیا۔ آپ نے نماز پڑھی اور وہ دعا پڑھی جس کا آغاز اللھم تقتحی (مہج الدعوات میں یہ دعا تحریر ہے) ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جس طرح اُس نے تجھے حکم دیا ہے تو اُسی طرح مجھے لے چل۔ ابراہیم بولا مجھ سے آپکی خدمت میں ایسی گستاخی کبھی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ منصور اس نافرمانی کی سزا میں مجھے مار بھی ڈالے۔

القصہ ابراہیم آپ کا ہاتھ پکڑ کر منصور کے پاس لایا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ مجھ کو اُس وقت یقین کُلی تھا کہ آج اِن کو منصور ضرور مار ڈالیگا۔ جب ہم لوگ اُس کے دروازے پر پہنچے تو امام علیہ السلام نے دعائے بالا حجب رئیل کی تلاوت فرمائی اور منصور کے پاس پہنچے۔

وہ آپ کو دیکھتے ہی درست ہو بیٹھا اور گردن اُٹھا کر کہنے لگا کہ آج میں تمہیں ضرور قتل کر ڈالونگا آپ نے نہایت متانت اور آہستگی سے جواب دیا کہ اے امیر! میری عمر اب بہت باقی نہیں ہے۔ اور میرے تیرے درمیان تمام مراسم بہت جلد منقطع ہونیوالے ہیں۔ اب میری معدودے چند دنوں کی حیات تک تو تم مجھ سے بہ نرمی اور بہ آہستگی پیش آلو۔ آپ کی اس معجز نما تقریر نے اُس سنگدل اور شقاوت پیشہ کے قلب پر بھی ایسا قیامت کا اثر پیدا کیا کہ وہ دفعتاً خاموش ہو گیا اور اُسی وقت آپ کو مدینہ کی طرف واپس جانے کی اجازت دیدی۔ جب آپ باہر آئے تو عیسٰے ابن عبد اللہ کو بھیجکر پوچھوایا کہ آیا میری آپ کی مفارقت جو ہونیوالی ہے اُس میں پہلے کون قضا کریگا؟ آپ کہ میں؟ عیسٰے نے کہا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ اسکی ابتدا میری طرف سے ہوگی۔ اور تو میرے بعد بھی زندہ رہیگا عیسٰی نے جا کر اُس کو یہ مژدہ سُنایا تو وہ بہت مسرور ہوا اور فی الجملہ مطمئن ہو گیا۔

اس واقعہ سے ہمارے مدعا کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ اور منصور کے اُن ارادوں کی ابتدا معلوم ہو جاتی ہے جو وہ امام علیہ السلام کی ہلاکت کے متعلق رکھتا تھا۔ اسکے علاوہ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منصور دنیا میں زندہ رہنے پر کتنا حریص تھا جو مومنین اور صالحین کی سیرت سے عموماً مخالف ہے۔ وہ اپنے خیالوں میں ولا تمنوہ ابدا واللہ علیم بالظلمین کا پورا مصداق تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی عراق میں طلبی

سب سے پہلے اِس کارروائی کے بعد جو دوسری تدبیر آپکے متعلق اُسنے سوچی وہ یہ تھی کہ آپ کو عراق میں طلب کیا اور چاہا کہ اپنے پاس رکھکر آپ کے امور کی ہمیشہ نگرانی اور حراست کرتا رہے۔ آپ نے بلا عذر اُسکی استدعا کو مان لیا اور ترک وطن کی مصیبتیں گوارا فرماکر عراق میں اُسکے پاس تشریف لے گئے۔ یہ وہی سفر ہے جس میں آپنے اپنے جد بزرگوار جناب امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کی کربلائے معلّےٰ میں زیارت فرمائی۔ اور پھر وہاں سے نجف اشرف میں تشریف لائے۔ اور عراق کے مخصوصین شیعوں کو جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کی قبر مستور کا صحیح صحیح مقام اور نشان بتلایا ہے۔ جو اس سے قبل بخوف ظلمہ بنی امیہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اِس سفر کے حالات بہت طول و طویل ہیں۔ جو کتب مبسوطہ میں بہت تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ ہم اُن تمام حالات کی کوئی تفصیل نہیں کرینگے۔ مگر اُسکا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ سے بغداد۔ بغداد سے بصرہ اور بصرہ سے کوفہ تک کا سفر آپ کو کرنا ہوا۔ مگر منصور نے شبہوں نے کہیں ایک جگہ آپکو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ آپ کے ایک جگہ قیام فرمانے سے اُس کی یہ غرض تھی کہ وہاں کے لوگوں سے آپ کے تعارف اور اتحاد کے ذریعے وسیع نہ ہوسکیں جو اُسکے منشاء کے بالکل خلاف تھے۔ مگر نتیجہ اسکا بالکل خلاف نکلا۔ آپ جہاں تشریف لے گئے وہاں خاص طور پر آپکی خدمت میں اہلِ اسلام کا رجوع عام ہو گیا اور ہر شخص عام اس سے کہ کسی طریقہ کا پابند ہو آپکے اشتیاقِ زیارت میں بے چین ہو کر اپنے گھر سے نکلا اور خدمت ہمایوں میں حاضر ہو کر شرفِ زیارت سے بہرہ اندوز ہوا۔ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اصول کلام غرض تمام احکام شرعیہ کے متعلق آپکی زبان سے ارشادِ ہدایت بنیاد سنتا رہا۔

خاص دارالحکومتِ بغداد میں جہاں کثرت سے بنی عباس اور اُنکے ہوا خواہ آباد تھے آپ کی خدمت میں عام مرجوعات کی یہ کثرت ہوتی تھی کہ آپ کو اپنے امورِ ضروریات کی فرصت بھی نہیں

رہتی تھی جس وقت دیکھو کاشانۂ امامت در دولت سے لیکر اندر تک طالبانِ ارشاد سے بھرا رہتا تھا۔ اور عراق کی کثیر التعداد جمعیت آپکی اطاعت پر کمر بستہ پائی جاتی تھی جب منصور نے آپ کے رجوع عامہ کی یہ کثرت دیکھی تو اُسکو اپنے مقصود کے بالکل خلاف سمجھا۔ اُس نے ہر چند چاہا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا کام ہمیں تمام کر دیا جائے۔ اور اس غرض سے اُس نے صحبت خلوت اور جلوت میں بدفعات طلب کیا مگر خدا کا حکم نہیں تھا۔ منصور اپنے مکارانہ ارادوں پر قادر نہ ہوسکا۔

فریقین کے علمائے سیر و تاریخ نے بارہ[12] یا چودہ[14] مرتبہ آپ کی طلبی کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان میں سے کسی ایک بار بھی وہ اپنے مفسدانہ ارادوں کی تعمیل نہ کرسکا۔ یہ آپکے اعجاز و کرامت اور ارشاد و جلالت کی روشن دلیل ہے۔ ان میں سے چند واقعات کی کیفیت ہم بھی ذیل میں درج کرتے ہیں۔

امام علیہ السلام کی دربار میں طلبی

ملا عبدالرحمن جامی شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ منصور کے معروف و مشہور دربان ربیع کا بیان ہے کہ ایک دن منصور نے مجھے خلوت میں بلا کر حکم دیا کہ جب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام میرے پاس آئیں تو میں اُنھیں باتوں میں لگا دونگا۔ تم تلوار لیے آمادہ رہنا جس وقت میرا اشارہ ہو تم ہٹ پڑے تو اُسی وقت اپنی تلوار سے اُنہیں قتل کر ڈالو۔

ربیع بہت بڑا نیک نہاد اور خوش عقیدہ تھا۔ اُس نے امام علیہ السلام کی اجازت سے منصور کی موجودہ ملازمت اختیار کی تھی۔ ربیع کا بیان ہے کہ اس کے بعد منصور نے ایک چٹائی اور شمشیر منگائی۔ اُسکا دستور تھا کہ جب وہ کسی کے قتل کا قصد کرتا تھا تو یہ دونوں چیزیں پہلے سے منگا رکھتا تھا۔ اور مقتول کو اُسی چٹائی پر بٹھلا کر اپنے سامنے قتل کرا دیتا تھا۔ اس غرض سے کہ شاید غیبت میں جلاد اُسکو چھوڑ دے۔

بہرحال۔ جب منصور اپنے قتل کا سامان کر چکا تو ربیع سے کہا کہ جا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلا لاؤ۔ ربیع تعمیل حکم کے لیے چلا تو۔ مگر اُسکا بیان ہے کہ میں نے اُسی وقت اپنے دل میں یہ ارادہ بھی مصمم کر لیا کہ اگر یہ ظالم مجھے قتلِ امام علیہ السلام کا حکم دیگا تو میں اُن کے عوض منصور ہی کا سر اُڑا دونگا۔ بعد اسکے میرے لیے جو ہوتا رہیگا اُسکا مجھے غم نہیں ہے۔

الغرض ربیع گئے اور امام علیہ السلام کو بلا لائے۔ مگر منصور کی جونہی نظر آپ کے جمالِ مبارک پر پڑی فوراً تخت سے اُٹھا اور نہایت تعظیم و تکریم سے آپکا استقبال ادا کیا۔ اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ اور کہنے لگا۔ اَھْلًا وَسَھْلًا یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ میں نے آپ کو صرف اس غرض سے زحمت دی ہے کہ جس قدر قرض آپکے ذمہ ہو اُسے ارشاد کریں تاکہ میں اُسے ادا کر دوں۔ کیونکہ اعانتِ اہلبیت علیہم السلام واجب ہے۔ آپ نے سکوت اختیار کیا اور کچھ نہ کہا۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے آپکی خدمت میں اپنی طرف سے دیر تک برابر عذر خواہی کرتا رہا۔ پھر ربیع کو بلا کر کہا کہ تین دن تک آپکو مہمان رکھکر با آرام تمام مدینہ منورہ کی طرف رخصت کر دو۔

جب امام علیہ السلام اپنی قیامگاہ کو واپس گئے تو ربیع کا بیان ہے کہ میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ منصور نے آپ کو تو قتل کرنے کی غرض سے بلایا تھا۔ آپ نے کونسی دعا پڑھی جس نے اُسکے تمام ارادوں کو دل سے سبامنثیا کر دیا؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے وہ دعا ربیع کے سامنے پڑھکر اور یاد بھی کرا دی۔

یہاں سے ہوکر ربیع منصور کے پاس آیا اور اُس سے بھی یہی بات پوچھی تو اُسنے جواب دیا کہ اے ربیع حقیقت امر تو یہ ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی قدر و منزلت خدا کے نزدیک ایسی ہی ہے۔ وہ اہلبیتِ نبوت علیہم السلام میں سب سے زیادہ بلاشک و شبہہ سزاوارِ امامت و خلافت ہیں جس وقت وہ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اژدہا اُنکے ساتھ چلا آتا ہے۔ اور وہ اژدہا مجھ سے کہتا ہے کہ اگر تو نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو ذرا بھی ایذا دی تو میں تیرا گوشت و پوست ہڈیوں سے اُتار لونگا۔ یہ دیکھکر خوف کے سبب سے میرے تمام بدن میں لرزہ پڑ گیا۔

دوسری بار طلبی

محمد ابن عبداللہ اسکندری جو منصور کے مخصوص ندیموں سے تھا بیان کرتا ہے کہ میں ایک دن منصور کے پاس گیا تو اسکو نہایت ملول پایا۔ وجہ ملال پوچھی تو اُس نے کہا کہ میں نے اولادِ حضرت علی اور جناب فاطمہ علیہا السلام سے کثیر التعداد جماعت کو قتل کیا۔ مگر اُن کے رأس الرئیس اور پیشوا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ابھی تک زندہ باقی ہیں میں نے کہا وہ تو ایسے زاہد عابد اور زاہد ہیں جنکی کثرتِ عبادت نے اُنکے بدن کو بالکل لاغر بنا دیا ہے میرے یقین میں تو اُنہیں دنیا طلبی کی طرف کوئی التفات نہیں۔ اُن سے تو امیر کو اسی قسم کا اندیشہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سُنکر منصور نے جواب دیا کہ یہ تو مجھی پہلے ہی سے معلوم ہے کہ تو اُن کی محبت کا دم بھرتا ہے اور امامت کا قائل ہے میں بھی خود اُنکی شرافت و فضیلت کا قائل ہوں۔ مگر کیا کروں امورِ ملکی اور ضروریاتِ سلطنت نقیض و عقیم کا حکم رکھتے ہیں۔ میں نے قسم کھالی ہے کہ آج غروبِ آفتاب تک اُن کے قتل سے اپنی دلجمعی کرلونگا۔ پھر جلاد کو بلایا اور کہا کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلاتا ہوں اُنہیں باتوں میں مصروف کرلونگا۔ مگر تو ہمہ تن میری طرف متوجہ رہنا جس وقت میں اپنا ہاتھ سر کی طرف لیجاؤں تو اُسی وقت اُنکو قتل کر ڈالنا۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بلائے گئے۔ آپ کے لب ہائے مبارک جنبش میں تھے۔ محمد ابن عبداللہ اسکندری کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ منصور کے محل میں زلزلہ کے آثار پیدا اور آشکار ہیں اور در و دیوار سے حرکت کے آثار ایسے محسوس ہوتے ہیں جیسے کسی طوفان خیز سمندر میں تموج پیدا ہوجانے سے عموماً کشتی تلاطم اور سخت حرکت میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ منصور کا یہ حال ہوا کہ آپ کو دور سے آتا ہوا دیکھکر سر و پا برہنہ آپکے استقبال کو دوڑا اور اُسکا بند بند خوف کے مارے کانپ رہا تھا۔ فوراً آپ کی دستِ مبارک تھام لیے اور تخت پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور پوچھا کہ اس وقت آپ کے تشریف لانے کا کیا باعث ہوا؟ آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا سبحان اللہ۔ میں تیری ہی بُلانے سے آیا ہوں اور تجھی کو اسکی خبر نہیں۔ منصور نے شرما کر کہا اچھا جواب آپ کی غرض ہو بیان کیجیے۔ میں اُسے رفع کر دوں۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ میری اتنی ہی غرض ہے کہ تو مجھے بار بار نہ بُلایا کر۔ میرا جب جی چاہیگا تجھ سے آکر مل لیا کرونگا۔ اُس نے جلدی سے کہا بہتر اور فوراً ہی آپ کو رخصت کر دیا۔ شاید یہ واقعہ اُس زمانہ کا ہو جب آپ منصور کے پاس عراق میں تشریف رکھتے تھے۔ جب آپ وہاں سے واپس آئے تو منصور اس قدر پریشان ہوا کہ فوراً لباس شبخوابی پہنکر اپنے فرشِ استراحت پر جا پڑا اور آدھی رات تک پڑا سوتا رہا۔ ظہر، عصر، مغرب، عشا چاروں نمازیں متواتر قضا ہوئیں۔ محمد کا بیان ہے کہ آدھی رات گئے جاگا تو چاروں وقتوں کی نماز ادا کرکے مجھ کو بُلا بھیجا اور بیان کیا کہ جس وقت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام یہاں تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ اُن کے ساتھ ساتھ اژدہا ہے اور وہ بزبانِ فصیح مجھ سے کہتا ہے کہ مجھ کو خدائے سبحانہ وتعالیٰ نے یہاں اس غرض سے بھیجا ہے کہ اگر تو صادقِ آلِ محمدؐ کو ذرا بھی گزند پہنچائیگا تو میں تجھے قصر سمیت کھا جاؤنگا۔ یہ دیکھکر میرا قلب ہل گیا ہوش و حواس جاتے رہے۔ خوف کے مارے کانپنے لگا۔

محمد اسکندری کا بیان ہے کہ میں نے یہ روداد سُنکر کہا کہ یہ سحر ہے۔ منصور نے ڈانٹ کر کہا کہ اُن سے ایسے امور ہرگز جادو سحر نہیں ہوسکتے کیونکہ اُنکے پاس اسم اعظم ہے جو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا۔ جس کی وجہ سے جو چاہتے تھے ہو جاتا تھا۔ یہ اور جادو کے محتاج نہیں رہتے۔

اس قصہ کو ملا محمد باقر مجلسی نے شواہد النبوۃ میں اور ... نے حلیۃ الاولیاء میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔

تیسری بار طلبی

ایکدن منصور نے ربیع حاجب کو بُلایا اور حکم دیا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کو حاضر کرو۔ ربیع حسب الحکم آپ کو بُلا لایا۔ جب آپ منصور کے سامنے آئے تو منصور نے نہایت خشمناک ہوکر کہا کہ اے جعفر! تم ہی میری سلطنت میں عیب نکالتے ہو۔ اور مجھکو قتل کرانا چاہتے ہو؟ آپ نے نہایت نرمی سے جواب دیا کہ میں نے تو

کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی شاید کسی جھوٹے اور افترا پرداز نے مجھ سے یہ باتیں کہی ہیں۔ اور اگر بالفرض میں نے تیرے حق میں ایسے کلمات کہے تھے تو کیا حضرت یوسف علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام پر اُنکے بھائیوں نے ظلم کیا۔ اُنھوں نے عفو فرمایا حضرت ایوب علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام مبتلائے مصیبت ہوئے صبر فرمایا حضرت سلیمان علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کو سلطنت ملی خدا کا شکر بجالائے۔ یہ سب پیغمبر تھے اور تیرا سلسلہ بھی انساب انبیاء علیہم السلام تک پہنچتا ہے۔ تجھے بھی اُنکی پیروی کرنی چاہیے۔

منصور کے دل پر آپ کی اس تقریر نے ایسی تاثیر کی کہ اُس نے آپ سے مخاطب ہوکر آپ کو اپنی مسند پر پہلو میں بٹھلا لیا۔ اور کہا کہ مجھ کو فلاں ابن فلاں نے ایسا ایسا کہا تھا۔ جناب صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ اے امیر! اُسکو بلوالو۔ کہ میرے مُنہ پر کہے۔ منصور نے اُس شخص کو بُلایا جب وہ آیا تو کہا کہ تجھ سے جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہا تھا اُسے ان کے مقابلہ میں بیان کر۔ اُسنے کہا کہ آپ نے ایسا ایسا کہا تھا۔ منصور نے کہا تو اس پر قسم کھا سکتا ہے؟ اُسنے کہا۔ ہاں۔ یہ کہکر اُس نے یوں قسم کھائی باللّٰہ الّذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشّھادۃ۔ وہ اتنا کہنے پایا تھا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میں جس طرح کہوں یہ اُس طرح قسم کھائے۔ منصور نے کہا کہ تو اس شرط کے ساتھ بھی قسم کھا سکتا ہے۔ اُس بیباک نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا اے شخص! تو اب یوں قسم کھا برئت من حول اللّٰہ وقوتہ والتجات الی حولی وقوتی لقد فعل جعفر کذا وکذا۔ یعنی میں حول وقوت خدا سے بری ہوکر اپنی قوت وطاقت کی طرف رجوع ہوکر کہتا ہوں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسا ایسا فرمایا تھا۔

وہ شخص اس پر ذرا جھجکا مگر منصور کی چشم نمائی پر راضی ہوگیا۔ اور بعبارت مذکورہ قسم کھائی۔ قسم کھانا تھا کہ زمین پر گرکر ٹھنڈا ہوگیا منصور نے حکم دیا کہ پاؤں پکڑ کر گھسیٹیں اور باہر لیجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ربیع کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جب وہاں سے واپس آئے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اُسے بطور خود کیوں قسم کھانے نہیں دی۔ فرمایا میں نے یہ پسند نہ کیا کہ وہ خدائے سبحانہ وتعالے کو اُسکی تمجید اور وحدانیت سے یاد کرتا تاکہ حق تعالے اُسپر عذاب عاجل نازل کرنے سے حیا فرماتا۔ اس لیے اس صورت سے قسم دی۔ اور وہ فی الفور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگیا۔

ربیع نے پھر عرض کی کہ جب آپ منصور کے پاس داخل ہوئے تو لبہائے مبارک آپ کے جنبش میں تھے۔ اور جیوں جیوں لب ہلتے تھے منصور کی آتش غضب ٹھنڈی ہوتی جاتی تھی اس کا کیا سبب؟ حضرت اُس کیا پڑھ رہے تھے؟ فرمایا میں اُس وقت اپنے جد بزرگوار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی یہ دعا پڑھتا تھا۔ وہ یہ ہے:- یا عُدّتی عند شدّتی ویا غوثی عند کربتی احرسنی بعینک التی لا تنام واکفنی بارکانک الذی لا یرام۔

اس واقعہ کو صاحب روضۃ الصفا نے بھی مع اس دعا کے تحریر فرمایا ہے۔ اور شواہد النبوۃ میں ملا جامی نے۔ امام شبلنجی مصری نے نور الابصار میں اور علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

چوتھی بار طلبی

خود جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک بار منصور نے مجھے طلب کیا۔ حاضر ہوا تو نہایت ترشرو ہوکر مجھ سے کہا کہ اے ابوعبداللہ علیہ السلام! تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے محمد ابن عبداللہ نفس زکیہ کا کیا حال کیا۔ اور اُنکو کس طرح قتل کیا۔ اب میں اس کا منتظر بیٹھا ہوں کہ تم میں سے (بنی فاطمہ علیہم السلام) اگر کوئی کسی قسم کی ذرا بھی حرکت کرے تو میں اُسے فوراً قتل کر ڈالوں۔ اُس کے یہ کلام خصومت انضمام سُنکر میں نے جواب دیا کہ اے امیر! مجھ کو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے سلسلہ سے پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بسا اوقات آدمی کی عمر سے صرف تین سال باقی رہتے ہیں اور وہ صلۂ رحم ادا کرتا ہے تو تیس سال کا اضافہ ہوکر تینتیس سال ہو جاتے ہیں اور اکثر انسان

سے ہوتا ہے کہ تینتیس ۳۳ سال عمر میں باقی رہتے ہیں اور وہ قطع رحم کا مرتکب ہوتا ہے تو تیس ۳۰ برس کم ہو کر صرف تین ہی سال رہ جاتے ہیں۔ منصور جو اپنے ہمیشہ زندہ رہنے کا از حد متمنی تھا یہ سنتے ہی حواس باختہ ہو گیا۔ اور قسمیں دے دیکر آپ سے بار بار پوچھنے لگا کہ سچ فرمایئے ایسی کوئی حدیث آپ کو اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ سے پہنچی ہے میں نے کہا واقعی یہ حدیث آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مجھ کو ملی ہے۔ پس تین مرتبہ اس نے اس امر پر مجھ سے اقرار لیا اور مجھے فوراً وہاں سے رخصت کر دیا۔ نور الابصار شبلنجی مصری۔

صاحب کاشف الحقائق کا بیان ہے کہ یہ حدیث بحار الانوار میں بھی لفظاً اسی طرح وارد ہوئی ہے جیسے اوپر نقل کی گئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ منصور اس حدیث کو بڑے شوق سے سنتا تھا۔ اور بار بار سنتا تھا اور ہر چند جس قدر قطع رحم کا وہ مرتکب ہوا ہے لہٰذا دنیا میں کوئی ایسا قاطع رحم ہوا ہوگا۔ تاہم اسکو اپنی عمر بڑھانے کے نسخے اور اسکی ترکیبیں معلوم کرنے میں بہت مزہ آتا تھا کیونکہ وہ زندگانی دنیا پر بہت حریص تھا۔

منصور زندگانی دنیا پر نہایت حریص تھا

بلکہ مرتبہ یہی حدیث اس نے اپنے بیٹے مہدی کو بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنوادی تھی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت اسکے پاس تشریف رکھتے تھے۔ اس نے التماس کی کہ اے ابو عبد اللہ علیہ السلام وہ حدیث صلۂ رحم جو آپ بیان فرماتے تھے پھر اسکو ارشاد فرمایئں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نیکی و صلۂ رحم باعث آبادی عالم و موجب درازی عمر ہے۔

منصور نے کہا نہیں یہ نہیں۔ آپ نے فرمایا جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسکو موت بھول جائیگی اور وہ ہمیشہ صحت و عافیت سے دنیا میں رہیگا جو اپنے اعزا و اقارب سے صلۂ رحم ادا کیا کریگا۔

منصور نے کہا یہ بھی نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے رحم و قرابت کو دیکھا کہ عرش الٰہی میں لٹکے ہوئے قاطع رحم کی شکایت کر رہا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ انکے درمیان کتنا فصل تھا۔ کہا سات پشتوں کا

منصور نے کہا نہیں یہ بھی نہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرد ابرار نیکوکار پر حالت احتضار طاری تھی اسکے ہمسایہ میں ایک شخص قاطع رحم رہتا تھا۔ حق تعالیٰ نے دریافت کیا کہ اے ملک الموت اس (قاطع رحم) کی کس قدر عمر باقی ہے عرض کی تیس ۳۰ سال۔ ارشاد ہوا کہ وہ تیس ۳۰ سال اس نیک مرد واصل رحم کو دیدو اور قاطع رحم کی روح قبض کر لو۔

یہ سنکر منصور نہایت مسرور الحال ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں یہ وہی حدیث ہے جسے میں آپ سے سننا چاہتا تھا۔ پھر غالیہ دان منگا کر آپکے موئے سر و ریش کو اپنے ہاتھ سے خوشبو کیا۔

پانچویں ماطلبی

سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں کہ اکثر دشمنان دین نے حضرت کی طرف سے چند خطوط اہل خراسان کے نام منصور کی مذمت اور اپنی اطاعت کی نسبت لکھکر ظاہر کیا تھا کہ یہ خطوط چند قاصدوں سے خراسان کے راستہ میں پکڑے ہیں اور ان خطوں کو منصور کو دیکر اسکو قتل امام پر اغوا کیا۔

منصور کو اس وقت یہ سنکر ایسا غصہ آیا کہ اسنے اسی وقت اپنے حاجب ربیع کو بلایا اور کہا۔ آج میرا مصمم ارادہ ہو گیا ہے کہ میں حضرت جعفر ابن محمد علیہما السلام کو ضرور قتل کر ڈالوں۔ تو اسی وقت جا اور وہ جس حال میں ہوں لے آ۔ خبردار انہیں اتنی بھی مہلت نہ دینا کہ وہ تبدیل لباس یا تغیر وضع کریں۔

اس روز منصور نے اپنی مسنون و معروف قصر احمر میں جلوس کیا تھا۔ اور اسکے معمول سے تھا کہ جب کسی کو قتل کرنا منظور ہوتا تھا تو وہ اسی حصہ عمارت میں بیٹھتا تھا۔ اور اس روز کا نام روز ذبح ہوتا تھا۔

ربیع کا بیان ہے کہ اسکے یہ کلام سنکر مجھے صدمہ عظیم ہوا۔ اور یقین کامل ہو گیا کہ امام علیہ السلام آج ضرور قتل کیے جائینگے۔

میں نہایت متردد ہوا کہ اگر حسب الحکم امام علیہ السلام کو اُس کی
خدمت میں حاضر کرتا ہوں تو میں بھی ایک گونہ آپ کے قتل میں
شریک ہوجاتا ہوں اور میری آخرت برباد جاتی ہے۔ اور جو حکم نہیں
مانتا تو یہ خونخوار مجھے میرے بال بچوں سمیت مار ڈالیگا۔ اور میرا
مال ومتاع سب لوٹ لیگا۔ پس اُس وقت میرا دل دین و
دنیا کے اختیار کرنے میں متردد ہوا۔ آخر میں نے دنیا کو آخرت پر
اختیار کیا۔ اور اپنے بیٹے محمد کو بُلا کر وصیت کی کہ تو میرے تمام
مال ومتاع کا مالک ہے اور تو میرے تمام بیٹوں میں قوی اور
جری ہے۔ جلد جا اور دیوار خانہ سے بام پر چڑھ کر داخلِ خانۂ حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام ہو۔ اور جس حالت وحیثیت میں اُنکو
پاؤ یہاں لے آؤ۔

محمد سیڑھی لگا کر بام خانہ سے چڑھا۔ اُترا تو دیکھا جناب امام
جعفر صادق علیہ السلام لباس کہنہ پہنے۔ رومالِ پارینہ کمر مطہر
سے لپیٹے۔ مشغول عبادت ہیں۔ خوفِ الٰہی سے عجیب حالت آپکی
ہورہی ہے۔ محمد کو اتنی جرأت تو نہ ہوئی کہ حالتِ نماز میں خلل انداز
ہو۔ جب آپنے سلام پھیرا تو محمد نے عرض کی کہ جلد چلیے خلیفہ وقت
نے آپ کو بُلایا ہے۔ وہ قصرِ احمر میں بیٹھا ہوا آپ کا انتظار کر رہا
ہے۔ یہ سُنکر حسبِ عادت آپ نے استرجاع کی۔ یعنی آیۂ شریفہ
انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور فرمایا کہ اتنی مہلت دے
کہ میں غسل کرکے تبدیلِ لباس کرلوں۔ محمد نے کہا خلیفہ کا حکم نہیں۔
اور پھر اُس برگزیدۂ انام کو مصلے سے اُٹھایا۔ اور سر و پا برہنہ
لے چلا۔ حضرت علیہ السلام چاروں طرف حسرت سے دیکھتے تھے اور
خاموش رہجاتے تھے ضعف ونقاہت سے یہ عالم ہوا تھا کہ آپکو
راہ چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ کیونکہ سنِ مبارک اُس وقت ستر برس
کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اور منصور کا مکان فاصلہ پر تھا جب شدت
نقاہت سے قدم رہجاتے تھے تو محمد ابن ربیع آپ کو اپنے خچر پر سوار
کرلیتا تھا۔ تاکہ جلد منصور کے حضور میں آپ کو پہنچادے۔

القصہ آپ منصور کے سامنے اُس وقت پہنچے کہ منصور ربیع سے
کہہ رہا تھا کہ رات آخر ہوئی جاتی ہے اور مطلب میرا ہنوز حاصل نہیں
ہوا۔ یعنی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اب تک نہیں آئے۔
یہ سنکر ربیع دروازے پر آیا تو آپ کو اس شکل سے دیکھکر سخت بیتاب
ہوا۔ اپنا سر جھکا لیا۔ اور آپکے حالِ زار پر بہت رویا کیونکہ وہ
حقیقت میں آپکے ہی خواہوں میں سے تھا جناب امام جعفر صادق
علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ربیع تو مجھے پہچانتا ہے تو اس قدر
مہلت دے کہ میں دو رکعت نماز ادا کرلوں۔ ربیع نے کہا کیا
مضائقہ۔ پڑھ لیجیے۔ گو منصور چیختا اور چلاتا رہا مگر حضرت نے
دو رکعت نماز پڑھ لی تب منصور کے سامنے تشریف لے گئے۔
منصور آپ کو دیکھتے ہی آگ بگولا ہوگیا۔ اور وہ خطوط مصنوعی آپکے
سامنے ڈالدیے۔ اور کہنے لگا کہ اے آلِ ابیطالب علیہ السلام تم برابر
بنی عباس کی خرابی کے خواہاں ہو۔ آپ نے فرمایا۔ جو کچھ تم کہتے ہو وہ
ہرگز درست نہیں ہے۔ میں نے کبھی کسی سے ایسی تحریک نہیں کی
اور نہ کسی کو ایسے خط لکھے۔ ہم کو جاہ ومال کی خواہش نہیں۔ صرف
توکل بخدا ہمارا شعار ہے۔ اور اسی پر دار ومدار ہے جب کہ جوانی
میں میں نے ظالمین بنی امیہ کا دفعیہ نہیں چاہا تو اس ضعف و پیری
میں بنی عباس کے کاروبار میں کیونکر خلل انداز ہوسکتا ہوں بنی امیہ
کے متواتر اور مسلسل ظلموں سے اب تک ہماری آنکھیں خشک نہیں
ہوئی ہیں۔ یہ فرماتے تھے اور رقت آپ پر طاری تھی۔ مگر منصور کے
دل پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا تھا۔ اور ویسا ہی شدتِ غیظ وغضب
میں اپنے ہونٹھ چبا رہا تھا۔ اور بار بار اپنی تلوار میان سے کھینچ لیتا تھا۔
ربیع کا بیان ہے کہ میرا یہ حال تھا کہ میں امام علیہ السلام کی حالتِ زار
دیکھکر سخت پریشان اور مضطرب الاحوال ہو رہا تھا۔ اور قریب تھا
کہ اُسی کی تلوار لیکر اُسکے ٹکڑے کرڈالوں۔ بارے یکایک اس سنگدل
کی حالت میں انقلابِ عظیم واقع ہوا یا تو پہلے اس شدت سے
قتل امام علیہ السلام پر تُلا ہوا تھا یا بہت نرمی اور آہستگی سے بولا
درست ہے۔ خطا میری ہی جانب سے ہے۔ یہ کہکر اپنے پاس مسند
پر آپ کو بٹھالیا۔ اور غالیہ دان منگاکر آپکی ریشِ مقدس کو اُس سے
خوشبو کیا۔ اور مجھ سے (ربیع سے) کہا کہ میرے خاصہ کا گھوڑا آپکی
سواری کے لیے تیار کرو۔ اور دس ہزار درہم آپکی خدمت میں ہدیہ
کے طور پر پیشکش گزرانے۔ اور مجھ سے کہا کہ نہایت عزت واحترام کے
آپ کو آپ کے مقام تک پہنچادو۔

ہم خوشی خوشی وہاں سے نکلے۔ راستہ میں میں نے جناب امام جعفر صادق
علیہ السلام سے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

یا کی دعا کا اثر ہے۔ ایک دعا تو حضور نے نماز کے بعد پڑھی۔ پھر جب آپ صحن خانہ میں پہنچے تو اُس وقت بھی لبہائے مبارک حضرت کے جنبش میں تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں۔ پہلی دعا جو میں نے پڑھی وہ دعائے رب و ملا تھی جس کو عموماً میں تعقیبات نماز کے ساتھ روزانہ پڑھا کرتا ہوں۔ اور دوسری دعا جو میں نے پڑھی وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ دعائے ماثورہ ہے جسے آپ نے جنگِ خندق میں اُس وقت پڑھا تھا جب مشرکین نے حلقۂ انگشتری کی طرح تمام مدینۂ منورہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔

اتنا فرما کر آپ نے ربیع سے کہا کہ میں نے اپنا وہ قطعۂ زمین جسے تو مجھ کر خریدنا چاہتا تھا اور میں تجھ کو نہ دیتا تھا۔ وہی زمین میں نے بلا کسی معاوضہ کے تیرے نام ہبہ کر دی۔ ربیع نے عرض کی کہ مجھے مال و جائداد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی بندہ نوازی کافی ہے کہ وہ دونوں دعائیں مجھے تعلیم فرما دی جائیں۔ ارشاد فرمایا کہ ہم اہلبیت علیہم السلام جو چیز کسی کو دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیتے۔

اسکے بعد جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام مکان تشریف لے گئے۔ اور مدینہ منورہ پہنچکر آپ نے دونوں دعائیں بھی لکھکر بھیجدیں اور زمین مذکورہ کا ہبہ نامہ دستخطی و مہری اپنا اُسی کے ساتھ عنایت فرمایا۔

ربیع کا بیان ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت سے واپس ہو کر منصور کے پاس آیا اور اُس سے اُسکی اتنی گرمی اور پھر اتنی نرمی کا سبب دریافت کیا تو اُس نے مجھ سے کہا کہ یہ واقعہ عجیب و غریب ہے۔ اگر شیعیان جنابِ علی مرتضے علیہ السلام کو معلوم ہو جائیگا تو انہیں ایک دلیلِ محکم ہاتھ آجائیگی۔ مگر چونکہ مجھے تجھ سے ایک محبت خاص ہے اِس لیے کہتا ہوں کہ جب میں نے جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل کے لیے تلوار نیام سے نکالی تو جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو نظر آئے کہ مارے غیظ و غضب کے تیغ ہاتھ میں لیے فرماتے ہیں کہ اگر تو جعفر علیہ السلام کو ستائیگا تو میں بھی تجھے اسی تیغ سے ابھی ابھی قتل کر ڈالونگا۔

پس خوفِ عظیم مجھ پر طاری ہوا۔ اور پھر سوائے امام علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کے اور کچھ بن نہ پڑا۔ اے ربیع بنی فاطمہ علیہا السلام کی قدر و منزلت خدا کے نزدیک عظیم ہے کسی مسلمان پابندِ شرع کو جائز نہیں ہے کہ اُنکے حقوق سے غافل رہے۔ تجھ کو بکرر تاکید کرتا ہوں کہ یہ رازِ سربستہ میرا افشا نہ ہونے پائے۔ ورنہ تجھے قتل کر دونگا۔

محمد ابن ربیع سے مروی ہے کہ میرے باپ نے منصور کی زندگی میں یہ روایت کبھی کسی سے بیان نہیں کی۔ اُس کے مرنے کے بعد مجھ سے کہدی۔

ہم نے متعدد واقعات جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل و ہلاکت کے متعلق۔ جو خاص منصور کی تجویزیں تھیں۔ اپنے سلسلۂ بیان میں قلمبند کر دیے جس سے کامل طور پر ثابت ہوتا ہے کہ منصور نے ایک بار نہیں کئی بار۔ ایک طرح نہیں کئی طرح سے امام علیہ السلام کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ بلکہ اپنے حسابوں وہ آپ کو قتل ہی کر چکا تھا۔ مگر خدا کی قدرت تھی کہ آپ کی جان بچ گئی۔ ورنہ آپکو تو ہر بار اپنی طلبی پر اپنی جان سے پوری مایوسی ہو جاتی تھی۔

اہلِ خراسان کے خطوط منصور کی کھلی حرفت تھی

اہلِ خراسان کے خطوط کا جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کے نام آنا جیسا کہ اوپر کے ایک واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے منصور کی ایک مخالفانہ تدبیر تھی جو اُس نے آپ کے اوپر بغاوت اور سرکشی کے صرف الزام لگانے کی غرض سے تجویز کی تھی۔ کیونکہ اُس نے سمجھ لیا تھا کہ سادات بنی حسنؑ سے زیادہ آپ کی ذاتِ مجمع الصفات پر ان امور کا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور بنی حسنؑ سے زیادہ آپکے اعوان و انصار تمام بلادِ اسلامیہ کے دیار و امصار میں بتلائے جا سکتے ہیں۔ اس لیے اُسنے چند خراسانیوں کو اپنی سازش میں لا کر ان مصنوعی خطوط کو آپکے نام لکھوایا اور آپکے نام بھجوایا۔ اور پھر خود انتظام کر کے راستہ میں اُن خطوط کو انہی قاصدوں سے چھنوایا۔ منصور کی یہ مخالفانہ تدبیروں کی ایک دوسری ترکیب تھی۔ چنانچہ ہمارے فاضل معاصر مؤلف کاشف الحقائق منصور کی ان ترکیبوں کی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے آخری ایام اُسی کے زمانہ میں بہت تردد اور تلخی میں بسر ہوئے۔ کیونکہ آپکی طرف سے کمال درجہ حسد و عداوت رکھتا تھا اور مخل اپنی خلافت کا ظاہر کر کے درپئے ایذا و آزار تھا۔ اور ہمیشہ اس گھات میں لگا تھا کہ کوئی حیلہ اُن جناب کے قتل کا ہاتھ آئے۔ مخبر اور جاسوس اِدھر اُدھر چھوڑ رکھے تھے کہ دم دم کی خبریں اُسے

پہنچایا کریں۔ مصنوعی خطوط آپکی جانب سے شیعوں کے نام لکھے جاتے تھے اور وہیں پکڑے جاتے تھے۔ اور اسکی پاداش میں سخت تکالیف پہنچائی جاتی تھیں۔ (کاشف ص ۲۰۸)

منصور کی تمام تدبیریں اُسکے مقاصد کے خلاف نکلیں

یہ تو اوپر کے واقعات سے معلوم ہو چکا کہ منصور نے آپ کے قتل کو اپنے امکان سے باہر سمجھ کر آخر آپ کو مدینہ تشریف لیجانے کی اجازت دیدی اور آپ مدینہ میں واپس آئے۔ مگر مدینہ میں مراجعت فرمائی جانے کے بعد بھی منصور کی خونخوار طبیعت آپکی طرف سے مطمئن نہیں ہوئی۔ مدینہ منورہ کو مراجعت فرمانے کی اجازت بھی کس مجبوری کی وجہ سے دی گئی تھی۔ اُسے بھی سمجھ لینا چاہیے۔ وہ مجبوری اور معذوری یہ تھی کہ منصور آپکی طرف مرجوعۂ عامہ دیکھکر سوچنے لگا کہ آپکا زیادہ عراق میں قیام رکھنا میرے مقاصد کے لیے مفید کیا ہوگا بلکہ اور مضر اور سخت نقصان کا باعث ہوگا۔ اور حقیقت امر بھی ایسی ہی تھی۔ عراق میں آپکے ارشاد و ہدایت کے وہ سکے جمے اور وہ قبولیت حاصل ہوئی۔ اور آپکی طرف تمام اہل اسلام کا ایسا رجوع عام ہوا کہ منصور کی گرم درباری بالکل ٹھنڈی پڑ گئی۔ منصور نے اگرچہ اسکی بہت روک تھام کی اور آپ کو بغداد سے بصرہ کیطرف بلا بھیجا مگر جب بصرہ میں بھی عام مرجوعہ کی یہی کیفیت ہوئی تو کوفہ کے عامل کے حوالے کیا۔ مگر وہاں بھی اس شمع امامت کے گرد اگرد تمام اہل اسلام پروانہ وار جمع ہوتے دیکھے تو آخر کار پھر بغداد واپس بلایا۔ اور جو سوچا تھا اُس کے خلاف ظاہر ہوا۔ منصور اس وجہ سے اور آپ کے زیادہ آزار پہنچانے میں عجلت نہ کر سکا کہ آپکے خلاف کسی تحریک پر عراق اور اُس کی اطراف کے تمام لوگ جو آپ سے خلوص و ارادت کا دم بھر رہے تھے۔ اگر اُس وقت بے ادبی کیا کوئی حرکت فوراً اُس سے ظاہر ہوتی تو تمام عراق میں عام بغاوت اور شورش پھیلا دیتے۔

اگر بصیرت کی آنکھیں اور حقیقت کے کان کھلے ہوں تو بنی عباس کے مورخین دیکھ لیں کہ منصور کی تمام پولیٹکل چالیں اور ملکی تدبیریں امام برحق اور حجۃ اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی کارگر نہ ہوئیں بلکہ اُس کی تمام کوششیں اُسکے خلاف ثابت ہوئیں۔ مثال کے لیے عراق کی طلبی ہی کافی ہے۔ منصور نے تو سوچا تھا کہ آپ کو اپنے پاس رکھکر آپ کے ارشاد و ہدایت کے راستوں کو بند کر دیا جائیگا جب سلسلۂ ارشاد ہی منقطع ہو جائیگا تو اجماع اور کثرت شیعیان کہاں باقی رہیگی۔ تھوڑے دنوں میں آپ فرقۂ شیعیت نابود ہو جائیگا۔

مگر اسکے خلاف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے نتیجہ ظاہر ہوا۔ جناب زید شہید رضی اللہ عنہ کے بعد عراق والوں کی رسم و راہ اخلاص و عقیدت اہلبیت طاہرین اور ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرف بہت کم ہو گئے تھے۔ امام شعبی، عمرابن عبید حسن بصری اور ابو حنیفہ کے قیاسی اجتہاد کے رنگ چاروں طرف جمے ہوئے تھے۔ عراق والوں میں بہت کم ایسے لوگ تھے جو مسلک اہلبیت علیہم السلام پر قائم تھے۔ لیکن عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کا عراق تشریف لیجانا تھا کہ بہت سے سرگشتگان بادیۂ ضلالت آپکے فیضان صحبت اور ارشاد و ہدایت سے مستفید ہو کر طریقۂ حقہ پر راسخ العقیدہ ہوگئے۔ اور بغداد سے بصرہ اور بصرہ سے کوفہ تک آپکے ارشاد و ہدایت کا کامل اثر پہنچ گیا۔ اور ہزاروں اہل اسلام کے مشتبہ اور مشکوک خیالوں کی پوری اصلاح ہو گئی۔ وہ معاملات جو تجربہ میں نہیں۔ یہ مشیت کی تدبیریں ہیں۔ جو لطیفے وما یعلمہا الا ھو۔ اُسی کی ذات اقدس تک محدود و منحصر ہیں۔

منصور کے فساد طبیعت اور غرور سلطنت نے اُس کو محمد و ابراہیم پر دسترس دلا کر اُسکو یقین دلایا تھا کہ ہم جناب صادق آل محمد علیہ السلام کے معاملات میں بھی ویسے ہی کامیاب ہوتے جائینگے۔ اور اُن کے معاملات کو بھی ایسا ہی درہم برہم کر دینگے جیسا کہ اُن لوگوں کے امور کو۔ اگر اُسکے دل میں امام علیہ السلام کی معرفت کلی باقی رہی ہوتی تو اُس سے پہلے محمد نفس زکیہ اور جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرق ما بہ الامتیاز کو اُسنے سمجھ لیا ہوتا۔ مگر اُسنے بنی ہاشم ہونے کی ساوات پر جیسا اپنے آپ کو شرف و فضیلت میں امام علیہ السلام کا ہمسر سمجھا تھا اُسی طرح محمد و ابراہیم کو بھی۔ اسی بنا پر اُسنے یہ تدبیریں کیں اور یہ نہ سوچا کہ اگرچہ محمد کا قتل بھی خون ناحق ضرور تھا۔ مگر

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا خون خونِ ناحق ہونے کے علاوہ خونِ امام بھی تھا۔ اسکی حفاظت و مدافعت میں خدا کی حمایت و اعانت لازمی تھی جیسا کہ دوسرے واقعات سے ایک بار نہیں کئی بار ظاہر ہو چکی۔ اور حقیقت تو یوں ہے کہ جب تک امام وقت حجۃ العصر علیہ السلام کی جاہ و جلالت و قدر و منزلت خدا اور انسانی ذریعوں سے بڑھ کر اور بالا اس پایہ تک نہ پہنچے وہ امام نہیں ہو سکتا۔

امام علیہ السلام کے گھر میں آگ لگادی گئی

جب تک تو علویوں کا [illegible] منصور [illegible] جناب امام جعفر صادق علیہ السلام [illegible] مدینہ [illegible] [illegible] [illegible] زندگی [illegible] [illegible] آپ کے گھر والوں [illegible] دو ہی [illegible] بنایا [illegible] ہوتی تو پھر تو ہم [illegible] بال بال بچ جائینگے۔ جو کچھ ہوگا [illegible] والے سے ہو جائیگا۔

اس خیال سے اُسنے اپنے چچازاد بھائی داؤد ابن علی کو مدینہ کی حکومت سے معزول کیا۔ اور اُنکی جگہ حسین ابن زید ابن حسن کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ ان کے باپ زید ابن حسن کے حالات ہم اس سلسلہ کی پانچویں کتاب موسوم بہ مآثر الباقریہ میں پوری تفصیل کے ساتھ درج کر چکے ہیں۔ یہ وہ ذات شریف ہیں جو ہشام کے پاس شام میں جاجا کر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف سے خلاف خلاف باتیں بیان کرتے تھے اور اسکو ہمیشہ آپکی مخالفت پر اُبھارا کرتے تھے۔ یہاں تک اُسکے کان بھرے کہ آخر اس نے مدینہ سے شام میں آپ کو طلب کرایا۔ اور انواع و اقسام کی تکلیفیں پہنچائیں۔ اور آخر انہی کی سازش سے آپکو قتل کرایا۔

یہ اُسی باپ کے بیٹے تھے۔ غرضکہ منصور نے اپنی ریشہ دوانیوں کے لیے اِسی ننگِ خاندان کو تجویز کیا۔ اور امارتِ مدینہ کا سبز باغ دکھلا کر اِس ترکیب سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے قتل پر اُنکو راضی کرلیا۔

اور ہدایت کی کہ جس وقت آپ اپنے مخصوصین کے ساتھ شب کو وقت بیٹھے ہوں۔ دفعتاً مکان میں آگ لگادی جائے۔ اور اس طرح اُس شمع امامت کو گل کر دیا جائے۔ حسین ابن زید نے منصور کے حکم کے مطابق ایک رات کو دفعتاً دولتسرا کے اُس حصہ میں آگ لگادی جہاں آپ اپنے اصحاب مخصوصین کے ساتھ بیٹھے ارشاد و ہدایت کی تعلیم و تلقین میں مصروف تھے کہ یکایک سقف خانہ سے آگ کے سرخ شعلے بلند ہونے لگے۔ اور دود گرد آلود سے چاروں طرف مکان بھر گیا اور گھر سے باہر تک سخت اضطراب و انتشار کی حالت پیدا ہوگئی۔

آپ کے عام اصحاب بوقت آگ کے گل کرنے میں مصروف ہوگئے مگر آگ کی شدت میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ تو آخر کار آپ بنفس نفیس اپنے مقام سے اُٹھے اور حسین ابن زید کی اس خصیصت بھڑکائی ہوئی آگ کی جانب دامن کو شعلوں کی طرف حرکت دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے انا ابن اعراق الثریٰ انا ابن ابراہیم خلیل اللہ میں حضرت اسمٰعیل و جناب ابراہیم علیٰ نبینا و آلہ و علیہما السلام کا فرزند ہوں۔

اس فخر خاندانِ ابو طالب علیہ السلام کے ان کلمات کی معجزنما تاثیر نے اس نارِ منصوری کو دم کے دم میں بجھا دیا۔ اور آپ کے تمام متعلقین اور اصحاب مخصوصین بال بال بچ گئے اور گھر سے باہر تک کچھ نقصان نہ ہونے پایا۔ کتاب کافی میں بھی یہ واقعہ اسی تفصیل کے ساتھ تحریر ہے۔

کتابوں میں منصور کی ان جوڑ بندیوں کا سراغ لگایا جائے اور دیکھا جائے اور واقعات تاریخی میں ان امور کا معائنہ کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ منصور کا عضو عضو حرفت اور فریب کی ایک جداگانہ مشین (آلہ) تھا جس سے رنگ رنگ کی ترکیبیں اور طرح طرح کی تدبیریں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ ممکن ہو کہ ایسی تدبیروں کے اُلجھاوے میں کسی انسان کی مخلصی اور جانبری کی امید کیجا سکے؟ مگر اسکی پوشیدہ اور خفیہ کارروائیاں ایسی ہی رازِ سربستہ اور عقدہ لاینحل کی صورتوں میں ہوا کرتی تھیں کہ حقیقت میں تدبیر ربانی کے سوا ترکیب انسانی کا اُسکو علم ہونا اگر محال نہیں تو قریب المحال تو ضرور تھا۔

منصور کی ایک نئی عیارانہ حرفت

جہاں اُس نے بہت سے حیلے آپ کے قتل کے متعلق سوچے تھے وہاں ایک یہ بھی تھا کہ آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کسی نہ کسی طرح بغاوت، سرکشی یا کم سے کم طمعِ حکومت کا الزام لگا کر آپکو مستوجبِ عقوبت اور واجب القتل ٹھیرایا جائے۔

جس زمانہ میں سادات بنی حسنؑ کی شورشیں گرم تھیں۔ اُس نے (منصور نے) بنی حسنؑ کے استیصال کے ساتھ امام جعفرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی بھی تدبیر کی۔ وہ یہ تھی کہ جعفر ابنِ محمد ابن اشعث کو جو فتنہ پردازیوں میں طاق اور شہرۂ آفاق ہو رہا تھا۔ بلایا اور کہا یا ابن المہاجر (تالیفِ قلوب کی غرض سے) مجھ سے یہ روپیوں کی تھیلیاں لے لو اور مدینۂ منورہ میں جا کر جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام۔ محمد نفسِ زکیہ اور عبداللہ محض بزرگانِ خاندانِ بنی فاطمہ علیہا السلام سے ملاقات کرو۔ اور اُن سے کہو کہ مجھ کو شیعیانِ خراسان نے یہ مال دیکر کہا ہے کہ اسے آپ کی خدمات میں پہنچا دوں کہ آپ اسکے ذریعہ سے بادشاہِ عصر پر خروج کریں۔ ہم سب آپ کی خدمت اور اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ جعفر ابن محمد ابنِ اشعث کا بیان ہے کہ میں یہ مال لیکر بغداد سے مدینہ آیا اور ان حضرات سے ملا۔ دو بزرگوں نے (محمد اور عبداللہ نے) تو اپنے نام کے مال لے لیے۔ اور مجھے رسید کے خطوط بھی لکھدیے۔ سوائے جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے۔

میں جب آپ کی خدمت میں گیا تو آپ اُس وقت مسجدِ جنابِ رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں رونق افروز تھے۔ اور عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے۔ میں ٹھیر گیا۔ یہاں تک کہ آپ نے نماز کو جلد تمام کیا اور مصلے سے اُٹھکر میرے پاس آئے اور نہایت آہستگی اور نرمی سے فرمانے لگے کہ اے محمد کے بیٹے خدا سے ڈر اور ہمارے دکھ دینے اور ستانے سے باز آ۔ اپنے بھیجنے والے سے کہدے کہ ہم اہلبیتِ رسالت علیہم السلام نے تیرا کیا بگاڑا ہے کہ تو حق ناحق ہمارے ستانے پر آمادہ ہے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہی کہ ہم ظالمینِ بنی امیہ کے پنجۂ ستم سے چھوٹے ہیں اور حد سے زیادہ تنگدست ہو رہے ہیں اور تجھ کو صلۂ رحم کے تقاضہ سے ہماری امداد و اعانت کرنی چاہیے۔ نہ کہ جھوٹی تہمتیں لگا کر موردِ عتاب و مستوجب اثابت کرنا۔

محمد ابنِ اشعث کے بیٹے کا بیان ہے کہ یہ فرما کر جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے مجھے اپنے قریب بلا کر آہستہ آہستہ وہ تمام تقریریں جو منصور نے مجھ سے کی تھیں دہرا دیں گویا آپ اُس وقت ہمارے ساتھ تھے جس وقت منصور مجھ سے یہ باتیں کرتا تھا۔ حالانکہ ہمارے اور اُس کے سوا اُس وقت کوئی دوسرا (نہیں) تھا۔

القصہ منصور کے پاس واپس جا کر میں نے سب روداد بیان کر دی۔ تو منصور نے کہا سچ ہے ہم اہلبیت علیہم السلام میں ایک شخص محدّث ہوتا ہے کہ علومِ الٰہی اور اسرارِ لاتنا ہی سید غیب سے اُس پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور اس زمانہ کے محدّث یقینا جناب امام جعفرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اسے جعفر! خبردار۔ اِس کا ذکر کسی دوسرے سے کہیں نہ کرنا۔

کیا حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام حکومت و سلطنت کی خواہش رکھتے تھے

ہم نے اتنے متعدد واقعات منصور کی اُن ایذارسانیوں کی تفصیل میں لکھدیے جو اُسنے مختلف اوقات اور متفرق ترکیبوں کے ساتھ جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے قتل و ہلاکت کی کوششوں میں پیش کیے تھے۔

اب اس مضمون میں ہم ثابت کیے دیتے ہیں کہ منصور کے یہ الزام امام علیہ السلام پر کسی طرح عائد ہی نہیں ہو سکتے۔ نہ آپ کو امارت و حکومت کی خواہش تھی اور نہ محمد نفسِ زکیہ یا کسی دوسرے مخالفِ سلطنت سے سازش۔ اور یہ منصور کو بھی اچھی طرح معلوم تھا۔ خلافت و امارت کے متعلق بھی اُسے ثابت ہو چکا تھا کہ آپ کو اسکی تمنا نہیں۔ اور مقامِ ابوا والے مشورہ کے دن آپ ہی نے صاف صاف لفظوں میں کہدیا تھا کہ امرِ حکومت و ریاست ساداتِ بنی ہاشم میں بنی حسنؑ کا مقدر نہیں ہے۔ بلکہ بنی عباس کا حصہ ہے۔

اگر منصور کے دیدۂ بینا اور گوشِ شنوا ہوتے تو جناب امام جعفرِ صادق

علیہ السلام) کی طرف یہی تقریر اُسکی تشفی کے لیے کافی تھی۔ کیا منصور کو آپکی یہ تقریر اُس وقت یاد نہیں تھی؟ نہیں۔ ضرور یاد تھی۔ اور چونکہ اُس کے مطلب کی تھی۔ اس لیے امید ہے کہ مادام الحیات یاد رہی ہوگی۔

اس تقریر کے علاوہ اور دوسرے موقعوں پر بھی آپنے دیگر امیدوارانِ سلطنت کے مقابلہ میں بھی ایسی ہی تقریر کی ہے جو منصور کی خلاف حصولِ امارت کی کوشش کر رہے تھے۔ اور اُنکو حتے المقدور آپنے ان امور سے باز رکھنا چاہا۔ اس کے ثبوت کے لیے سب سے پہلے ہم عبداللہ محض سے آپ کی دوسری تقریر درج کرتے ہیں۔ جو آپ نے اُن سے ابوسلمہ اور ابومسلم کے خطوط آنے کے وقت کی تھی۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا اپنی جلد سوم میں یہ عبارت تحریر فرماتے ہیں:۔

چوں نامۂ ابوسلمہ بعبداللہ ابنِ حسن رسید۔ واو غافل آنکہ مکتوبے بامام جعفر صادق علیہ السلام نیز مثل ایں نامہ نوشتہ است پیشِ او رفت و بر سبیل مفاخرت گفت کہ ابوسلمہ بنزدِ من مکتوبے نوشتہ است و مرا استدعائے خلافت کردہ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرمود بمن نیز مکتوبے نوشتہ بود۔ من اورا ناکشودہ در آتش سوختم۔ زنہار زنہار بر قبولِ ایں ہم داستاں نگردی کہ خلافت بما نرسد۔

عبداللہ محض اس وقت بنی ہاشم میں سب سے زیادہ کبیر السن تھے اور قرابت میں جنابِ صادق آلِ محمد علیہ السلام کے چچا تھے۔ مگر تاہم آپ نے منصبِ امامت کی رعایت اور اعلائے کلمۃ الحق کی ضرورت سے انکی پند و موعظت کے متعلق ایک لمحہ کے لیے بھی دریغ نہ فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں جب کسی مسلمان کی خیر خواہانہ ہدایت سے باز نہیں رہ سکتا تو پھر آپکے مقابلہ میں تو بدرجۂ اولے خموشی نہیں اختیار کر سکتا۔ کیا اس سے بڑھکر کوئی دوسرا واقعہ آپ کی عدمِ رغبت بہ خلافت کو ثابت کر سکتا ہے۔ اور کیا ایسی صاف اور روشن تقریر سے قبولِ امارت کے متعلق آپ کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ حق تو یہ ہے کہ جنکے دیدۂ حقیقت کشا دہیں وہ اسی تقریر سے آپکے استغنائے طبیعت اور سیر نفسی کے جوہر پورے طور سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اگر حقیقت میں آپکی خاطرِ فیوض مآثر کا رجحان اس طرف ہوتا تو آپ بھی عبداللہ محض کی طرح ان امور کی طرف اپنا میلان اور خواہش ظاہر فرماتے اور اسکے دستیاب ہونے کی حتے المقدور کوشش کرتے۔

اچھا اس کو بھی جانے دیجیے۔ ابوسلمہ اور ابومسلم کے خطوط آپکے نام بھی آئے تھے اور قبولِ خلافت کے لیے آپ سے بھی استدعا کی گئی تھی بلکہ باسنادِ روضۃ الصفا و تاریخ یافعی سب سے پہلے آپ ہی کی خدمت میں یہ استدعا پیش کرنے کے لیے قاصد کو سخت تاکید کی گئی تھی۔ مگر آپ نے اسکا کیا جواب دیا۔ وہ بالتفصیل پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اگر آپ کو یہ امر سر اور علانیت منظور ہوتا تو آپ ابتدا ہی سے انکار نہ فرماتے۔ اور خط کو بے پڑھے چراغ کی لَو سے نہ لگاتے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ یہ طائف الملوکی کا خاص زمانہ تھا۔ اور امیدوارانِ خلافت کے لیے قسمت آزمائی کا مغتنم وقت۔ اگر یہ امور جنابِ صادق آلِ محمد علیہ السلام کے بھی مرکوزِ خاطر ہوتے تو ضرور تھا کہ آپ بھی اُن کی طرف اپنی رغبت ظاہر فرماتے۔ اور دوسرے امیدوارانِ خلافت کی طرح آپ بھی اپنے اعوان و انصار کے ساتھ اسکے دستیاب ہونے کی کوشش کرتے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ ساداتِ بنی حسنؑ وغیرہم سے بدرجۂ اولے آپ اس کے لیے شایاں اور سزاوار تھے مگر اسکے بالکل برعکس آپنے کبھی سونے جاگتے بھی ان امور کی طرف خیال نہ فرمایا۔ اپنی آمادگی اور مستعدی تو درکنار۔ دوسروں کو اس پر آمادہ اور تیار پا کر منع فرمایا اور باز رکھنا چاہا۔ تو پھر ایسے کریم النفس اور مستغنی المزاج بزرگوار کو اس امر پر حریص تبلانا۔ یا کم سے کم اس پر ان امور کے خواہشمند ہونیکا صرف شبہہ کرنا۔ انصاف کا گلا کند چھری سے ریتنا ہے۔

خلافت کی تمناؤں کی تو یہ حالت تھی۔ اب محمد نفسِ زکیہ کی سازش میں ہونیکی بھی کیفیت ملاحظہ ہو۔

اوپر تاریخی اسناد سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ محمد نفسِ زکیہ کے ہنگامہ میں آپ نے سکونتِ مدینۂ منورہ بالکل ترک فرما دی تھی۔ اور دیہ افرع میں جو مدینہ سے ملا ہوا ایک گاؤں تھا اقامت اختیار فرمائی۔ اور جب تک کہ محمد نفسِ زکیہ کے امور تمام نہ ہو لیے۔ اور شہر میں پھر بار دیگر بطورِ سابق امن و امان قائم نہ ہولیا۔ آپ تشریف نہ لائے۔

یہ واقعات آپکے حزم و احتیاط کے کامل ثبوت ہیں تو پھر ایسے حزم و احتیاط کرنیوالے اور علیحدہ رہنے والے بزرگ کو کون عقلمند الا کسی مکار مفسد اسکا معین و مددگار کہہ سکتا ہے۔ کیا منصور کی نگاہیں نہیں تھیں کہ

آپکی اس انتہا درجہ کی حزم و احتیاط کو دیکھتا۔ ورنفس زکیہ کے معاملات میں آپ کی بے سروکاری اور علیحدگی کو براۃ العین مشاہدہ کرتا مگر اس پر بھی منصور کو اطمینان نہ ہوا تو اُس نے آپ کو مقام ربذہ میں بلوایا۔ اور آپ ذاتی تمام شبہوں کے متعلق استفسار کیا۔ تو آپ نے صاف صاف لفظوں میں ترکِ وطن اور اپنی غیر سروکاری کی واضح اور روشن دلیلیں بیان کرکے اُس پر اپنی برائت ثابت کردی۔ اور منصور نے بھی اُس وقت مطمئن ہوکر آپ کو رخصت کردیا۔

نفس زکیہ کے معاملات میں جو مقام ابوا والی مشورت کے وقت ہی سے آپ کو اختلاف تھا جیسا کہ اوپر کئی بار بیان کیا گیا۔ تو پھر ایسی حالتوں میں ایسے بزرگ پر جو ابتداہی سے ان امور کا برابر مخالف ہوتا چلا آتا ہو اور ظہورِ مخالفت کے زمانہ میں ان امور سے بالکل علیحدہ اور غیر سروکار رہا ہو۔ ان امور کا شبہہ کیسے کیا جاسکتا ہے۔

بہرحال۔ ان واقعات نے کامل طور پر ثابت کردیا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی ذات مستغنی الصفات کے متعلق یہ تمام الزام سراپا لغو و مہمل ہیں اور خود منصور کی طرف سے ایسے جھوٹے اور بے اصل الزاموں کا آپ کی نسبت مشہور کرانا اُس کی محسن کشی اور سخت کافرنعمتی کی دلیل ہے۔

حقیقت امر تو یوں ہے کہ ان معاملات میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی بے لوث علیحدگی اور غیر سروکاری اپنی آپ مثال اور اپنی آپ نظیر ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا کے کارنامہ میں ایسے مستغنی المزاج اور نفیس بزرگوار وں کی صورتیں بہت کم دکھلائی دیتی ہیں۔ یہ الزام جو منصور نے لگائے جاتے تھے وہ بھی صرف ابلہ فریبی کی غرض سے تھے۔ منصور غرورِ سلطنت میں چور۔ اور اپنی انانیت کے نشہ میں مخمور ہوکر اپنے معاصر حجۃ اللہ زمانہ کی دل آزاریوں کی مختلف فکریں عمل میں لایا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جن حضرات کو علمِ تاریخی کا مذاقِ سلیم حاصل ہے وہ اولیاء و اتقیاء اللہ کے مبارک طبقہ میں اسکی ایسی سینکڑوں اور ہزاروں مثالیں بتلا سکتے ہیں منصور کی ان ایذا رسانیوں میں جناب صادق آلِ محمد علیہ السّلام کی اہانت اور تنقیص مراتب بھی شامل تھی جس طرح سابق سلاطین جبابرہ نے اپنے علم و فضل کی ہمسری کا دعوےٰ بھی اور دعووں کے ساتھ اپنے معاصر حجۃ اللہ کے مقابلہ میں کیا تھا۔ اُسی طرح منصور نے بھی جس طرح اُن فرمانروایانِ پیشین نے اپنے معاصر حجۃ اللہ کی تلقین و تعلیم ہدایت و ارشاد کے امور میں پورے طور سے خلل ڈالے۔ اُسی طرح منصور نے بھی بلادِ اسلامیہ کے تمام اہلِ اسلام کو جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی تقلید و اقتدا سے روکا اور منع کیا۔ اور اسی ضرورت کی بناپر ابو حنیفہ کوفی کو ؎ کس نیاموخت علمِ تیر ازمن، کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد۔ اپنی تمام ممالک محروسہ کا مفتی اور قاضی بنایا اور عالم الدہر کا خطاب دیا۔ ان امور کے استحکام اشاعت کے لیے اُسنے علی الاعلان حکم دیدیا کہ جو شخص ابو حنیفہ سے کوئی مسئلہ پوچھیگا تو اُس کو **ایک اشرفی انعام** میں دی جائیگی۔ اور جو شخص جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سے کوئی مسئلہ پوچھیگا اُسے **ایک اشرفی جرمانہ** دینی ہوگی۔ اس حکمِ عام کے نافذ ہوتے ہی ہزاروں فاقہ مستوں اور لاکھوں زر پرستوں کی چاندی کٹی۔ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے۔ بیٹھے بٹھائے تحصیلِ معاش کا بہت آسان ذریعہ حاصل ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب دار القضا پر وہ ہجوم ہونے لگے کہ منصور کے ایوانِ شاہی کی گرد با بھی ٹھنڈی پڑ گئی۔

مگر باایں ہمہ جب ان امور کے نتیجوں پر غور کرو تو معلوم ہوجائیگا کہ منصور کی ان ابلہ فریبیوں نے اُس خام عقیدہ والی جماعت پر اپنا جو کچھ اثر نہ ڈالا ہو۔ اور اپنی دولتِ دنیا کی لالچ سطوتِ سلطانی کے دباؤ اور خوف کی وجہ سے اس عام حکمنامہ کی جہاں تک تعمیل نہ کی ہو۔ ہم کو اُن سے بحث نہیں۔ مگر بخلاف انکے منصور کی ان تجویزوں نے خالص الاعتقاد اور راسخ الایمان حضرات پر اپنا کوئی اثر پیدا نہیں کیا۔ جنکی آنکھیں ضیائے ایمانی سے روشن اور جن کے قلوب انجلائے روحانی سے منور تھے۔ تمام عالم میں بیدردیاں اور ناحق پرستیاں پھیلتی رہیں۔ مگر اُنکے پائے استقلال صراطِ مستقیم سے نہ ڈگنے والے تھے نہ ہٹے۔ اور اپنے عقائد پر کالبنیان مرصوص کی پوری مثال بنکر ہمیشہ قائم رہے۔

جب امام جعفر صادق علیہ السّلام منصور کی لگاتار اور بار بار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آگئے تھے اور سخت ضیق النفسی کے عالم میں بسر فرماتی تھی نہایت احتیاط سے وعظ و ہدایت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ کی ان مجبوریوں کی تھوڑی بہت کیفیت اوپر لکھی جاچکی ہے۔ چنانچہ ان امور میں منصور کے ظلم سے تنگ آکر آپ اکثر فرمایا کرتے تھے

کہ اگر حکام جور مجھ کو منع نہ کریں تو میں ملک کے کسی گوشہ میں چلا جاؤں کہ وہاں شیعہ میرے پاس جمع ہوں۔ میں انکو تعلیم کروں۔ وہ انکے قرب و نزدیکی سے انس گیر ہوں۔ اور وہ مجھ سے مانوس ہوں۔ اور اگر منصور مجھ سے معترض نہ ہو تو میرا مدعا یہ دلی یہ ہے کہ ایک مکان وسیع بنا کر رہنا اختیار کروں۔ اور اپنے شیعوں کے ساتھ اس میں جا بیٹھوں۔ اور شب و روز درس قرآن و حدیث میں مصروف ہوں۔ اور میں اسکی ضمانت کرنے کو موجود ہوں کہ کوئی امر منصور کے خلافِ طبع مجھ سے صادر نہیں ہوگا۔

کیا منصور کو آپ کے ان خیالات کی اطلاع نہیں ہوئی ہوگی؟ نہیں آپ کے یہ اقوال جاسوسوں کے ذریعہ اسکے کانوں تک ضرور پہنچے ہونگے۔ مگر جا ہے ایسی صاف اور واضح تقریر پر بھی ظالم منصور کی تسکین ہونی ہو۔ نہیں۔ وہ ان کلمات پر ذرا بھی یقین نہ کر سکا۔ اور جو آپ کی اہانت مراتب اور تنقیص مناقب کے متعلق سوچ چکا تھا اسی کے مطابق کام کرتا رہا۔

ارشاد و ہدایت سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام روکے گئے

منصور کی یہ مخالفانہ احکام روز بروز ترقی کے ساتھ اطرافِ عالم میں پھیلتے گئے۔ انعام و جرمانہ کے اعلانِ عام کے بعد بھی جب اسکی امیدیں نگاہوں تلے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہدایت اور تعلیم و موعظت کو اسی طرح منتہم اور مستقر پایا تو اسکی روک تھام میں اسنے اسی سختی اور شدت سے کام لینا شروع کیا کہ آخرکار لوگوں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آنا بہت کم کر دیا بلکہ ترک ہی کر دیا۔ امام کا ارشاد و استماعِ حدیث کی تمام صحبتیں موقوف ہو گئیں تبلیغِ مسائل اور تعلیمِ علوم کے جلسے بند کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ شرفِ حضوری اور زیارت کی تمام رہ جاتی رہی۔ بڑی احتیاط اور سخت مشکلوں کے ساتھ صرف معدودے چند خالص بزرگوار وہ بھی کبھی کبھی شرفِ زیارت سے بہرہ اندوز ہوتے تھے۔ ان امور کے باعث سے مومنینِ خالصین کی جانوں پر مصیبتیں پڑی تھیں۔ اور جن جن دقتوں سے انکو روز سامنا ہوتا تھا وہ میری کسی تفصیل و تصریح کی محتاج نہیں ہیں۔

ابوحنیفہ کو امامِ اُمت بنانے سے منصور کی اصلی غرض کیا تھی؟

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ابوحنیفہ کی امامت سے بھی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایذا و تحقیر و ہلاکت منصور کی اصلی غرض تھی۔ منصور نے اس امر پر یہ سوچا تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام ابوحنیفہ سے احکام و مسائل میں مناظرہ پیش کرینگے۔ اور اس طرح ہم کو آپ کی اور آپکے متبعین کی سیاست کا ایک موقعہ مل جائیگا۔ مگر یہاں اور کا اور ہوگیا۔ آپ کو ابوحنیفہ کے مخالفانہ احکام شریعت کی خبریں تو روز ہوا کرتی تھیں۔ مگر آپ کبھی کانوں کان بھی ان کی طرف خبر نہیں ہوتے تھے۔ حق تو یہ ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسکی ان مخالفانہ کارروائیوں کے مقابلہ میں جس سکوت اور خاموشی سے کام لیا وہ آپ کے حسنِ احتیاط، مصلحت بینی اور نیک آئینی پر دال اور اپنی آپ مثال ہے۔ ابوحنیفہ کے اختلاف کے متعلق جب آپ کو ایسے مخالف احکام کے اخبار معلوم ہوتے تھے اور آپکے خالص الاعتقاد اصحاب اس پر چیں بہ جبیں ہوتے تھے تو آپ کسی معارضہ یا مناظرہ کے تمام خیالوں سے درگزر فرما کے ان کو ہمیشہ خموش رہنے اور سکوت اختیار کرنے کی ہدایت فرماتے تھے ہم نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال ذیل میں مندرج کرتے ہیں اور اسی کو اپنے مدعا کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔

امام علیہ السلام کی بے نظیر احتیاط

محمد بن نوفل ناقل ہیں کہ ہم چند اشخاص ایک صحبت میں بیٹھے تھے کہ ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت کوفی آئے بیٹھ گئے۔ اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا ذکر نکلا تو ابوحنیفہ نے کہا کہ **حدیث غدیر کا اقرار نہیں کرنا** چاہتے ہیں ذاتی اصحاب کو اس سے منع کر دیا ہے ہیثم ابن حبیب صیرفی یہ سنکر برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم کیوں نہ اقرار کریں کیا تم کو یہ حدیث نہیں پہنچی ہے کہ حبیب ابن ثابت نے ابی الطفیل نے زید ابن ارقم صحابی سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے رحبہ کوفہ میں قسم دیکر صحابہ سے اس حدیث کی ۔۔۔ کرائی ہے۔

امام صاحب (ابو حنیفہ) نے اسکا یہ جواب دیا کہ حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔ مگر یہ لوگ (شیعہ) اس میں زیادہ خوض کرتے ہیں اور لوگوں کو تنگ کرتے ہیں۔

ہیثم نے کہا تو پھر جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی تکذیب کرو یا اس کی رد کردو۔ ابو حنیفہ نے کہا نہ اسکی تکذیب کرو۔ نہ رد۔ الّا اتنا خیال رکھو کہ اس کے تذکرہ کرنے والے غلو کرنے والے غلو کرتے ہیں۔

ہیثم نے جواب دیا سبحان اللہ! جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بر سرِ منبر خطبہ پڑھا۔ اور اُس میں علے الاعلان اور علے رؤس الاشہاد اس کا ذکر فرمایا اور کسی غلو کرنیوالے کے غلو کا کوئی اندیشہ نہ فرمایا تو ہم غالیوں کے غلو کا کیوں اندیشہ کریں؟ سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ کسی شخص نے ابو حنیفہ سے کوئی مسئلہ پوچھا اور یہ گفتگو بند ہو گئی۔

کچھ عرصہ کے بعد اس گفتگو کا ذکر جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی حضور میں ہوا تو آپ نے اِس کے سُننے سے خاص طور پر کراہت کا اظہار کیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ایسی باتوں سے یہ لوگ ہمارے اور تمہارے دشمن ہو جاتے ہیں۔

اب تو ثابت ہو گیا کہ آپ اِن معاملات میں کس قدر حزم و احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اور اپنی ذاتِ ستودہ آیات کے ساتھ ہی اپنے تمام اصحابِ کرام کو ظالمینِ وقت سے بچانا چاہتے تھے۔ اُنکی ان اشتعال انگیز تقریروں پر بھی جو واقعی اہلِ اعتقاد اور صاحبانِ خلوص و اتحاد کے سامنے ضرور ناقابلِ برداشت ہوتی ہیں جن کی اصلی اغراض آپکے آپکے اور آپکے شیعوں کو غصہ دلا کر کسی نہ کسی طرح حد و دِ سیاست تک پہنچا دینا ہے۔ آپکی طرف سے کوئی اعتنا نہیں فرمائی جاتی تھی بلکہ اُن کا ذکر بھی مصلحتِ وقت کے بالکل خلاف سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ ان چالوں کی وجہ سے آیندہ جن جن مصیبتوں سے دوچار ہونیکی امید تھی وہ سب آپکے پیشِ نظر تھیں۔

جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی احتیاط اور مصلحت بینی کے علاوہ اس واقعہ سے یہ امر بھی اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب مٹانے میں مخالفین کی طرف سے کیسی کیسی بلیغ کوششیں عمل میں لائی جاتی تھیں۔ انکا کوئی زمانہ اور کوئی وقت اِن امور کے استیصال اور استخفاف سے خالی نہیں جاتا تھا۔ حدیثِ غدیر ہی کو دیکھا جائے۔ جب کسی طرح اسکی تضعیف و تردید نہیں ہو سکی اور کوئی تدبیر مفید کار نہ ہو سکی تو آخر اس پر اڑ بیٹھے کہ اسکا ذکر نہ کیا جائے۔ غرض یہ تھی کہ یہ واقعہ کسی نہ کسی طرح دنیا کے دل سے بھلا دیا جائے مگر ان تدبیروں کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ وظہر الحق ان کنتم کارھون حق ظاہر ہی ہو گیا۔ اور حق سے انکار کرنیوالے انکار کرتے ہی رہے۔

ہم نے جہاں تک اِن واقعات پر نظر ڈالی ہے اور منصور کی ایذا رسانیوں کے مقابلہ میں جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی خموشی اور سکوت کے حالات پر غور کیا ہے اور شروع سے لیکر اخیر تک ان امور میں اس امر کا سراغ لگایا ہے کہ منصور کے دل میں امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی طرف سے جو اندیشے یا شبہے لگے ہوئے تھے۔ آیا وہ صحیح تھے یا نہیں؟ وہ امام علیہ السلام کے بھی مرکوزِ خاطر تھے یا نہیں؟ اور ان واقعات میں یا انکے علاوہ آپکے متعلق اور دیگر حالات میں آپکی جانب سے کہیں ان امور کا اظہار پایا جاتا ہے۔ یا نہیں۔ اور ان امور کے آثار اُن میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؟

ہم نے کتب سیر و تواریخ سے لیکر احادیث کی معتبر اسانید تک اِن امور کی تلاش کی ہے۔ مگر تمام کتابوں میں سوائے اسکے کہ انکی جگہ منصور کی مکاری اور عیاری ثابت ہوتی گئی۔ آپ کے متعلق اُسکی ان بدگمانیوں میں سے کسی ایک کا شوشہ بھی معلوم نہ ہوا بلکہ جہاں کہیں ایسی امور کا پتہ بھی لگا وہاں منصور کی غلط فہمیوں کے خلاف جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی بے لوثی۔ بے غرضی۔ سلامت نفسی اور علیحدگی پورے طور سے ثابت ہوئی۔

امامتِ ابو حنیفہ کا جو طوفان اُٹھایا گیا وہ بھی منصور کی انہی ایذا رسانیوں کا ایک جھونکا تھا۔ اُسمیں بھی جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے جس سنجیدگی اور خاموشی و احتیاط سے کام لیا وہ ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ساداتِ بنی حسنؑ کی فوج کشی کی بنا پر آپ کی طرف جو شبہہ کیا جاتا ہے اُسکی حقیقت تھوڑی بہت اوپر بھی لکھی جا چکی ہے۔ اور مزید اطمینان کے لیے سبارِ دیگر پھر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذیل میں قلمبند کیجاتی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ایک سنجیدہ مدبّر کے نزدیک ساداتِ بنی حسنؑ

کے معاملات کبھی بغاوت کی صورت نہ پکڑتے۔ اگر منصور اُن سے صلۂ رحم کے محاسن سلوک قائم رکھتا اور نرمی اور ملائمت سے پیش آتا۔ عبداللہ اور محمد نفسِ زکیہ منصور کی بیعت کر لینا بھی اُس کے محاسن سلوک قائم رکھنے کے مقابلہ میں بھول جاتے مگر منصور کو تو محمد کی بیعت کا خیال بے چین کیے دیتا تھا۔ اسی وجہ سے اُسنے بنی امیہ کی تقلید اختیار کی۔ بدعہدی محسن کشی اور عام مردم آزاری کو اپنا شعار بنایا۔

واقعات صاف صاف بتلا رہے ہیں کہ اگر منصور غریب سادات سے رفق و مدارا پیش آتا اور صلۂ رحم کے مسالک قائم رکھتا۔ تو محمد نفسِ زکیہ منصور کی بیعت کرنا بھی بھول جاتے۔ اور کبھی بھولوں اس کا نام بھی نہ لیتے۔ گر منصور کو سادات کے مقابلہ میں جو مشکلیں پیش آئیں وہ مصداق آنکہ از ماست کہ بر ماست خود منصور ہی ان کا باعث تھا۔ نہ سادات جیسا کہ اوپر بیان بھی ہو چکا ہے۔ اور شمس العلماء پروفیسر مولوی شبلی صاحب نعمانی کی اسناد سے اسکی کامل تصدیق بھی کر دی گئی ہے۔

سادات بنی حسن نے اپنی تقیت یا اپنی بیعت کے دعووں سے منصور کا مقابلہ بھی کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے تو کبھی اشارتاً یا کنایتاً اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ اور نام بھی نہیں لیا۔ پھر آپ کی طرف یہ شبہے اور اندیشے کیسے صحیح ہو سکتے ہیں قرائن بتلا رہے ہیں کہ آپ بنی حسنؑ کے مقابلہ میں ان امور کے لیے بدرجۂ اولےٰ مناسب اور موزوں تھے۔ آپ کے حقوق بھی محفوظ تھے۔ اور ذرائع بھی وسیع اور مستحکم تھے۔ مگر آپ نے کبھی ان امور کی طرف کوئی اعتنا نہیں فرمائی۔ بلکہ ان باتوں کے خلاف جس طرح جناب زید شہید علیہ الرحمہ کو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اور اُنکے بعد خود آپنے بھی اِن معاملات سے علیحدہ رہنے کے لیے موعظت فرمائی تھی اُسی طرح اِس وقت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی عبداللہ محض کو اور اُن کے بیٹے محمد و ابراہیم کو ان معاملات سے علیحدہ رہنے کے لیے ایک بار نہیں کئی بار ہدایت فرمائی۔ جیساکہ اوپر لکھا گیا۔ اور عنقریب ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ اگر سادات بنی حسنؑ کے ساتھ آپ شریک ہوتے یا کم سے کم آپ اُنکے ہم خیال ہوتے تو آپ اُن کو ان معاملات سے علیحدہ رہنے کی لیے اتنی بار بار کی تاکیدوں کے ساتھ کبھی ہدایت نہ فرماتے۔

عبداللہ محض سے امرِ خلافت پر گفتگو

کتاب کافی کی عبارت میں جہاں عبداللہ محض کی گفتگو درج ہے ان معاملات پر کافی روشنی ڈالتی ہے۔ اُس کا خلاصہ مطلب یہ ہے:-

عبداللہ محض چند بیٹوں کے ساتھ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اگرچہ میں تم سے سن میں زیادہ ہوں اور میرا بیٹا محمد (نفسِ زکیہ) بھی تم سے سن میں بڑا ہے۔ لیکن خدائے سبحانہ و تعالےٰ نے تمھیں وہ فضیلت عطا کی ہے جو ہماری قوم و قبیلہ میں کسی کو نہیں دی ہے اور تم کو اپنا معتمد علیہ بنایا ہے کہ تمھاری فضیلتیں سب پر ظاہر ہو جائیں۔ ایسی حالت میں میں تم پر قربان! اگر تم میری اس وقت کی استدعا کو قبول کر لوگے تو پھر تمھارے اصحاب (شیعہ) میں کوئی شخص ہم سے خلاف نہ ہوگا۔ اور نہ قریش یا کسی دوسری قوم کے لوگ ہمارے مخالف ہونگے۔ اُن کی استدعا کی اصلی غرض کو سمجھ کر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ اے چچا! اس امرِ خاص میں مجھ کو معاف فرما کر کسی دوسرے شخص کو اختیار کیجیے تاکہ وہ آپ کا زیادہ مطیع ہو۔ اور مجھ سے آپ کی غرض بھی نہیں نکلیگی۔ اور آپ کو خود بھی معلوم ہوگا کہ میں ان مکروہات کو سن سنکر ارادہ کر چکا ہوں کہ اِس پُرآشوبی اور عام فسادی کے مخصوص زمانہ تک اپنی موجودہ گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کو بھی ترک کر دوں۔ اور اُسکی جگہ صحرا نوردی اور بادیہ نشینی اختیار کروں۔ یا حجِ بیت اللہ معظم کے قصد سے مدینۂ منورہ کی سکونت ترک کر کے گھر سے باہر نکل جاؤں میں ان مصیبتوں کو ان مکروہات سے بچنے کی غرض سے برداشت کرنیوالا ہوں۔ اے چچا! ایسی حالت میں آپ کسی اور کو تجویز فرمائیے اور اُس سے اپنے مطلب نکالیے۔ اور میرے پاس آپکے آنے اور گفتگو فرمانیکا ذکر بھی کسی سے نہ کیجیے۔

یہ سُنکر عبداللہ کہنے لگے کہ تمام لوگوں کے فرقِ اطاعت تمھاری

طرف جھکے ہوئے ہیں۔ اور سب کی آنکھیں تم پر لگی ہوئی ہیں اگر تم میری درخواست کو قبول کرلوگے تو پھر کسی شخص کو ہم سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہوسکیگی۔ اور ہم اسی وقت سے آپ کے لیے یہ شرط کیے دیتے ہیں کہ آپ کو ان معاملات میں دست بہ شمشیر ہونے یا کم از کم میدانِ جنگ میں تشریف لیجانے کی بھی زحمت نہ دی جائیگی اور کوئی ایسا امر نہیں کیا جائیگا جو آپ کی طبع ہمایوں کے خلاف ہو۔ سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ چند لوگ آگئے۔ اور بات منقطع ہوگئی۔

اب ہمارے ناظرین اس واقعہ سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے حزم و احتیاط کا پورے طور سے اندازہ کرلیں کہ آپ اِن امور سے کس قدر بچنا چاہتے تھے۔ اور اپنے علاوہ اُن لوگوں کو بھی حتی المقدور اس سے علٰحدہ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے جو اسکے متمنی اور خواہشمند تھے۔ آپ کے کمال احتیاط کی منتہائی مثال آپکے اس کلمہ سے ثابت ہے کہ آپ نے عبداللہ سے یہ بھی کہدیا کہ ہماری آپکی گفتگو کا ذکر بھی کسی سے نہ کیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ امور کہاں تک آپ پسند کرینگے۔ اِن اقسام کے ذکر و اذکار کو بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔ عبداللہ محض کی استدعا پر آپکا فوری اور قطعی انکار صاف صاف بتلا رہا ہے کہ انکے مدعائے دلی آپ کی طبعِ ہمایوں کے سراسر خلاف تھے۔ آپ کی سلامت نفسی اور سنجیدہ مزاجی کبھی اس شورش اور پُرآشوبی کو پسند نہیں کرتی تھی۔ انہی وجوں سے آپ نے عبداللہ ابنِ حسن سے یہاں تک اپنا ارادہ ظاہر کر دیا کہ اِس عام خونریزی اور مفاسد کے زمانہ میں میرا قصد مصمم ہے کہ میں عزلت نشینی کو ترک کرکے صحرا کی طرف نکل جاؤں۔ اگر نہیں تو حج بیت اللہ کے قصد سے ترکِ وطن اختیار کر دوں۔ غرضکہ کسی طرح مدینہ میں رہکر ان شورشوں میں شریک ہونے کے الزام سے اپنے آپکو بچاؤں۔ کیا ایسا صاف جواب دینے والا بزرگ اتنی صفائی اور برأت دکھلانے کے بعد بھی منصور اور اُسکے ہم خیالوں کے نزدیک مشتبہ خیال کیا جائیگا؟ اور اتنے ثبوتوں کے بعد بھی وہ تاہم ان سازشوں میں شریک سمجھا جائیگا۔

بہرحال۔ اتنا اوپر لکھا گیا ہے کہ لوگوں کے چلے آنے کی وجہ سے سلسلۂ کلام منقطع ہوگیا تھا۔ اور عبداللہ ابنِ حسن بھی یہ کہکر کہ پھر کسی دوسرے وقت حاضر ہونگے چلے گئے تھے۔

اندر جانے سے خادموں نے عبداللہ کو روکا

دو دن کے بعد پھر عبداللہ محض دولتسرا پر حاضر ہوئے خادمان امام جعفر صادق علیہ السلام نے خلافِ معمول انکو روکا اور امام علیہ السلام سے اجازت ملنے تک ان کو ٹھیرایا موسیٰ ابنِ عبداللہ کا بیان ہے کہ اس سے قبل ہم کبھی در دولت پر روکے نہیں جاتے تھے بلا ضرورتِ اذن شرفیابِ خدمت ہوا کرتے تھے۔ آج یہ نیا واقعہ پیش آیا۔ بہرحال۔ خادم اذن لیکر آگیا اور یہ حضرات اندر گئے۔ عبداللہ ابن حسن نے پھر اپنا باقیماندہ سلسلۂ کلام یوں شروع کیا اور کہا کہ ہم بغایت درجہ امید لگا کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ آپ کی عنایت و التفات پر اعتبار کرکے ہماری امیدیں اس قدر وسیع ہوگئی ہیں کہ ہم کو قوی یقین ہے کہ بکی بار ہماری استدعا کو ضرور قبول فرمائینگے۔ اور ہماری آرزوؤں کو ضرور پورا کر دینگے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں آپ کو ان امور کے متعلق خدا کی طرف پناہ لیجانے کے لیے ہدایت کرتا ہوں جس کی فکر میں آپ نے دن کو رات اور رات کو دن کر رکھا ہے۔ کیونکہ ہم کو ان امور کی وجہ سے آپ کی طرف سے بہت خوف لگا ہے کہ شاید ان معاملات کے باعث آپکو بہت سی مشکلات اور دشواریوں سے سامنا کرنا نہ ہو۔

آپ کے یہ کلام صداقت التیام سُنکر عبداللہ ابنِ حسن بہت افسردہ خاطر ہوئے اور اپنے صاحبزادے محمد نفس زکیہ کی شجاعت و دلیری کے ذاتی اوصاف دیر تک بیان کرتے رہے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اُن کی طول و طویل تقریر کو سُنتے سُنتے عاجز آگئے تو آپنے اُن کے سامنے یہ مصرعہ پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اپنی بکری کو بھیڑیے کے مُنھ میں جانے نہ دیجیے۔ آپ کے نفس کو طمع دنیاوی نے گھیرلیا ہے۔ اور آپ کا نفس گرگِ دنیا کے پنجہ سے چھوٹنے والا نہیں ہے۔ خدائے سبحانہٗ تعالےٰ کی قسم آپ کے صاحبزادے محمد کی حدودِ سلطنت مدینہ منورہ کی دیواروں سے آگے نہیں بڑھ سکتی ہیں اور وہ مدینہ سے زیادہ کے مالک نہیں ہوسکتے۔ اس اتنی حکومت کے حاصل ہونے میں پھر جو جو مشکلیں اور دقتیں پیش آنے والی ہیں وہ علٰحدہ ہیں۔

اور سمجھ لیجیے کہ قضائے الٰہی سے چارہ نہیں۔ پس ان شدائد و مصائب سے خوف کیجیے اور اپنے حالِ زار پر رحم فرمائیے اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں پر عنایت کیجیے۔ عبداللہ ابنِ حسن اب اس تقریر کے بعد کیا کہتے۔ اپنے مکان کو واپس گئے۔

اب اس سے زیادہ آپ کی احتیاط۔ صفائی اور ان تمام امور سے علیحدگی اور کیا ہوگی کہ آپ نے عبداللہ محض کی آمد و رفت کو بھی اپنے لیے شبہہ کا باعث سمجھا۔ اور اُن کی صحبت اور باہم گفتگو کرنے سے بھی بچنا چاہا۔ اس سے آپ کے حسنِ اخلاق پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بلکہ زمانہ کی پُر آشوبی اور مفسدہ پردازی کے اعتبار سے آپ کی انتہا درجہ کی سلامت روی اور احتیاط ظاہر ہوتی ہے۔ جب اجازت پاکر عبداللہ ابنِ حسن پھر حاضر ہوئے اور فیمابین جو گفتگو واقع ہوئی وہ اوپر لکھی گئی۔ اُسکو پڑھکر کون عقل کا اندھا آپ پر ان امور کی سازش یا مداخلت کا الزام لگا سکتا ہے۔ اور ہوتے جاگتے کہہ سکتا ہے کہ آپکو ان امور سے کسی قسم کا بھی تعلق تھا۔ اور آپ کسی وقت میں منصور کے خلاف کسی قسم کی کوشش کرنیکا قصد فرماتے تھے یا دوسروں کو اُس کی خلاف ورزی پر آمادہ کرتے تھے۔ بلکہ اسکے برعکس۔ ان واقعات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے کوشش کرنا تو درکنار اُن لوگوں کو بھی جو اُسکی خلاف ورزی پر ہر طرح سے آمادہ اور ایستادہ تھے اس سے باز رہنے کی تاکید پر تاکید اور ہدایت پر ہدایت فرماتے تھے۔ اور ملک میں امن و امان اور تمام تسلط و اطمینان قائم رہنا آپ کا اصلی مقصود تھا۔ ملک میں شورش اور ہنگاموں سے علیحدہ رہنا آپ کا حقیقی شعار تھا۔ آپ حجۃ اللہ تھے۔ اور اس منصب کی رو سے خلائق کی امن و امان آپ کے فرائضِ منصبی میں داخل تھی۔ حاکمانِ جور اور سلاطینِ جبار کی عقوبت اور مظالم سے اپنے متبعین اور مخصوصین کو بچانا اور اُنکی حفاظت و نگہبانی کی تدبیریں کرنا۔ اور ان تمام آفات و مشکلات سے محفوظ و مصئون رہنے کی کوششیں عمل میں لانا۔ آپ کے لیے ضروری اور لازمی تھا۔ اِنہی وجہوں سے آپنے منصور کے ان تمام مظالم کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ اُس کے مخالفین سے کسی قسم کی سازش کی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے کہ جب جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے ان امور میں سادات بنی حسنؑ کا ساتھ نہ دیا اور اُنکے امور سے علیحدہ رہے تو اور لوگوں کا کیا ذکر۔ استغفر اللہ ربی و اتوب الیہ۔

شیعیانِ کوفہ کی استدعائے خلافت پر آپکا قطعی انکار

بنی حسنؑ کو آمادہ پیکار اور خلافت کا دعویدار پاکر آپکے بعض ہوا خواہوں نے آپکو بھی ان امور پر آمادہ کرنا چاہا مگر چونکہ شروع سے یہ امر آپکی طبعِ ہمایوں کے سخت مخالف تھا اس لیے آپنے اُنکی استدعا کو فوراً مسترد کردیا۔ اور اُنکی تجویزوں کے ساتھ اتفاق کرنے سے قطعی انکار فرمایا چنانچہ ذیل کے واقعہ سے ہمارے اس دعوے پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

بحار الانوار میں مرقوم ہے کہ شیعیانِ کوفہ میں سے چند شخصوں نے جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ کوفہ کا اس وقت وہ حال ہو رہا ہے جو زنِ مطلقہ کا ہوتا ہے۔ جو چاہے اُسکے ساتھ نکاح کرلے۔ اس پر اس وقت قبضہ و قابو پانا دشوار نہیں ہے۔ شہر ہر ایک قسم کی مزاحمت اور رکاوٹ سے بالکل خالی ہے۔ آپ اجازت دیں تو ہم اُس پر قبضہ کرلیں۔

غالباً یہ اُس زمانہ کا مراسلہ ہے جب ابراہیم ابنِ عبداللہ المحض نے بصرہ میں خروج کیا تھا۔ اور منصور کی فوجیں محمد ابنِ عبداللہ کے ساتھ مصروفِ جنگ تھیں۔ اور منصور تنہا بیرونِ کوفہ پڑا ہوا تھا۔ اور شہر خالی تھا۔

بہرکیف۔ آپنے شیعیانِ کوفہ کی درخواست کو منظور نہ فرمایا اور جواب میں صاف صاف لکھ بھیجا کہ اگر تم لوگوں کو میری اطاعت منظور ہے تو اس خیال سے باز آؤ۔

شیعیانِ خراسان کی استدعا پر فوری انکار

مامونِ رقی سے منقول ہے کہ میں جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ اتنے میں سہل ابنِ حسن جو خراسان کے رہنے والے بڑے مشہور و معروف رتبہ والے تھا آیا اور عرض کیا کہ ابنِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ معدنِ رحمت و رافت ہیں۔ اہلبیت

امامت و رسالت ہیں۔ پھر کیوں خاموش بیٹھے ہیں۔ اور کیوں اپنا حق طلب نہیں کرتے۔ خراسان میں ایک لاکھ شیعہ آپکے ہمراہ لڑنے اور جان دینے کو تیار ہیں۔ فرمایا اے مردِ خراسانی! ذرا صبر کر۔ اتنے میں مخلمہ اسے ایک خادمہ حاضر ہوئی۔ آپنے اُس سے پوچھا تنور روشن ہے؟ اُس نے عرض کی ہاں۔ آپ سہل ابنِ حسن خراسانی کے ساتھ تنور کے پاس گئے اور کہا کہ اس میں داخل تو ہو جاؤ۔ مردِ خراسانی یہ صورتِ حال دیکھکر کانپنے لگا۔ اور عرض کرنے لگا کہ مجھے اس سے معاف فرمایئے اور آگ میں نہ جلایئے۔ فرمایا میں نے تمہیں معاف کیا۔ یہ کہکر نظرِ مبارک جو اُٹھائی تو دیکھا کہ ہارون مکی کھڑے ہیں۔ آپ نے اُنہیں اشارہ کیا کہ اس میں کود پڑو۔ وہ کامل الایمان اور راسخ الاعتقاد اشارہ پاتے ہی تنور میں فوراً کود پڑا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام وہیں بیٹھ گئے۔ اور سہل ابنِ حسن سے باطمینان تمام باتیں کرنے لگے۔ آپ کے چہرہ سے انتشار و اضطرار کے مطلق آثار ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد سہل سے فرمایا۔ ہارون مکی کو تنور میں دیکھو۔ سہل نے کہا ہاں۔ اور یہ کہکر پھر دونوں پاس گئے تو دیکھا کہ ہارون محفوظ۔ صحیح و سالم۔ باطمینانِ تمام تنور میں بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد ہارون تنور سے صحیح و سالم باہر نکل آئے۔ آپ نے سہل سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ تمہارے خیال میں خراسان میں ایسے شیعہ کتنے ہونگے؟ عرض کی حضور میں ایسا تو ایک بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا ایک بھی نہیں؟ اُس نے عرض کی جی ہاں۔ ایک بھی نہیں۔ یہ سنکر ارشاد فرمایا تو پھر تم ہی کہو کہ ہم ایسے لوگوں کا کیا اعتبار کریں۔ اے سہل! ہم ہر امر کی وقت مقررہ اور موقع کو بخوبی جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔

ہم ان ہی دو واقعات کو اپنے مدعا کے ثبوت کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ شیعیانِ کوفہ کی درخواست کا حال۔ پہلے معلوم ہو چکا۔ خراسان کے ایک لاکھ شیعوں کی کیفیت بھی ابھی معلوم ہو گئی۔ اس سے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کو حقیقتاً ان امور کی خواہش ہوتی تو آپ ایسے موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیتے جو دنیا پرستوں اور زر پرستوں کے لیے نعماتِ غیر مترقبہ سے ہرگز کم نہیں تھا۔ مگر یہاں تو ابتدا ہی سے اس خیال کی طرف سے علیحدگی اور بے پروائی تھی اور شروع ہی سے ان طریقوں کی جانب سے قطعی انکار کیا جاتا تھا تو پھر اس کے متعلق کسی کی درخواست۔ کسی کی استدعا منظور فرمائی جاتی تو کیسے؟ جن حضرات کو علمِ تاریخ سے مذاقِ سلیم حاصل ہے وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی اس خموشی اور سنجیدگی کی عدیم المثال مثال کو آپ کے جدِ بزرگوار حضرت امیر المومنین علی ابنِ ابیطالب علیہ السّلام کی اُس بے نظیر احتیاط اور سلامت روی کے مقابل اور مساوی پائینگے جو آپ نے انعقادِ سقیفہ کی پُر آشوبی اور عام فسادی کے زمانہ میں اختیار فرمائی تھی۔

بہرحال۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ان امور میں سکوت اور خاموشی کو خاص کر اس غرض سے اختیار فرمایا تھا کہ آپ کے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں جو احکامِ الٰہی اور سننِ حضرت رسالت پناہی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پورا تعلق رکھتے تھے کوئی خلل واقع نہ ہو۔ یہ صرف دینیات کی تعلیم و تلقین ہی تھی جسکی ضرورتوں کے لیے اپنی عزلت گزینی اور خانہ نشینی کے محدود اوقات کو بھی اس حزم و احتیاط کا پابند بنا رکھا تھا۔ تعلیم و ترویجِ شرعی ہی کو وہ حضرات بسا غنیمت سمجھتے تھے اور ظلمہ وقت بادشاہانِ جور پر خروج بالسیف کا ارادہ مطلقاً دل میں نہیں رکھتے تھے۔ مگر منصور کی احسان فراموشی جناب صادق آلِ محمد علیہ السّلام کے ان محاسنِ اخلاق۔ سلامت روی۔ احتیاط اور خاموشی کی کوئی قدر نہ کرسکی۔ اُسکی خصومت و عداوت کی مضطربانہ گرجوشیاں اور سادات کشی کی مجنونانہ حرکات جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی اس بے نیازی اور غیر سروکاری کو آنکھوں سے دیکھکر بھی مطمئن نہ ہوسکیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی وفات

منصور نے جب کسی طرح اُن ترکیبوں سے بھی اپنی دلی تمنا وں کو پوری ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جو وہ آپکی ہلاکت اور جان

آپؑ کے متعلق پہلے سوچ لیا تھا تو اُس نے اپنی ان مخالفانہ
آرزوؤں کے پورا کرنے کے لیے آخر کار وہی خفیہ سازشیں
اختیار کیں جو ہمیشہ سے اِن اولیاء اللہ سلام اللہ علیہم کی
مقدس جان لینے اور خونِ ناحق کرنے کے لیے بانیانِ جور
اور ظالمانِ زمانہ اختیار کرتے آئے ہیں۔
اپنی حکومت کے دسویں برس ۱۴۸ھ میں منصور نے محمد ابن
سلیمان والی مدینہ کے پاس انگور زہر آلود بھیجے اور تاکید
کے ساتھ لکھ بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو یہ انگور کے دانے جناب
امام جعفر صادق علیہ السّلام کو کھلا دیے جائیں۔
حسب الحکم والی مدینہ محمد ابنِ سلیمان نے وہ انگور کے دانے
اپنے ایک معتمد شخص کے ہمراہ جناب امام جعفر صادق
علیہ السّلام کی خدمت میں بھیج دیے۔ آپ نے اُن میں سے چند
دانے نوش فرمائے۔ اُن دانوں کے کھاتے ہی زہر کی قاتل
قوت آپ کے تمام جسمِ مبارک میں سرایت کر گئی۔ وہ رات
بہر حال پندرھویں رجب و بروایت کافی شوال ۱۴۸ھ
کو عنقائے روحِ مبارک اعلےٰ علیینِ قدس کی طرف پرواز
کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون وکل شئ ھالک الا وجھہ

جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کی وصیتیں

منقول ہے کہ جب آپ کا وقت وفات قریب آیا تو آپ نے اپنے تمام
اعزا و اقربا کو اپنے پاس جمع کر کے اُن کو ہر قسم کے پند و نصائح
فرمائے اور منجملہ اُن کے نماز کے لیے بہت سخت تاکید کی۔
آپ نے فرمایا کہ جو شخص نماز کو ہلکا اور خفیف جانیگا اُس کو ہماری
شفاعت نصیب نہیں ہو گی۔ اور نیز صلۂ رحم و دیگر خصائلِ
حسنہ کی تاکید شدید فرمائی۔ اور ہر ایک کو اُن میں سے علےٰ
قدر مراتب اپنے انعام و اکرام سے بہرہ ور فرمایا اور رہگرائے
عالم بقا ہوئے۔
جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے
پدر عالیقدر کو پانچ پارچوں میں کفن دیا جس میں دو چادریں
مصری تھیں اور یہ وہی چادریں تھیں جن میں حضرت نے احرام
باندھے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی چادریں ہوں جو سبز انگور کے
ساتھ کو وہ قمیص پر حضرت کے لیے بہشت سے آئی تھیں۔
جس کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ ابن حجر نے صواعق محرقہ
میں کیا ہے۔
ایک عمامہ باندھا جو جناب امام زین العابدین علیہ السّلام
کی میراث میں آپ نے پہنا تھا۔ اور کچھ تعجب نہیں کہ وہی
ہو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلہ بسلسلہ
ہوتا ہوا حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام تک پہنچا تھا
جس کا قصہ بھی ذکر محدث مرحوم شیرازی نے کتاب لسان [illegible]
میں فرمایا ہے۔
الغرض جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام نے تجہیز و تکفین کے
بعد اپنے پدر بزرگوار کی لاش مطہر کو جنت البقیع میں مدفون
فرمایا۔ اس مقام مقدس پر اس وقت تک ایک [illegible] کلاں
گنبد موجود ہے۔ اس کے اندر سوائے حضرت عباس ابن
عبد المطلب عم محترم جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے چار امام معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین مدفون ہیں
وہ بزرگوار یہ ہیں۔ جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السّلام حضرت
امام زین العابدین علیہ السّلام۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام
اور جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام۔
اس مقام مطہر پر ایک پارہ سنگ مرمر پر ذیل کی عبارت
کندہ آج تک موجود ہے۔
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ مبید الامم و
محیی الرمم ھذا قبر فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سیدۃ نساء العالمین وقبر الحسن
ابن علی وعلی بن الحسین ومحمد ابن علی وجعفر ابن
محمد رضی اللہ عنہم۔
یہ اسی بقعۂ مبارکہ کی نسبت مقدسہ کا مخصوص شرف ہے کہ چار
معصومین علیہم السّلام یہاں مدفون ہیں۔ دنیا بھر میں سوا
اس کے اور کسی مقام کو یہ شرف حاصل نہیں ہے۔
جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ جو شخص میری قبر
کی زیارت کریگا حق تعالےٰ اُس کے گزشتہ اور آئندہ گناہ
بخش دیگا اور وہ کبھی محتاج و فقیر نہ ہوگا

امام علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات

آپ کی زوجۂ مکرمہ فاطمہ بنت حسین اصغر ابن جناب امام زین العابدین علیہ السلام تھیں۔ سوائے ان معظمہ کے مشکوئے امامت میں کوئی بی بی دوسری اور خاتون ثابت نہیں ہوتی۔ بعض علماء نے ان کو حسین اثرم ابن حسن ابن علی علیہما السلام کی صاحبزادی بتلایا ہے۔ بہرحال یہ خاتون حسین اثرم کی دختر ہوں یا حسین اصغر کی حسنی سادات ہوں یا حسینی۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ بہت غیور اور تسند مزاج تھیں۔ بعض مورخین نے انکے علاوہ آپ کی ازواج میں ایک بی بی کا نام لکھا ہے مگر اُن کا ٹھیک حال معلوم نہیں ہوتا کہ وہ محترمہ کون تھیں۔ اور کس قوم و قبیلہ سے تھیں۔ اگر بالفرض وہ تھیں بھی تو بے اولاد ضرور رہیں۔ کیونکہ علامہ ابن شہر آشوب نور اللہ مرقدہ اور دیگر علمائے کرام رضوان اللہ علیہم نے سوائے فاطمہ کے باقی آپ کی اولاد کو حرم سے بتلایا ہے۔ اور حرم میں بھی سوائے علیا مکرمہ حمیدہ خاتون کے جو معروف بہ حمیدہ مصفاۃ والدۂ ماجدۂ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھیں۔ حال نہیں کھلتا کہ کس قدر تھیں اور انکے کیا کیا نام تھے۔

امام علیہ السلام کی اولاد

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے سات صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں۔ اول اسمٰعیل المدعو بہ امین۔ دوم عبداللہ الملقب بہ ماھون۔ سوم ام فروہ۔ یہ تینوں بھائی بہن ایک ماں فاطمہ بنت حسین اصغر کے بطن سے تھے۔ چہارم حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام۔ پنجم اسحٰق۔ ششم محمد ایک ماں جناب حمیدہ خاتون کے بطن سے تھے۔ ہفتم عباس۔ ہشتم علی۔ نہم اسماء۔ دہم فاطمہ صغرا۔ یہ مختلف ماؤں سے تھے۔ رحمھم اللہ علیہم اجمعین۔

محاسنِ اخلاق و مکارمِ عادات

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی مبارک حیات کے تمام کمال آغاز ولادت سے لیکر یوم وفات تک ہم اپنے سلسلۂ بیان میں تحریر کر آئے ہیں۔ اب ہم اپنے آئندہ سلسلۂ بیان میں آپکے محاسنِ اخلاق اور مکارمِ عادات اور آپ کے وہ ارشادات عالیہ بھی تفصیل کے ساتھ مندرج کرتے ہیں جن سے آپکے محاسن اخلاق آپ کی تہذیب اور شائستگی کی پوری حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ عام اہلِ اسلام کو سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ وہی مقدس سلسلہ ہے جس سے تمام اہلِ اسلام نے اور اسلام پر کیا منحصر ہے تمام اہل عرب نے تہذیب۔ شائستگی اور اخلاق و آداب سیکھے۔ یہ وہی بزرگوار ہیں جن کے اعلیٰ محاسنِ اخلاق کا ثبوت انک لعلیٰ خلق عظیم کی نص صریح موجود ہے۔ یہ وہی مبارک طبقہ ہے اور مقدس سلسلہ جس کے فیضِ تعلیم نے عرب کی وحشی اور جاہل قوموں کو اخلاق کی تعلیم دی۔ معاشرت کے طریقے بتلائے۔ شائستگی کے آئین سکھلائے۔ غرض ان بادیہ نشینانِ وحشت کو حضیض ذلت سے نکالکر اوجِ عزت تک پہنچایا۔ اور اُن کو دنیا کی نگاہوں میں آدمی بنایا۔

جب ان ذواتِ مقدسہ اور نفوسِ مطہرہ کے محاسنِ اخلاق ایسے وسیع ہوں کہ اُنکے فیض و برکت سے تمام قومیں تفیض ہو کر تہذیب و شائستگی کے عرش الکمال تک پہنچ گئی ہوں۔ تو پھر انکے خاص اخلاق و شائستگی کا کیا کہنا۔ ان کے محامد تو کالشمس فی النصف النہار ظاہر و آشکار ہیں۔ جن کے لیے کسی تصریح و تشریح کی مطلق ضرورت باقی نہیں ہے۔ مگر تاہم اپنے سلسلۂ بیان قائم رکھنے کی غرض سے ہم ذیل میں چند واقعات بطور مشتے از خروار و یکے از ہزار درج کرتے ہیں۔

مہمان نوازی

یہ تو ظاہر ہے کہ اکرام ضیف اور اطعام مہمان اس خاندانِ اعلیٰ اور دودمان والا کے خاص معیار ہیں جو حضرت ہاشم کے وقت سے انکی مبارک ارث میں چلا آتا ہے۔ مہمان نوازی اور اطعام غربا سے آپ کو خاص شوق تھا اور ان امور میں بانفس نفیس اہتمام فرماتے تھے۔ کبھی آپ کا خوانِ کرم مسافرین۔ واردین اور صادرین سے خالی نہیں رہتا تھا۔ اور اپنے جد بزرگوار جناب ابراہیم علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی طرح بغیر مہمان کے خاصہ نوش نہ فرماتے

تھے۔ آپ کا وسیع دسترخوان طرح طرح کے الوانِ نعمت سے بھرا ہوا رہتا تھا ع براین خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست
مختلف قوم و قبیلہ کے لوگ آپ کے فیضِ عام سے فیضیاب ہوتے تھے۔ آپ کی مہمان نوازیوں میں خاطر و مدارات کے ایسے وسیع انتظام اور اہتمام کیے جاتے تھے کہ تمام مہمان حیرت سے نقشِ بدیوار بنجاتے تھے۔ جناب ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ایک لقمہ جو کوئی برادر مومن میرے ساتھ کھائے وہ میرے نزدیک ایک غلام کے آزاد کرنے سے افضل ہے۔

سلیمان ابن خالد بیان کرتے ہیں کہ [illegible] عمالِ شاہی میں سے کوئی شخص آپ کا مہمان ہوا۔ کھانے کا وقت آیا مختلف قسموں کے گوشت پکائے گئے تھے اور طرح طرح کی روٹیاں لائی گئی تھیں۔ جناب نے بسم اللہ کہکر کھانے لگے۔ جب لوگ خوب سیر ہو گئے تو ہر شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے میں آپکے خادم چاول لیکر حاضر ہوئے۔ تو ارشاد ہوا کہ انہیں بھی کھائیے۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہم تو خوب سیر ہو چکے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو کچھ بات نہیں۔ جو ہمارا دوست ہے وہ ہمارا کھانا کھانے کا بھی زیادہ مستحق ہے۔ آپکے اصرار کے مطابق سب لوگ پھر کھانا کھانے لگے تو آپ نے اُنکے مزید اطمینان کے لیے فرمایا کہ ایک بار جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضور میں خاصہ کے وقت چاول حاضر کیے گئے جو تحفہ کے طور پر بعض انصار کے ہاں سے آئے تھے۔ اُس وقت حضرات سلمان فارسی، مقداد اور ابوذر رضی اللہ تعالے عنہم حاضر تھے۔ ارشاد ہوا کھاؤ تو انہوں نے عذر کیا۔ ارشاد فرمایا ماصنعتم شیئا اشدکم حبا لنا احسنکم اکلا عندنا خوب کھاؤ۔ ہمارا بڑا دوست وہی ہے جو ہمارے ساتھ اچھی طرح کھائے۔ یہ سنکر حضرات صحابہ کبار نے خوب نوش فرمایا۔

اسی طرح ابو حمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا اتنے میں نہایت خوش مزہ اور لطیف کھانے آپکی خدمت میں لائے گئے جیسے میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے صاف و شفاف کھانے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اسکے بعد عمدہ اور اعلے قسم کے خرمے لائے گئے جو صفائی میں آئینہ سے بات کرتے تھے۔ ہم سب ملکر کھانے لگے۔ ہم میں سے ایک صاحب بول اٹھے ولتسئلن یومئذ عن النعیم یعنی نعمات کو جو تم اس وقت کھا رہے ہو ان کا بروز قیامت تم سے حساب لیا جائیگا۔

یہ سنکر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالے اس سے کہیں بزرگتر اور منزہ ہے کہ طعام خوشگوار جو تمہارے حلق سے اس وقت اتر رہا ہے اسکا حساب لے۔ خدا کی قسم اس آیۂ وافی ہدایہ میں نعمت سے ہم اہلبیت علیہم السلام کی محبت مراد ہے۔ یعنی روزِ قیامت سوال ہوگا کہ تم نے اس نعمتِ الٰہی کی کہاں تک قدر کی اور انکے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ دیکھو اسی نعمت کو دوسرے مقام پر خداوند تعالے یوں یاد دلاتا ہے اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی۔ اس نعمت سے وہی نعمت یعنی نصب امام [illegible] مراد ہے۔

محمد ابن زید شحّام ناقل ہیں کہ میں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھتا تھا۔ مجھ پر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر پڑ گئی۔ مجھکو اپنے پاس بلا لیا۔ اور جب آپکو یہ معلوم ہوا کہ میں شیعیانِ کوفہ سے ہوں تو مجھ کو اپنے ہمراہ دولتسرا لے گئے۔ دن بھر شب کو مجھے اپنا مہمان رکھکر [illegible]۔ صبح ہوئی تو مجھسے استفسار کیا کہ زادِ راہ کی قسم سے تیرے پاس کیا ہے؟ میرے پاس جو کچھ تھا وہ میں نے بیان کیا۔ یہ سنکر آپ نے اپنے پاس سے دس اشرفیاں اور بیس درم اسکے ساتھ جمع کر کے اضافہ فرمایا۔ میں رخصت ہوا۔ دوسری رات کو حاضر خدمت ہونے کا قصد کیا تھا خادم بھیجکر مجھے بلوایا۔ میں حاضر ہوا تو ارشاد کیا گیا کہ بار بار کہنے اور دعوت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک تم مدینہ میں رہو میرے مہمان ہو۔ اتنا فرماکر پھر کمال اشتیاق سے بیان فرمایا کہ جس چیز کی ضرورت یا جس شے کا شوق ہو مجھسے بلا تامل کہدو۔ میں نے عرض کی مجھے دودھ سے بہت شوق ہے۔ فوراً ایک دودھ دیتی ہوئی بکری منگاکر عنایت فرمائی اور ایک دعا تعلیم فرمائی اور حکم کیا کہ ماہ رجب میں ہر نماز کے بعد یہ دعا کرو۔ اسکا پڑھنا سنت ہے۔

محمد ابن راشد سے مروی ہے کہ مجھے گرمی کے دنوں میں آپکے ساتھ کھانا کھانے کا فخر حاصل ہوا۔ ایک خوان پُر از نان اور ایک کاسہ بزرگ گرما گرم گوشت کا جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی حاضر کیا گیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور فرمایا نستجیر باللہ من النار ونعوذ باللہ من النار۔ ہم کو اس گرمی کی تاب نہیں تو آتشِ جہنم کی کیونکر تاب لائینگے۔ ان کلمات کو مکرر فرمایا

تا اینکہ طعام سرد کھانے کے قابل ہو گیا ہم سب نے مل کر کھایا۔
پھر وہ اُٹھ گیا تو اعلیٰ قسم کے خرمے منھ میٹھا کرنے کیلئے لائی گئیں
میں نے عرض کی کہ یہ فصل تو انگوروں کی ہے اور دوسرے
میووں کی بھی۔ فرمایا ھٰذا اطیب۔ یہی خوب ہے۔
آپ کے خصائص کے متعلق تمام احادیث کی کتابوں میں لکھا ہے
کہ اعلیٰ قسم کے کھانے مثل گوشت اور دیگر نعمات کے مہمانوں
کو کھلاتے تھے اور خود نان و سرکہ پر قناعت فرماتے تھے۔ اور
ارشاد کرتے تھے کہ پیغمبروں کا طعام یہی ہے۔ اور ہم بھی یہی کھاتے
ہیں۔ چنانچہ عبدہ واسطی عجلان سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ
مجھ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ کھانا کھانے
کا اتفاق ہوا۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ بانتظار مہمان رات کو دیر سے کھانا
کھاتے تھے۔ اُس دن رات کو بھی وقت مقررہ پر دسترخوان بچھایا
گیا۔ اور سرکہ۔ روغن زیت اور گوشت حاضر کیا گیا۔ گوشت توڑ توڑ کر
تو میرے آگے رکھدیتے تھے اور سرکہ اور روغن زیت کے ہمراہ خود
روٹیاں تناول فرماتے تھے۔ اور ارشاد کرتے تھے کہ یہی انبیاء
علیہم السلام کا طعام ہے۔
عبد اللہ ابن بکیر ناقل ہیں کہ آپ اپنے مہمانوں کے ساتھ صبح کو
کھانا کھا رہے تھے اور اُس میں ہمیشہ نان و حلوا۔ مکھن اور پنیر
وغیرہ وغیرہ انواع و اقسام کے کھانے ہوا کرتے تھے۔ کسی نے
آپ سے کہا۔ خرچ کرنے میں تدبیر معاش اور دور اندیشی لازمی
اور ضروری ہے۔ ارشاد فرمایا کہ ہماری تدبیر معاش خدا کے حوالے
ہے۔ جب خدا تعالےٰ ہمارے رزق میں وسعت دیتا ہی تو ہم بھی
وسعت دیتے ہیں۔ جب اُدھر سے تنگی ہوتی ہے تو یہاں بھی تنگی
ہوتی ہے۔
ابو الحجاج بسطامی کا قول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
لوگوں پر اس قدر انفاق فرماتے تھے کہ اپنے اہل و عیال کی خرچ کیلیے بھی
کچھ نہیں رہنے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ طعام چاشت تناول فرماتے
تھے کہ ایک شخص آپ کے قریب آ گیا مگر اُس نے آپکو سلام نہ کیا۔
آپ نے اُسے دیکھکر کھانے کی دعوت کی۔ حاضرین میں سے ایک
صاحب نے عرض کی کہ یہ شخص جب سلام کرلیتا تو کھانے کی دعوت
کی گئی ہوتی۔ اِس نے عمداً ترکِ سلام کیا تو دعوت طعام کی کیا
ضرورت تھی۔ ارشاد فرمایا گیا کہ یہ عراق کی فقہ ہے۔ اور اس میں
بخل و کنجوسی کی بو آتی ہے۔
کسی کام کی ضرورت پیش آئی۔ خدام سامنے حاضر نہیں تھے
ایک مہمان نے اُٹھکر چاہا کہ وہ کام انجام دیدیں۔ یہ دیکھکر
امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُنہیں روک رکھا اور اٹھکر
خود وہ کام انجام دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے جد بزرگوار
جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سخت ممانعت
فرمائی ہے کہ میزبان کو لازم ہے کہ اپنے مہمان سے کسی قسم کی
خدمت نہ لے۔

پھلوں کی دعوت عامّہ کا اہتمام

آپ کی ملکیت میں خرموں کا ایک باغ تھا جسے عین الزیاد کہتے
تھے۔ اُس میں نہایت خوش مزہ اور خوش ذائقہ خرمے ہر سال
کثرت سے پیدا ہوا کرتے تھے۔ اُسکی سالانہ پیداوار کی قیمت کا
تخمینہ پانچ ہزار روپیہ کیا جاتا تھا۔ مگر آپ کبھی اسکے محاصل کی
طرف خیال نہیں فرماتے تھے۔ اور یہ رقم کبھی آپکے پاس نہیں
آتی تھی۔ اس لیے کہ اُسکی فصل کے تمام میوے آپ لوگوں کو کھلا دیتے
تھے۔ جب اس دعوت سے کچھ باقی رہجاتا تھا تو وہ بیچ دیا جاتا تھا
جس کی قیمت کبھی چار سو دینار سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔
اس کی دعوت کے جلسے مشہور نزدیک و دور تھے۔ حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک خاص اصحاب کی زبانی
یوں مرقوم ہے کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں عرض
کی کہ آپ جس طرح عین الزیاد کے محاصل کو صرف فرماتے ہیں
اُسکی تفصیل آپ ہی کی زبان مبارک سے سننا چاہتا ہوں۔
اُمید کہ آپ میری خاطر سے اُسے خود بیان فرمائیں گے۔ ارشاد
فرمایا۔ ہاں۔ جب خرموں کے پکنے کے دن آتے ہیں تو میں حکم عام
دیدیتا ہوں کہ باغ کی چہار دیواری توڑ کر ہر طرف راستہ کردیا جائے
تاکہ ہر طرف سے لوگ آ کر اُس کے پھل کھایا کریں۔ یہ دیکھکر
چاروں طرف سے کھانیوالے ٹوٹتے ہیں۔ جب سب جمع ہو جاتے
ہیں تو دس دس بڑے بڑے اور اُتنے ہی چوڑے ٹوکرے جن پر
دس دس آدمی بفراغت بیٹھ سکیں خرموں سے بھر کر اُنکے آگے

دھر دیئے جاتے ہیں۔ اوّل فی کس ایک مُد یعنی تین پاؤ (۳ تار) دیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد جس قدر وہ کھا سکیں دیا جاتا ہے۔ جب وہ کھا چکتے ہیں تو پھر سو آدمی کا غول آکر بیٹھتا ہے۔ وہ کھا چکتے ہیں تو پھر دوسرے لوگ آتے ہیں۔ یہی سلسلہ برابر لگا رہتا ہے یہاں تک کہ تمام چھوٹے بڑے۔ بوڑھے۔ جوان۔ بچے۔ مرد اور عورت اطراف وجوانب کے کھا جاتے ہیں۔ جو حاضر نہیں ہو سکتا اُس کا حصّہ بحساب فی کس ایک مُد اُس کے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ جب خوشے کاٹے جاتے ہیں تو باغ کے ملازموں نگہبانوں مرد و عورت کی اجرت دیکر باقی کو مدینۂ منوّرہ میں لاتے ہیں۔ اور وہاں بھی تقسیم کا سلسلہ ویسا ہی جاری رہتا ہے تا اینکہ جملہ ہمسایوں اور جملہ مستحقین کو کھلائے جاتے ہیں۔ حتّے کہ کئی بار شتر یہاں بھی خرچ صرف ہوتے ہیں۔ اس تقسیم کے بعد جو کچھ بچ رہتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ چار سو کی مالیت ہوتے ہیں۔

اضطراب وانتشار کی خاص حالتوں میں بھی مہمان نوازی اور اکرام ضیعت کے اہتمام فراموش نہیں کیے جاتے تھے اور نہ اُن میں کسی قسم کا تغیر وتبدل ثابت ہوتا تھا۔ حضرت اسمٰعیل کے ایسی چہیتے اور آپ برابر کے بیٹے کے مرنے کی خبر آئی تو جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام اُس وقت اپنے اصحابِ مخصوصین کے ساتھ خاصہ تناول فرما رہے تھے۔ اثنائے طعام میں حسبِ معمول اُسی طرح کمال شگفتہ روئی اور نہایت دلجوئی کے ساتھ اپنے دستِ مبارک سے کھانا مہمانوں کی طرف برابر سرکاتے رہے اور اُنکو خوب سیر ہو کر کھانے کے لیے بار بار تاکید فرماتے رہے۔ یہ تمام باتیں فرماتے تھے اور چہرۂ اقدس پر حزن وملال کے کوئی آثار نمایاں نہیں تھے۔ اصحاب میں سے کسی نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو ایسی خبرِ قیامت اثر پہنچی اور تاہم کوئی اثر نہوا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اصدق الصادقین نے خبر دی ہے کہ میں اور تم اور یہ تمام عالم فنا ہو جانیوالے ہیں۔ بندگانِ خدا تعالےٰ میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو موت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں جب اُن میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اُن پر نہ کوئی حالت طاری ہوتی ہے اور نہ اُنکے معمول میں کوئی فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ تابعِ حکمِ خدا ہوتے ہیں اور راضی برضا رہتے ہیں۔

خفیہ صدقات اور اُسکے فوائد

یہ محاسن بھی اہلبیت طاہرین علیہم السّلام کی خصائص میں داخل ہیں۔ اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح آپ اس محاسن کے اظہار میں بھی ید طولےٰ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپکے خادم خاص معلّےٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

ایک مرتبہ میں اندھیری رات میں جب پانی برس کر کھل گیا تھا اپنے گھر سے باہر نکلا۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کو دیکھا کہ آپ محلۂ بنی ساعدہ کی طرف تنہا تشریف لیے جاتے ہیں۔ میں بھی ساتھ ساتھ ہو لیا تھوڑی دور چلے تھے کہ کوئی شئے حضرت کے پاس سے گری۔ فرمایا بسم اللہ اللّٰہم ردہ الینا۔ جو شئے گر پڑی ہے پروردگار پھر اُسکو میری طرف لوٹا دے۔ معلّےٰ کا بیان ہے کہ اُس وقت میں نے آگے بڑھکر سلام کیا۔ فرمایا معلّےٰ ہے؟ میں نے عرض کی۔ ہاں۔ فرمایا جو شئے گر پڑی ہے اُٹھا کر مجھے دیدے۔ میں نے اُٹھایا تو دیکھا بہت سی روٹیاں زمین پر بکھری پڑی ہیں۔ میں زمین سے چُن چُن کر اُنکو آپ کو دیتا تھا۔ اور حضرت اُن کو ایک بڑے تھیلے میں جو آپ کے دوشِ مبارک پر رکھا ہوا تھا بھرتے جاتے تھے۔ جب تھیلا بالکل بھر گیا اور زمین پر بھی کوئی روٹی نہ رہی تو میں نے عرض کی کہ یہ بار مجھے دیدیا جائے کہ میں اسے لیکر ہمراہ چلوں۔ ارشاد ہوا کہ نہیں۔ ہاں ساتھ چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

غرض محلۂ بنی ساعدہ میں پہنچے تو دیکھا کہ کچھ لوگ وہاں پڑے سو رہے ہیں۔ حضرت ایک ایک دو دو روٹیاں اُن سب کے سرہانے رکھتے جاتے تھے کہ وہ تمام روٹیاں تقسیم ہو گئیں اور تھیلا خالی ہو گیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ تمام لوگ آپکے شیعوں سے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر شیعہ ہوتے تو روٹیوں کے ساتھ نان خورش بھی ہمراہ ہوتا۔ پھر ارشاد ہوا کہ اے معلّےٰ ہر نعمت کا جسے خدا تعالےٰ نے پیدا کیا ہے ایک محافظ اور خزانہ دار بھی ضرور ہے کہ اُسکا خزانہ دار خود حق سبحانہ وتعالےٰ ہے۔ میرے باپ (حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام) جب کوئی شئے خیرات کرتے تو اُسے سائل کو پہلے دیدیتے تھے۔ پھر اُس سے لیکر اُس شئے کو چومتے اور سونگھتے تھے۔ بعد ازاں

پھر دیدیتے تھے۔ اے معلّی! رات کا صدقہ پروردگار کی آتشِ غضب کو بجھاتا ہے۔ اور بڑے بڑے گناہوں کو مٹاتا ہے۔ اور حساب و کتاب کو ہلکا کرتا ہے۔ اور دن کی خیرات عمر و مال کو زیادہ کرتی ہے۔

اے معلّی! حضرت عیسےٰ علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السّلام دورانِ سفر میں دریا کے کنارے پہنچے تو آپ نے اپنے خاصہ کی ایک روٹی نکالکر دریا میں پھینکدی۔ اصحاب نے پوچھا حضرتؑ! آپ اپنے رزق کو یوں ضائع فرماتے ہیں اور بیکار پانی میں پھینکتے ہیں۔ فرمایا اسکو جانورانِ دریائی کھائینگے۔ اور اسکا ثواب ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کا ہمیشہ سے معمول تھا کہ جب کچھ رات گذر جاتی اور جب اچھی طرح چاروں طرف تاریکی پھیل جاتی تھی تو روٹیاں اور خشک گوشت پوست میں بھر کر دوشِ مبارک پر رکھتے اور کچھ نقدی پاس رکھ لیتے اور یکہ و تنہا درِ دولت سے نکل کر فقرا و مساکین کے محلوں میں جاتے اور وہ تمام و کمال اشیاء اُن پر تقسیم فرما دیتے تھے اور اُن کو مطلق خبر نہ ہوتی تھی کہ یہ چیزیں اُنکو کون دے گیا ہے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا اور وہ روزینہ اُن کا بند ہو گیا اُس وقت اُن غریبوں نے جانا کہ وہ حضرت ابو عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السّلام تھے جو قوتِ لایموت ہمارے [illegible] ہمارے گھروں پر پہنچا دیا کرتے تھے۔

ابو جعفر خثعمی بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام نے ایک کیسۂ زر عطا کیا کہ فلاں مردِ ہاشمی کو دے آ۔ اور ایک فرضی نام بتلا دیا کہ اُس سے کہدینا کہ یہ رقم تجھے اس شخص نے دی ہے۔ میں نے حسب الحکم وہ کیسہ اُسکو پہنچا دیا اور اُس فرضی شخص کا نام بھی اُس سے کہدیا۔ تو وہ مردِ ہاشمی اُس فرضی نام والے کا بہت ممنون ہوا اور کہنے لگا کہ حق تعالےٰ اُسے جزائے خیر دے۔ وہ ہمیشہ ہمیں مال بھیجتا ہے جسے ہم سالِ آئندہ تک صرف کیا کرتے ہیں۔ مگر جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام باوجود کثرتِ مال کے ہمسے کوڑی بھی سلوک نہیں کرتے۔

[illegible] کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام کو دیکھا کہ آپ اپنی ذاتِ مبارک بچھائے ہوئے ہیں اور [illegible] عدد تھیلیاں رکھی [illegible] آپ اپنے دستِ مبارک سے ایک ایک تھیلی اٹھاتے جاتے ہیں اور خادم کو دیدیکر کہتے جاتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کو دینا اور یہ فلاں آدمی کے حوالے کرنا اور کہنا کہ یہ مال تمہارے لیے عراق سے آیا ہے۔ جب وہ خادم وہ مال اُن لوگوں کو دے دیکر واپس آئے تو کہنے لگے کہ وہ سب لوگ آپ کی شکایت کرتے تھے۔ یہ سنکر آپ سجدے میں جھک گئے اور فرمانے لگے اللّٰھمّ اذل رقبتی لولد ابی۔ خداوندا! میری گردن کو میرے باپ کی اولاد کے سامنے جھکا دے کہ اُن کی زبان سے اپنی مذمت سنوں اور رحم فرماؤں۔

صلۂ رحم اور قرابت والوں کے ساتھ محاسنِ سلوک

صلۂ رحم کی ادا کاریوں میں جس قدر آپکو احتیاط مقصود تھی اُسکی مثال سے دنیا کی تمام قوموں کے کارنامے خالی پائے جاتے ہیں۔

صلۂ رحم کی کارروائیوں میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام اپنی آپ مثال تھے اور اس امرِ واجب کے خود عامل ہوتے تھے اور دوسروں کو بھی اسکا حکم فرماتے تھے۔ چنانچہ کتاب کافی میں منقول ہے عبداللہ محض نے ایک بار صبح کے وقت آپکے ساتھ سختی سے کلام کیے جنھیں آپنے نہایت تحمل کے ساتھ برداشت کر لیا۔ شام کو پھر اُن سے ملاقات ہوئی تو بکمال تازہ روئی و خندہ پیشانی سبقت فرما کر خود ارشاد کیا کیف امسیت یا ابا محمّد اے ابو محمد! جانتے ہو کہ صلۂ رحم کا ادا کرنا باعثِ تخفیفِ عذاب ہے؟ کہا تم تو ہمیشہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہو جن کو ہم قبول نہیں کر سکتے۔ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ میرے بیان پر نصِ صریح شاہد ہے۔ یہ کہکر آپنے آیۂ وافی ہدایہ والّذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربّھم ولا یخافون سوء الحساب۔ تلاوت فرمایا۔ عبداللہ محض یہ سُنکر قائل ہو گئے۔ اور عرض کی کہ اب مجھے آپ قاطعِ رحم کبھی نہ پائینگے۔

جب وقتِ وفات قریب آیا تو جملہ اعزا و اقارب حاضر تھے۔ ہر ایک کو کچھ مال دینے کی وصیت فرما رہے تھے۔ از آنجملہ ستر دینارِ طلائی آپنے اپنے پسرِ عم حسن افطس کو دیے جانے کا حکم فرمایا۔ سالمہ خادم زادہ حضرت بولا۔ افطس کے واسطے بھی آپ ایسی وصیت فرماتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہی شخص ہے جو خنجر لیکر بارادۂ قتل آپ پر چڑھ آیا

تھا۔ یہ سنکر آپ چیں بجبیں ہوئے۔ اور ارشاد فرمایا کہ تو چاہتا ہے کہ میں صلۂ رحم ادا نہ کروں۔ اور ان لوگوں میں نہ شامل ہوں جن کی مدح حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیۂ شریفہ میں یوں فرمائی ہے والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویخشون ربہم ویخافون سوء الحساب ۰ (وہ لوگ جو بموجب حکم خدا صلۂ رحم کرتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کی بُرائی سے اندیشناک رہتے ہیں) پھر فرمایا۔ سالم! میں حسن افطس کو لیے عطائے مال کی اس لیے وصیت کرتا ہوں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے بہشت کو پیدا کیا اور انواع عطیات سے اسکو خوشبو فرمایا حتیٰ کہ بوئے خوش اُسکی دو ہزار سال کی راہ تک پہنچتی ہے۔ مگر عاق والدین اور قاطع رحم اس سے دور رہینگے اور اسکی بو تک نہیں پہنچیگی۔ صلۂ رحم کرنا اور اقارب کے ساتھ بسلوک پیش آنا تو بہت سے آدمیوں کا معمول ہے۔ الّا ایسے احسان فراموش۔ ظالم اور خون کے پیاسے کے ساتھ صلۂ رحم کرنا ہر کسی کا کام نہیں

ابو نصر بخاری کی اسناد کے مطابق پہلے ستّر دینار کی وصیت فرمائی تھی۔ جب ایک پیرزن نے اہل خانہ سے اعتراض کیا تو حضرتؑ نے سَو دینار کا حکم دیا۔

بدی کا بدلا نیکی

ایک حاجی وارد مدینہ تھا۔ ایک مرتبہ مسجد رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سو گیا۔ بیدار ہوا تو اسکو وہم ہوا کہ ہزار دینار کی تھیلی جو میرے ساتھ تھی یہاں سے کسی نے اُٹھا لی ہے۔ ادھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ کسی کو نہ پایا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام گوشۂ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ شخص آپ کو مطلق پہچانتا نہ تھا۔ آپکے پیچھے پڑ گیا کہ تم ہی نے میری تھیلی لے لی ہے۔ فرمایا اُس میں کیا تھا؟ کہا ایک ہزار اشرفی۔ یہ سُنکر آپ اُسے دولت خانہ پر لے گئے اور وہاں ہزار اشرفی کی رقم اُسے گن دی۔ وہ شخص مال لیکر اپنے مقام پر واپس آیا تو اپنی تھیلی وہاں موجود پائی۔ دوڑا ہوا خدمت اقدس میں واپس آیا اور معذرت کرکے واپس کرنا چاہا تو آپنے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ دے چکے۔ پھر نہ لینگے ؎

زانکہ ما اہلبیتِ احسانیم ❊ ہرچہ دادیم باز نستانیم
ابر جودیم بر نشیب و فراز ❊ قطرہ از ما نہ ماند گرد باز
آفت بیم بر سپہر علےٰ ❊ نہ فتد عکس ما مگر سوئے ما

وہ مرد اجنبی آپ کی یہ عالی ظرفی اور بلند ہمتی دیکھکر حیران ہوگیا۔ باہر نکل کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔ تو کہنے لگا کہ صحیح ہے۔ اُنکو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

توکل بخدا

ایک مرتبہ معتّب ابن وکیل سے ارشاد کیا کہ غلہ روز بروز مدینہ میں گران ہوتا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں کس قدر غلہ ہوگا۔ معتّب نے عرض کی کہ زمانۂ موجودہ کی گرانی سے اور قحط سے کوئی خوف نہیں ہے۔ ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ ہے کہ عرصۂ دراز تک کافی ہوگا۔ ارشاد فرمایا کہ اُس کو فروخت کر ڈالو۔ معتّب نے کہا بیچنا غلہ کا مصلحت وقت نہیں۔ پھر ملنا دشوار ہو جائیگا۔ فرمایا۔ تو اس سے کیا۔ جو حال اوروں کا ہوگا وہی ہمارا ہوگا۔ اب ذخیرہ نہ رہنے پائے۔ جب الحکم معتّب نے تمام غلہ فروخت کر ڈالا۔ ارشاد ہوا کہ اے معتّب اب ہر روز اوروں کی طرح خرید کیا کرو۔ اور ضرور نہیں کہ سب گندم ہوں۔ نصف جو نصف گندم ملاکر روٹی پکائی جایا کرے۔ ہرچند کہ ہم کو یہ مقدور ہے کہ برابر گیہوں کھاتے رہیں گے۔ مگر مواسات چاہیئے۔ نیز حق تعالیٰ شانہٗ اندازہ وتقدیر معیشت کو درست رکھتا ہے۔

خاص شیعوں کیلیے مال امام علیہ السلام موقف تھا

ابی حنیفہ۔ سائق الحاج کہتا ہے کہ میرے اور میرے داماد کے درمیان میراث کی بابت میں تکرار ہو رہی تھی کہ مفضل جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے وکیل تشریف لائے اور ہم کو جھگڑتے ہوئے دیکھکر کھڑے ہو گئے۔ اور سُنتے رہے۔ بعد ازاں ہمکو اپنے ہمراہ لے گئے اور چار سو درہم پر ہمارا اُسکا فیصلہ فرما دیا۔ اور وہ چار سو درہم بھی اپنے پاس سے دیدیے اور ہم سے باز دعوٰے لکھا لیا۔ پھر ہم سے کہنے لگے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ روپیہ میں نے اپنے مال سے نہیں دیا ہے۔ بلکہ یہ مال جناب ابو عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ہے۔ آپ کا حکم عام ہے کہ جب ہمارے شیعوں سے کسی کو باہم

نزاع کرتے دیکھو تو ہمارے مال سے دیکر باہم اُن میں تصفیہ کردیا کرو۔ اس لیے میں نے یہ چار سو درہم امام علیہ السلام کے حسب الحکم آپ کے مال سے دیئے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کا مال مصالح مومنین کے لیے وقف عام تھا تمام وکلاء معین تھے کہ جہاں ضرورت دیکھیں بے تامل اُس کو خرچ کردیں۔ کوئی ضرورت آپ سے پوچھنے کی بھی نہیں تھی۔

فقراء کے مقابلہ میں امراء کی کم عزت کیجاتی تھی

ایک بار دو فقیر آپکے یمین و یسار بیٹھے تھے کہ ایک مالدار شخص آیا۔ آپنے اُسکو اپنی جگہ دی۔ وہ مستِ بادۂ غرور اس سے چین بجبیں ہوا اور زبانِ شکایت دراز کی۔ امام جعفر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے شخص یہ لوگ (فقراء) بادشاہ علے الاطلاق (خدائے سبحانہ وتعالےٰ) کی درگاہ کے امراء اور سپہدارانِ لشکر کش ہیں اگر رعایا بیڑ نوئے اسے انکے سامنے بیٹھے تو جائے تعجب نہیں۔ اسی طرح جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا ایک واقعہ بھی بہت مشہور ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مردِ غنی صاف ستھرے کپڑے پہنے آپ کی برابر بیٹھا تھا۔ ایک مردِ مفلس تنگدست بھی آنکے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اُس مالدار نے اپنے کپڑے اُس کی رانوں کے نیچے سے کھینچ لیے۔ جب جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھا تو شدتِ غضب سے برافروختہ ہوگئے اور بکمال قہر و طیش ارشاد فرمایا کہ اے مرد! کیا تجھ کو خوف ہوا کہ اسکی تنگدستی تجھے لگ جائیگی۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا تو کیا باعث ہوا کہ تو نے اسکے نیچے سے اپنا دامن کھینچ لیا۔ عرض کی کہ شیطان مجھ پر مسلط ہوتا ہے۔ اور ہر امر معیوب کو میری نگاہ میں خوب اور ہر امرِ خوب کو معیوب جلوہ گر کردیتا ہے۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ گواہ رہیں کہ میں نے اپنا نصف مال اس شخص کو اسکی بے حرمتی کے عوض میں دیدیا۔ اُس مردِ غنی نے تو اپنی علوہمتی کا یوں ثبوت دیا مگر وہ مردِ فقیر بھی دل چلا اور ہمت والا تھا۔ اُس مال کے لینے سے قطعی انکار کردیا اور کہا کہ دولت مایۂ شر و فساد ہے جس نے اس کو مغرور بنادیا میں یہ دولت لینا نہیں چاہتا۔ شاید کہ اسکی وجہ سے یہ

تا ہنجار عادت مجھ میں بھی آجائے۔

سائلوں کے ساتھ سلوک

مُلّا مجلسی علیہ الرحمہ بحار الانوار میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مقام منٰے میں آپ انگور تناول فرما رہے تھے کہ ایک سائل آیا۔ حضرت نے ایک خوشۂ انگور اُسے عنایت فرمایا۔ اُس بدبخت نے کہا مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔ کچھ نقدی ملنی چاہیے۔ آپ نے اُس سے خوشۂ انگور واپس لے لیا۔ اُسکے بعد ایک دوسرا سائل آیا تین دانے اُسے عنایت فرمائے۔ اُس نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے رزق عطا کیا۔ آپ نے دونوں ہاتھ بھر کر پھر انگور اُسکو دیئے۔ اُس نے پھر خدا کی حمد کی تیس درہم بھی عنایت فرمائے گئے سائل پھر شکرِ خدا بجالایا۔ جو پیراہن اُس وقت پہنے ہوئے تھے بدنِ مبارک سے اُتار کر اُسے حوالہ کردیا۔ اُسنے کہا جزاک اللہ خیرًا اور چلا گیا۔

راوی حدیث کا بیان ہے کہ وہ اگر ایسے ہی حمدِ خدا بجالاتا اور خصوصیت کے ساتھ آپکو دعا نہ دیتا تو آپ اُسے ابھی کچھ اور دیتے۔

مشارق الانوار میں منقول ہے کہ ایک مردِ فقیر نے آپ سے سوال کیا۔ غلام کو حکم ہوا کہ چار سو دینار جو تیرے پاس ہیں اسے دیدے چنانچہ وہ رقم اُسے دیدی گئی۔ اور وہ سائل شکر کرتا ہوا چلا گیا۔ غلام سے ارشاد ہوا کہ اُسے واپس بُلالے۔ مردِ فقیر ڈرا۔ شاید کہ رقم عطیہ واپس لینا چاہتے ہیں۔ آیا اور عرض کی کہ آپ نے جو عنایت فرمایا وہ مجھے مل گیا۔ اب واپس لینے کی کیا وجہ ہے؟ ارشاد کیا کہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین خیرات وہ ہے جو مردِ مستحق کو غنی کردے۔ چار سو درہم سے تو غنی نہیں ہوسکتا۔ یہ میرے ہاتھ کی انگوٹھی بھی لے لے۔ اسکی قیمت دس ہزار درہم ہیں۔ ضرورت کے وقت اسکو فروخت کرلیجیو۔

اشجع اسلمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا اور آپکو مریض پاکر عیادت اور مزاج پرسی کی باتیں کرنے لگا۔ اور دعائیں دینے لگا کہ خدائے سبحانہ وتعالےٰ آپکو شفا بخشے اور امراض کو تمہارے جسم سے دور فرمائے۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ ان باتوں کو چھوڑدے۔ اپنی حاجت بیان کر۔ اُسنے کہا اپنی ضرورت

و اعتیاج بیان کی۔ آپ نے غلام سے دریافت کیا کہ تیرے پاس کیا ہے؟ عرض کی چار سو درہم۔ فرمایا کہ اشجع کے حوالے کر دو۔ پھر یہ اشعار پڑھے ؎

اذا ما طلبت خصال الذی وقد عضک الدھر من جدہ
فلا یطلبن الی کالح اصاب الیسارۃ من کدہ
ولکن علیک باھل العلی ومن ورث المجد عن جدہ
فذاک اذا جئتہ طالبا یحب الجسارۃ من جدہ

جب تجھے کسی کے جود وعطا یا کی ضرورت ہو در آنحالیکہ تجھے زمانہ کی سختیوں نے ایذا دے رکھی ہو تو لئیم بدطینت کے آگے دستِ طلب دراز نہ کرنا جس نے محنت و مشقت سے تونگری حاصل کی ہو۔ بلکہ شرفاء و بزرگان سے مانگو کہ جنھوں نے شرف و بزرگی آباؤ اجداد سے میراث میں پائی ہو۔ پس جب تو ان سے سوال کریگا تو وہ اپنے طاقت و مقدور سے بڑھکر تیرے ساتھ احسان کرینگے۔

امالی شیخ طوسی علیہ الرحمہ میں اس قدر اور اضافہ کیا گیا ہے کہ آپ نے اُسے ایک انگوٹھی دس ہزار روپیہ کی عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے خیر العطایا ما ابقی نعمۃ باقیہ۔ اشجع سلمی نے جو یہ جود و سخا اس بحرِ عطا کی دیکھی تو عرض کی یا حضرت! آپ نے مجھے محتاج سے غنی کر دیا۔ اب میرا ایک اور سوال ہے۔ اکثر سفر میں رہتا ہوں۔ اور بعض اوقات خوفناک مقامات میں گزر ہوتا ہے۔ کوئی دعا مجھے تلقین فرمائیے کہ میں جمیع آفات سے محفوظ رہوں۔ فرمایا جب تمہیں ایسا اتفاق پیش آیا کرے تو دہنا ہاتھ سر پر رکھکر باوازِ بلند کہا کرو افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا وکرھا والیہ ترجعون۔ اشجع کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ایسی جگہ رہ گیا جہاں جنات کا دخل تھا۔ ایک آواز میرے کان میں آئی کہ اس کو پکڑ لو۔ میں نے فوراً اس آیہ شریفہ قرآنی کی تلاوت کی تو دوسری آواز آئی کہ اس کو کیونکر پکڑیں۔ اس نے تو آیہ قرآنی سے اپنی حراست کر لی۔

انتہادرجہ کی احتیاط

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک ہزار اشرفی اپنے غلام مصادف نامی کو دی کہ آپکی طرف سے تجارت کرے۔ اُس نے مالِ تجارت بھرا۔ اور قافلۂ تجار کے ساتھ مصر کو روانہ ہوا۔ شہر کے نزدیک پہنچا تو معلوم ہوا کہ جو جنس لیکر وہ آیا ہے مصر میں بہت کمیاب ہے۔ یہ سنکر اُن تمام تجار نے باہم عہد کر لیا کہ کوئی ارزاں فروخت نہ کرے۔ اس سبب سے سب کو نفع کثیر ہوا۔ مصادف کے پاس بھی دونی جمع ہو گئی۔ مگر جب اس نے اصل اور نفع کے دونوں توڑے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس رکھدیئے تو آپ نے استفسار فرمایا کہ اتنا مال کہاں سے آیا ہے۔ مصادف نے ساری روئداد بیان کی۔ اب بجائے اسکے کہ آپ زیادہ نفع سے خوش ہوتے۔ ناراض ہوئے۔ اور ایک حبہ بھی زرِ نافع سے نہ لیا۔ فرمایا سبحان اللہ! مسلمانوں کے ساتھ یہ سب مکر؟ اے مصادف! تلوار کی دھار پر راہ چلنا اکلِ حلال حاصل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔

زکوٰۃ فطر میں احتیاط

فطرۂ عیدِ صیام میں بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ اسکے نکالنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ بسبب اپنے وکیل کو حکم عام دے رکھا تھا کہ میرے اہل وعیال۔ خورد و بزرگ۔ بندہ و آزاد سے کوئی ایسا باقی نہ رہے جس کا فطرہ نہ دیا جائے۔ کیونکہ جس کا فطرہ ادا نہ ہوگا مجھے خوف ہے کہ وہ سالِ آیندہ تک زندہ نہ رہے۔ اور جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرماتے تھے کہ صاع بھر خرما اگر فطرہ میں دیا جائے تو یہ حق تعالےٰ کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع سونا خیرات کیا جائے۔

شکرِ سفید کو سب سے زیادہ خدا کی راہ میں خیرات کرتے تھے کیونکہ یہ آپ کو بہت مرغوب الطبع تھی۔ اور اکثر فرماتے تھے کہ تمام اشیاء خوردنی میں شیرینی مجھے زیادہ پسند ہے۔ اسی لیئے جب سب سے زیادہ اسی کو خدا کی راہ میں خیرات کرتا ہوں۔ کیونکہ حق سبحانہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ تم کو نیکی نہیں مل سکتی جب تک کہ تم وہ چیزیں اپنے مال سے خیرات کرو جنہیں تم سب سے زیادہ دوست رکھتے ہو۔
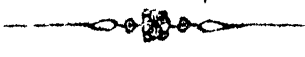
ادائے حقوق میں عجلت

چند مزدور آپ کے باغ میں کام کر رہے تھے۔ عصر کے وقت تک انتہا تھی۔ فارغ ہوئے تو معتب سے فرمایا کہ انکی اجرت قبل اسکے کہ انکے بدن کا پسینہ خشک ہو ادا کر دو۔ یہ سنتِ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے۔ کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ مزدور کی مزدوری اُنکے عرق بدن خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔

ادائے شکر میں عجلت

معاذ یہ ابنِ وہب سے مروی ہے کہ میں جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی رکاب میں حاضر تھا اور آپ اپنے دراز گوش پر سوار تھے اور بازارِ مدینۂ منورہ میں تشریف لیجا رہے تھے کہ یکایک ایک مقام پر اُترے اور سجدۂ خالق میں فرقِ مبارک جُھکا دیا۔ میں نے اس کا باعث دریافت کیا تو فرمایا ایک نعمت نعماتِ الٰہی میں سے مجھے یاد آئی۔ میرے دل نے نہ چاہا کہ اُسکے شکریہ میں کوئی توقّف کیا جائے۔

جفاکشی اور محنت

جفاکشی اور محنت بھی آپ کی عاداتِ کریمانہ میں داخل تھی بعض وقت سخت سے سخت کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ اور اسے مطلق عیب نہیں جانتے تھے۔ ابو حمزہ شیبانی کا بیان ہے کہ میں نے جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ موٹے کپڑے کا تہبند باندھے اور بیلچہ ہاتھ میں لیے باغ میں کام کر رہے ہیں اور بدنِ مبارک تمام عرق عرق ہو رہا ہے۔ عرض کی۔ میں فدا آپ پر یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمایا جائے کہ یہ خدمت میں بجا لاؤں۔ ارشاد ہوا کہ طلبِ معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں ہے۔

اسمٰعیل ابنِ جابر کا بیان ہے کہ میں نے حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام کو دیکھا کہ ایک کرتہ موٹے گاڑھے کا کہ تنگی سے بدنِ اقدس پر چسپاں ہے پہنے ہوئے بیلچہ ہاتھ میں لیے درختوں میں پانی سینچ رہے ہیں۔

داؤد کا بیان ہے کہ میں نے ایک بار حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام کو دیکھا کہ خرمے اپنے ہاتھوں سے وزن کر رہے ہیں۔ عرض کی فدا ہوں آپ پر یہ غلاموں یا لڑکوں میں کسی کو حکم ہو کہ اس کام کو انجام دے۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔

لباس اور روزمرّہ کی پوشاک

آپ کا لباس اکثر اوقات موٹے کپڑے یا بالوں کا ہوتا تھا جیسا کہ آپ کے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔ گاہ گاہ اُس میں پیوند بھی لگے رہتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ پیراہنِ اقدس میں چند مقام پر پیوند بھی لگے تھے۔ اصحاب میں سے ایک صاحب انکو دیکھنے لگے۔ آپ نے پوچھا کیا دیکھتے ہو؟ عرض کی حضرت کی قمیص میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ ایک کتاب سامنے رکھی تھی۔ ارشاد ہوا اسکو پڑھو تو اس میں کیا لکھا ہے۔ دیکھا تو اُس میں لکھا تھا لا ایمان لمن لا حیاء لہ ولا مال لمن لا تقدیر لہ ولا جدید لمن لا خلق لہ۔ جسے حیا نہیں اُس کا ایمان نہیں۔ جو اندازہ نہیں رکھتا غنی نہیں ہوتا۔ جو پرانا نہیں پہنتا اُسے نیا میسّر نہیں ہوتا۔

تواضع اور انکسار

عزیزوں میں کسی کے لڑکے نے قضا کی۔ اُسکی ماتم پرسی میں تشریف لے گئے۔ راہ میں بندِ نعلین ٹوٹ گیا نعلین کو اُٹھا کر ہاتھ میں لے لیا اور روانہ ہوئے۔ اصحاب میں سے کسی نے بندِ نعل حاضر کیا منظور نہ ہوا۔ ارشاد ہوا کہ صاحبِ مصیبت کو اسی پر صبر و قناعت کرنا اولیٰ ہے۔ پس اُسی طرح برہنہ پا تشریف لے گئے۔ اور ماتم پرسی فرمائی۔

عبادت

عادتِ کریمہ میں داخل تھا کہ جس وقت کوئی حاجت پیش آتی تو مسجد میں جا کر جنابِ قاضی الحاجات کی درگاہ میں مناجات فرماتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ جب میں تنگدست ہوتا ہوں تو

خیرات دیکر حق تعالٰے سے تجارت کرتا ہوں۔ یعنی تھوڑا دیکر زیادہ لیتا ہوں۔

ایک مرتبہ اپنے فرزندِ ارجمند محمد سے فرمایا کہ تمہارے پاس جو مال آیا تھا اُس میں سے کتنا باقی ہوگا؟ عرض کی چالیس دینار۔ فرمایا انہیں راہِ خدا میں خیرات کر دو۔ عرض کی اس کے سوا روزمرہ کی خرچ کے لیے کچھ باقی نہیں ہے۔ فرمایا۔ اُسے راہِ خدا میں دے ڈالو۔ حق سبحانہ و تعالٰے اس کے عوض بہت زیادہ دیگا۔ پھر فرمایا۔ اے فرزند! تمہیں معلوم نہیں کہ ہر چیز کی ایک کنجی ہوتی ہے اور رزق کی کنجی تصدق و خیرات ہے۔ محمد نے حسب الحکم وہ دینار راہِ خدا میں خیرات کر دیے۔ دس روز نہ گزرے تھے کہ حضرت کے پاس ایک جگہ سے چار ہزار دینار آ گئے۔ فرمایا۔ اے فرزند! دیکھا تم نے چالیس دینار اُس کی راہ میں دیے۔ اُس جلّ جلالہ و عم نوالہ نے اُسکے عوض میں چار ہزار بھجوا دیے۔

عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ دیکھنے والے آپکی شانِ عبادت دیکھکر حیران رہجاتے تھے۔ مالک ابنِ انس آپکو قائم اللیل و صائم النہار کہتے تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کوفی نے ایک بار آپکی نماز دیکھی تو تعجب سے کہا ما اصبرك على الصلوٰۃ یا ابا عبد اللہ تمہاری نماز کس قدر سخت نماز ہوتی ہے۔ فرمایا اما سمعت ان الصلوٰۃ قربان کل تقی۔ تجھے نہیں معلوم ہے کہ نماز تمام تقویٰ سے زیادہ تر قربِ خدا کا باعث ہے

ذکرِ رکوع و سجود کو اتنا طول فرماتے تھے کہ ساٹھ ساٹھ بار بلکہ اس سے زیادہ ہو جاتے تھے۔ منصور صیقل گر کا بیان ہے کہ میں حج کو گیا تھا اثنائے راہ میں مدینہ میں میرا گزر ہوا۔ روضۂ جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر گیا تو دیکھا کہ جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام سجدے میں پڑے ہیں۔ میں بیٹھ گیا کہ فارغ ہوں تو میں زیارت کا شرف حاصل کروں۔ اسی انتظار میں بیٹھا رہا یہانتک کہ بیٹھے بیٹھے اُکتا گیا۔ مگر حضرتؑ سجدے سے نہ اُٹھے۔ تب میں نے سوچا کہ میں آگے جاکر سجدہ کروں اور ذکرِ تسبیح سجدہ کو چیخ چیخ کر پڑھوں۔ شاید میری آواز سنکر اپنا سجدہ تمام کریں۔ یہ سوچکر میں سجدہ میں جھک گیا اور سبحان ربی الاعلٰے زور زور سے کہنا شروع کیا۔ تا اینکہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) مرتبہ سے کچھ اوپر کہا۔ اُس وقت سر مبارک سجدے سے اُٹھایا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ میں بھی پیچھے پیچھے چلا اور عرض کی۔ فدا ہوں آپ پر۔ جب آپکی عبادت کی یہ کیفیت ہے تو ہمکو اس بارے میں کیا کچھ سعی نہ کرنی چاہیے۔ فرمایا ہمارے شیعوں سے قلیل و کثیر سب قبول ہیں۔

حفص ابنِ غیاث ناقل ہیں کہ ایک بار میں جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی رکاب میں حاضر تھا۔ آپ باغہائے کوفہ میں جا رہے تھے کہ چلتے چلتے ایک خرمے کے درخت کے نیچے پہنچکر وضو کیا۔ اور مشغولِ نماز ہوئے۔ اُس میں ذکرِ رکوع و سجود کو اتنا طول دیا کہ میں نے پانسو مرتبہ تسبیح سُنی۔ پھر درخت کے سہارے کھڑے ہوکر کچھ دعائیں پڑھتے رہے۔ بعد ازاں فرمایا اے حفص یہ وہی درخت ہے جس سے حضرتِ مریم علٰے نبینا و آلہ و علیہا السلام کے لیے رطب تازہ گرے تھے۔

عفوِ جرائم اور عام فروگزاشت

غلاموں پر نہایت مہربان تھے۔ اُن پر کمال ملاطفت فرماتے تھے۔ اور اُنکی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی غلام کو کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ دیر ہوئی اور وہ واپس نہ آیا تو خود اُس کی تلاش کو چلے۔ دیکھا کہ ایک مقام پر سو رہا ہے۔ بجائے اِسکے کہ اُس پر خفا ہوں اور زجر و توبیخ فرمائیں اُسکے سرہانے بیٹھ گئے اور اُسے پنکھا جھلنے لگے۔ حتیٰ کہ وہ خود خواب سے بیدار ہوا۔ اُس وقت بکمال ملاطفت فرمایا۔ اے شخص! تیری کیا عادت ہے کہ دن رات سوئے جاتا ہے۔ رات سونے کے لیے ہے اور دن کام کرنے کے لیے۔

ایک غلام عجمی کو پیغام لیکر کسی کے پاس بھیجا۔ جواب لیکر آیا تو حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام پوچھنے لگے۔ وہ ایسا جواب دیتا تھا کہ آپ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ آخر کار اُس نے اُسکی طرف تیز و تند نگاہ سے دیکھا۔ مجھے گمان ہوا کہ اب ضرور ہے کہ آپ اُسے جھڑکیں مگر بہت جلد وہ کیفیت جاتی رہی۔ فرمایا تو اتنا کہ تیری زبان تو کند ہے مگر دل کھوٹا نہیں ہے۔ کندی زبان اگر حیا و عفت کے ساتھ ہو تو علامتِ ایمان ہے جیسا کہ بدگوئی اور فحش اور زبان درازی نفاق کی نشانیاں ہیں۔

ارشاد فرماتے تھے کہ جب ایک غلام سات برس تک خدمت کر چکے تو چاہیے کہ اُسے آزاد کر دیں۔ علمائے کرام نے اس امر کو سنتِ موکدہ پر محمول کیا ہے۔ اس سے وجوب مراد نہیں لیا۔

قبر التابعین سفیانِ ثوری ناقل ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو رہا ہے۔ عرض کی یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یہ کیا حالت ہے؟ خیریت تو ہے؟ فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ کوئی بام خانہ پر نہ چڑھے۔ اس وقت جو گھر میں گیا تو دیکھا کہ ایک کنیز جو ایک بچے کی پرورش پر مقرر تھی اُسکو گود میں لیے زینہ سے اوپر جا رہی ہے۔ مجھ کو دیکھا تو خوف و ہراس میں بے طاری ہوا۔ اور اُسی بدحواسی میں بچہ اُسکی گود سے گر پڑا۔ اور جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ مجھ کو بچے کے تلف ہو جانیکا اتنا خیال نہیں جتنا کہ اس امر کا قلق ہے کہ کیوں ایسا رعب و ہراس کنیز پر ہوا۔ پس تین بار باآوازِ بلند فرمایا لابأس علیك اے کنیز! ذرا اندیشہ نہ کر۔ میں نے تجھے رضائے الٰہی کے لیے آزاد کر دیا

مصیبت پر صبر

اَشجی سے منقول ہے کہ میں جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آقازادوں سے ایک مریض تھے اُنکی عیادت منظور تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت حزین و ملول درِ دولت پر کھڑے ہیں۔ پس آپ اندر تشریف لے گئے تھوڑی دیر وہاں توقف ہوا ہوگا۔ پھر جو باہر تشریف لائے تو حالت بدل گئی آثارِ حزن و ملال چہرۂ مبارک پر باقی نہ رہے۔ ہمکو گمان ہوا کہ اب صاحبزادے کو آرام ہے۔ عرض کی صاحبزادے کی کیا کیفیت ہے؟ فرمایا اُس نے تو قضا کی۔ عرض کی زندگی میں پریشان تھے۔ انتقال کے بعد انتشار و ملال نہیں؟ فرمایا ہم اہلبیتِ طاہرین علیہم السلام کا یہی قاعدہ ہے کہ نزولِ بلا سے پہلے مضطرب و پریشان ہوتے ہیں۔ جب وہ نازل ہو جاتی ہے تو قضائے الٰہی پر راضی ہو جاتے ہیں اور اُسکو تسلیم کر لیتے ہیں۔

ایک بچہ آپ کا کم سنی میں فوت ہو گیا مستورات نالہ و فریاد کرنے لگیں۔ حضرتؑ نے انہیں قسم دیکر منع کر دیا جب اُسے دفن کرنے لے چلے تو فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہم ان مصائب پر شکر کرتے ہیں اور ہماری خدا سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ دفن کرنے لگے تو فرمایا اے فرزند! خداوند تعالیٰ تمہاری لحد کو فراخ کرے۔ اور ہمارے جدِ امجد جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں باریاب فرمائے۔ اور حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ ہم اہلبیت علیہم السلام جس کے حق میں جو چاہتے ہیں دعا کرتے ہیں خدائے جل شانہ وہ ہمیں عطا کرتا ہے۔ مگر جب وہ ہماری خواہش کے خلاف کام کرنا چاہتا ہے تو پھر ہم بھی اُسی پر راضی ہو جاتے ہیں۔

عاداتِ کریمہ

خوشبو و عطریات کا بہت استعمال فرماتے تھے۔ اور صوم میں اسکی زیادتی کر دیتے تھے۔ اور ارشاد فرماتے تھے الطیب تحفة الصائم۔ خوشبو روزہ دار کا تحفہ ہے۔

کوئی پھول ملجاتا تو پہلے سونگھتے اور پھر سونگھکر اُسے آنکھوں سے لگاتے اور فرماتے جو پھول سونگھکر آنکھوں سے لگائے اور درود بھیجے محمد و آلِ محمد علیہم السلام پر اُسکے گناہ بخشدیے جاتے ہیں۔

بیشتر اوقات روبقبلہ ہوتے۔ گھر پر زیادہ دروازے کے قریب قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ دہنے پاؤں کو بائیں ران پر رکھے بیٹھے تھے کسی نے کہا یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لوگ ایسی نشست کو مکروہ تبلاتے ہیں۔ فرمایا مکروہ نہیں ہے۔ یہ مقولہ یہودیوں کا ہے۔ ہاں چار زانو بیٹھنے سے خصوصاً تنگ جگہ میں کراہت فرماتے تھے۔

حجرۂ مقدسہ کے دروازے کے اوپر اور اندر جانبِ قبلہ آیۃ الکرسی لکھی ہوئی تھی۔ سات ہاتھ سے زیادہ مکان اونچا کرنے کو منع فرماتے تھے۔

حمام میں غسل فرمانیکے لیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپکو دیکھکر حمامی نے عرض کی کہ اگر ارشاد ہو تو آپکے لیے حمام کو تمام لوگوں سے خالی کرا دوں۔ فرمایا کچھ ضرورت نہیں۔ مومن کے واسطے اتنا تکلف نہیں چاہیے۔ وہ ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔

عبداللہ سنان وغیرہ غسل کیے حمام سے آرہے تھے راہ میں جناب

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ یہ معلوم فرما کے کہ لوگ غسل کرکے واپس آرہے ہیں فرمایا انقی اللہ غسلکم۔ خدا تمہارے غسل کو پاک و پاکیزہ فرمائے۔ پھر خود حمام سے باہر ہوئے تو انہوں نے انہی لفظوں میں آپکے لیے دعا کی۔ آپنے ان کو جواب دیا طہرکم اللہ۔ خدا تمہیں پاک و پاکیزہ فرمائے۔

فراست وقیافہ شناسی

زرارہ سے منقول ہے کہ میں اور عبدالواحد ابن مختار اور عبید ابن نعمان حاضر خدمت بابرکت تھے عمر ابن شیرہ کندی بھی موجود تھا۔ لیکن تھوڑی دیر میں اٹھکر چلا گیا۔ ہم لوگ اسکی مدح و ثنا کرنے لگے کہ وہ بڑا زاہد۔ پرہیزگار اور متقی ہے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ تم آدمیوں کو پہچاننے میں خطا کرتے ہو۔ اور ہم ایک ہی نظر میں پہچان لیتے ہیں کہ کس قماش کا ہے۔ یہ شخص بہت بڑا خبیث ہے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ پھر جو اسکی نسبت تحقیق کی گئی تو واقعی وہ بہت بڑا خبیث نکلا۔ اور ارتکاب محرمات میں بڑا بیباک تھا۔

منصور دوانقی کے حسب الطلب حیرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اسکے امیروں میں سے کسی امیر کے لڑکے کا ختنہ تھا۔ دعوت میں اکثر عمائد شامل تھے۔ آپ بھی تشریف رکھتے تھے۔ کھانا چنا گیا۔ حاضرین نے کھانا شروع کیا۔ ایک شخص نے پانی طلب کیا۔ پانی کی جگہ اسکے لیے شراب کا پیالہ لائے۔ جونہی اس مرد نے پیالہ ہاتھ میں لیکر چاہا کہ منہہ کو لگائے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے سبب دریافت کیا گیا تو ارشاد ہوا کہ ملعون ہے وہ شخص جو اس دعوت میں شریک ہو جس میں شراب کا استعمال کیا جائے۔

ایک بار آپ نے پانی طلب کیا۔ ایک پیالہ میں پانی لائے جس میں چاندی کے پتر جڑے ہوئے تھے۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ دندان مبارک سے ان پتروں کو اکھاڑے دیتے ہیں۔

احکامِ شریعت کی ترویج و اشاعت

باوجود اسکے کہ سلطنت کی طرف سے آپ بالکل ان امور میں مجبور و معذور کردیے گئے تھے اور آپکی تعلیم و ہدایت بھی اصحاب مخصوصین تک محدود کردی گئی تھی۔ مگر تاہم آپ اعلائے کلمۃ الحق اور اعلان علے المطلق کی کوششوں سے باز نہیں رہتے تھے۔

چنانچہ موسم حج میں مقام منے میں تشریف رکھتے تھے۔ مقامات حج اور احکام واجبہ کا ایک دن یوں اعلان فرمایا اور خلائق کو طریقۂ حقہ کی طرف ان الفاظ میں دعوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

یاایہا الناس! جناب رسول خدا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمہارے امام حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں پھر حضرت امام حسن علیہ السلام۔ پھر حضرت امام حسین علیہ السلام۔ پھر امام زین العابدین علیہ السلام۔ پھر امام محمد باقر علیہ السلام۔ ان حضرت کے بعد میں تم لوگوں کا امام ہوں۔ جو کچھ چاہو مجھ سے پوچھو اور دریافت کرو۔

رعب وجلالت

ابن ابی الاوجا۔ ابوشاکر دیصانی۔ عبدالملک مصری۔ ابن المقفع۔ یہ چاروں زندیق موسم حج میں مسجد الحرام کے اندر جمع ہوئے۔ اور دین اسلام پر طعن اور استہزا کرنے لگے۔ اور یہ صلاح ٹھیرائی کہ اصل قرآن ہے۔ یہ باطل ہوا اور اسلام باطل ہوا۔ آؤ ہم میں سے ہر ایک ایک ایک ربع اسکا بنا کر دے۔ یعنی اس کے ایسا لکھکر (معاذاللہ) اسکے معجزہ ہونے کی دلیل کاٹ دیں۔ سال آیندہ یہی مقام ہماری وعدہ گاہ ہے۔ اپنی اپنی تحریریں یہاں آکر دکھلائی جائیں دوسرا سال بھی آگیا۔ اور ابھی تک وہ سب کے سب ایک ہی آیت میں الجھے رہے۔ بس یہ لوگ حرم محترم میں بیٹھے ہوئے اپنی اپنی سرگزشت بیان کررہے تھے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ہذا القرآن لایاتون بمثلہ۔ ترجمہ "اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہمدوان تو فرما دے سے کہ اگر جن و انس جمع ہوکر اس امر کی کوشش کریں کہ اس قرآن کا سا دوسرا بنائیں تو نہیں لاسکتے ہیں مثال اس کی"

یہ آیت سنکر ان چاروں کو سخت حیرت ہوئی۔ ایک نے [illegible] کہنے لگا۔ پھر بولے کہ اگر دین اسلام برحق نہ ہوتا تو علم امامت ایسے شخص تک نہ پہنچتی۔ تحقیق کہ جب ہم انکو دیکھتے ہیں تو رعب وجلال انکا ہم پر چھا جاتا ہے اور ہمارے ہیبت سے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے

تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے عجز اور اسلام کی حقانیت کا اقرار کرکے تائب ہو کر متفرق ہو گئے۔

محمد نفس زکیہ اور اُنکے بھائی قتل ہوئے تو منصور نے ایک مردِ زشت خو ابنِ عفان نامی کو امیر مدینہ مقرر کیا۔ جمعہ کا روز آیا تو وہ دریدہ دہن منبر پر گیا اور خطبہ میں جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کی مذمت (معاذ اللہ) بیان کی۔ پھر سلسلۂ کلام میں کہا کہ اب انکی اولاد جا بجا فتنہ و فساد کرتی پھرتی ہے اور بلا استحقاق و قابلیت خلافت چاہتی ہے۔ لاجرم ہر طرف قتل و قمع ہوتی ہے۔ حاضرین کو اسکا کلام سخت ناگوار گزرا مگر کسی کو جواب کی جرات نہ ہوئی۔

عبد اللہ ابن سلیمان تیمی راوی حدیث بیان کرتا ہے کہ اُس وقت ایک مرد بلباس خشن و درشت اُٹھا اور حمد و صلوٰۃ کے بعد کہنے لگا اے شخص! تنقیص و تذلیل اس خاندان کی بیان کی تو اور تیرا باپ اُسکا سزاوار ہے۔ تحقیق کہ اس جگہ پر اس وقت تو بیٹھا ہوا ہے تو ہرگز اسکے شایاں نہیں ہے اور جو کام تیری لیاقت سے دور ہیں وہ تو نے اختیار کیے ہیں۔ پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا ایہا الناس بروزِ قیامت جس کی میزان سب سے ہلکی اور بہت خسران ہوگا وہ وہی شخص ہے جو اوروں کی دنیا کے لیے اپنے دین کو فروخت کرتا ہے جیسا کہ اس فاسق نے کیا ہے۔

آپکی اس تقریر پر کوئی شخص نہ بولا اور وہ عامل بھی پشیمان ہو کر منبر سے نیچے اُترا اور اپنی قیامگاہ کو سیدھا چلا گیا۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ مجھے پیچھے معلوم ہوا کہ یہ جواب دینے والے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں۔

نجوم کے خلاف

خود نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرد نجومی سے مجھ سے تقسیم زمین درپیش تھی جو میری اُسکی شراکت میں تھی۔ وہ مرد نجومی ایسا وقت تلاش کرتا تھا جو میرے لیے نحس اور اُسکے لیے سزاوار ہو۔ آخر اُسی کی خواہش کے مطابق ایک وقت معین پر ہم وہاں جمع ہوئے۔ قرعہ ڈالا گیا تو اچھی زمین میری طرف آئی۔ نجومی نے سر پیٹ لیا کہ یہ کیا ہوا۔ نجوم کے قاعدہ کے مطابق وقت میرے لیے تو اچھا اور تمہارے لیے برا تھا۔ مگر نتیجہ برعکس نکلا۔ فرمایا مجھ کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص کسی دن کی نحوست کو اپنے سے دفع کرنا چاہے تو اُسے لازم ہے کہ اُسکی صبح کو خیرات دے اور اگر رات کی نحوست دفع کرنی ہے تو سرِ شام تصدق کرے۔ آج میں نے اسی حدیث پر عمل کیا اور صبح کو صدقہ دیکر یہاں آیا۔ اور یہ تیری نجوم سے بہتر ہے۔

اطاعتِ والدین کی تاکید

زکریا ابن ابراہیم نامی ایک نصرانی مسلمان ہوا اور مکہ معظمہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور عرض کرنے لگا کہ میں اپنے دینِ عیسائی کو چھوڑ کر مسلمان ہوا ہوں۔ فرمایا اسلام میں تو نے کیا دیکھا۔ عرض کی کہ حق سبحانہ و تعالے کا قول وما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلناہ نورا نہدی من نشاء۔ یہ سُنکر آپ نے سمجھ لیا کہ وہ بہ بصارت بینائی مسلمان ہوا ہے تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا خدا تجھے ہدایت دے۔ پھر تین بار فرمایا اللّٰھم اھدہ۔ اسکے بعد ارشاد کیا اے فرزند سوال کر جو تو چاہتا ہو۔ عرض کی کہ میرے ماں باپ اور تمام کنبہ کے لوگ عیسائی ہیں۔ میری ماں نابینا ہے۔ میں انہی کے ساتھ رہتا ہوں اور انہی کے ظروف میں کھاتا ہوں۔ فرمایا وہ شراب اور خوک بھی کھاتے ہیں؟ کہا نہیں۔ ان چیزوں کے پاس بھی نہیں جاتے۔ فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔ اور تو اپنی مادرِ نابینا کے ساتھ ہمیشہ نیکی کرنا۔ وہ مرجائے تو اُن لوگوں کے حوالے نہ کرنا۔ خود اُسکی تجہیز و تکفین بجا لانا۔

زکریا کا بیان ہے کہ میں اسکے بعد کوفہ آیا اور اپنی ماں کی خدمت میں مصروف ہوا۔ اپنے ہاتھ سے اُسے کھانا کھلاتا۔ اُسکے بدن اور کپڑوں سے جوئیں چنتا اور اُسکی تمام خدمتیں خود انجام کرتا۔ اُس نے ایک دن مجھ سے پوچھا کہ اے فرزند! پہلے تو تیری یہ حالت نہ تھی۔ جب سے اس ملت سے نکل کر تو نے دینِ حنیف اختیار کیا ہے میری پرداخت زیادہ کرنے لگا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ کہا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بیٹے (علیہ السلام) نے مجھ کو تیری خدمت کے لیے بہت تاکید فرمائی ہے۔ اُسنے کہا کیا وہ خود بھی نبی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اُنکے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ لاوہ عینِ نبی

یعنی امام ہے۔ اُس نے کہا یہ دین تو بہت اچھا دین ہے مجھے بھی اسکی تلقین کر۔ زکریا نے اُسی وقت اپنی ماں کو عقائد حقہ تعلیم کیے۔ جسکے کہ ظہر عصر مغرب اور عشا چار نمازیں اُسنے پڑھیں۔ رات کو بیمار ہو کر جاں بحق ہوئی صبح کو مسلمانوں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور زکریا نے قبر میں اُتار کر ماں کو مدفون کیا۔

غلاموں کی آزادی

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام جب کسی غلام کو آزاد کرتے تھے تو اُسکی آزادی کا سرخط ذیل کی عبارت میں تحریر فرماتے تھے۔

هذا ما اعتق جعفر ابن محمد (علیهما السلام) اعتق غلامه فلان علی ان یشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له وان محمدا عبده ورسوله وان البعث حق وان الجنة حق وان النار حق وعلی انه یوالی اولیاء الله ویتبرأ من اعداء الله ویحل حلال الله ویحرم حرام الله ویؤمن برسل الله ویقر بما جاء من عند الله اعتقه لوجه الله لا یرید منه جزاء ولا شکورا ولیس لاحد علیه سبیل الا بخیر۔ شهد وا فلان وفلان۔

یعنی اس غلام کو جعفر ابنِ محمد (علیہما السلام) نے اِن شرائط پر آزاد کیا کہ وہ تمام عقائد حقہ پر قائم رہے اور حلالِ خدا کو حلال اور اُسکے حرام کو حرام سمجھے۔ اور انبیائے خدا علیٰ نبینا و آلہ و علیہم السلام پر جو کچھ خدا کی طرف سے اُترا اُس پر ایمان لائے اور اقرار کرے۔ اِسکو میں نے محض خدا کی خوشنودی کے لیے آزاد کر دیا ہے کسی بدلہ یا جزا کی امید سے نہیں۔ اور کسی کو اس پر بجز نیکی کے دسترس نہیں۔ اس پر فلاں فلاں گواہ ہوئے۔

اور کبھی اس طرح تحریر فرماتے تھے۔

اعتق جعفر ابن محمد (علیهما السلام) غلامه فلانا لوجه الله لا یرید منه جزاء ولا شکورا علی ان یقیم الصلوٰة ویؤتی الزکوٰة ویحج البیت ویصوم شهر رمضان ویتولی اولیاء الله ویتبرأ من اعداء الله۔ شهد فلان وفلان۔

یعنی جعفر ابن محمد (علیہما السلام) نے اس غلام کو محض خدا کی خوشنودی کے لیے آزاد کر دیا۔ نہ کسی بدلے یا شکریہ کی امید پر۔ اور شرط یہ ہے کہ یہ غلام اس شہر میں آزاد کیا گیا کہ نماز پڑھا کرے زکوٰۃ دیا کرے حج کیا کرے۔ اور ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھا کرے۔ دوستانِ خدا سے محبت کرے اور دشمنانِ خدا سے بیزاری اختیار کرے۔ اس پر فلاں فلاں گواہ ہوئے۔

ذاتی وجاہت اور تاثیر جلالت

یہ تو بخوبی طرح تمام دنیا کو معلوم ہے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے انتقال فرماتے ہی ان حضرات کے مدارج و مراتب۔ فضائل اور مناقب کے بھلا دینے اور اُن کو دنیا سے یک قلم مٹا دینے کی جی توڑ کوششیں ہونے لگیں۔ مگر باوجود ان شدید مخالفتوں کے بھی ان ذوات مقدسہ علیہم التحیۃ والثنا کی ذاتی وجاہت اور عظمت اپنی تنگدستی اور عسرت کی موجودہ حالتوں میں بھی ایسی عظیم المنزلت اور رفیع المرتبت تھیں جو سلاطینِ روزگار اور متمدنین زمانہ کو اُنکے محل شاہی اور قصروں میں میسر نہیں ہو سکتی تھیں۔ ذیل میں چند واقعات ہم نمونہ کے طور پر قلمبند کرتے ہیں۔

محمد ابن سعید نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے درخواست کی کہ ایک رقعہ محمد ابن تمالی کو لکھدیں کہ خراج لینے میں سختی کیا کرے۔ فرمایا کہ محمد سے زبانی کہدینا کہ جعفر ابن محمد (علیہما السلام) نے کہا ہے کہ جو ہمارے دوستوں کا اکرام کرتا ہے حق تعالےٰ اُسکا اکرام کرتا ہے۔ اور جو اُنکی اہانت کرتا ہے خدا اس سے ناخوش ہوتا ہے۔ جس نے اُن پر احسان کیا ایسا ہے کہ گویا حضرت امیر المومنین علیہ السلام و جناب سید المرسلین صلوات اللہ علیہ و آلہ اجمعین پر بلکہ خود حضرت رب العالمین پر احسان کیا۔ اور وہ ہمارے ساتھ رتبہ اعلیٰ میں رفیق ہوگا۔

ابن سعید کا بیان ہے کہ میں نے یہ حدیث جس وقت محمد ابن تمالی سے بیان کی وہ کہنے لگے سچ کہو۔ تم نے یہ حدیث خاص آنکی زبانی سنی تھی؟ میں نے کہا ہاں واللہ میں نے یہ حدیث جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے خاص زبانی سنی ہے۔ کہا تو اچھا ذرا بیٹھ جاؤ۔ و اپنے غلام کو آواز دی اور پوچھا کہ محمد ابن سعید پر کتنا خراج باقی ہے؟ اُس نے کہا دس ہزار درہم۔ کہا اس کے نام سے محو کر دو۔ اور پھر

کیسہ زر عطا کیا اور ایک گھوڑا سواری کا مع ساز و سامان اور ایک لونڈی خدمت کے لیے مجھے عطا کی۔

علی ابن ہبیرہ کہ جملہ حکام و امرائے بنی عباس سے تھا اپنے غلام رشید نامی پر خفا ہوا تو وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آکر پناہ گزین ہوا حضرت نے اُس سے فرمایا کہ اب اُسکے پاس جا اور میری جانب سے اُسے سلام کہہ اور بیان کر کہ میں نے تیرے غلام رشید کو پناہ دی۔ اب اُسکے ساتھ بدسلوکی نہ کرنا۔ غلام نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ وہ شامی خبیث اِس سے اور بھی چڑھ جائیگا۔ فرمایا جو میں کہتا ہوں اُسی کر۔ الغرض رشید وہاں سے روانہ ہوا۔ راہ میں ایک اعرابی جو اُسکا شناسا تھا ملا۔ پوچھا کہاں جاتا ہے قتل ہو جائیگا۔ پھر جو مضمون پیغام سُنا تو کہا جا۔ تجھے کوئی اندیشہ نہیں تیرے پاس وہ پیغام ہے کہ اگر وہ کوہائے سخت کو پہنچا دیا جائے تو وہ بھی مطیع و منقاد ہو جائیں۔ پس رشید ہبیرہ کے سامنے آیا تو اُسنے اُسکے قتل کا حکم دیا۔ رشید نے کہا اے امیر! میں گرفتار ہو کر نہیں آیا ہوں بلکہ از خود حاضر ہوا ہوں۔ پہلے جو میں عرض کرتا ہوں وہ سُن لیا جائے۔ پھر جو کچھ طبع میں آئے کیا جائے۔ کہا کیا کہنا چاہتا ہے بیان کر۔ رشید نے کہا میرے اور تمہارے مولا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے تمہیں سلام کہا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے رشید کو امان دی۔ تم اُسکے ساتھ اب بدسلوکی نہ کرنا۔ ہبیرہ نے یہ سُنا تو اُسکی حالت بدل گئی اور کہا کیا واللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسا کہا ہے؟ رشید کا بیان ہے کہ وہ مجھے قسمیں دیتا تھا اور بار بار یہی پوچھے جاتا تھا۔ حتےٰ کہ تین مرتبہ میں نے قسمیہ بیان کیا کہ آپنے یہی فرمایا ہے۔ ابن ہبیرہ نے میری مشکیں کھلوا دیں اور کہا اب تو ویسے ہی میری مشکیں کسدے جیسی کہ تیری تھیں۔ میں نے کہا مجھ سے تو یہ نہ ہوگا۔ کہا تجھ کو کرنا ہوگا۔ ناچار رشید نے اُسکے ہاتھ باندھ دیئے اور پھر فوراً ہی کھول دئے اسکے بعد ابن ہبیرہ نے اپنی مہر اُسکے حوالے کر دی۔ اور کہا کہ میں نے آج سے تجھ کو اپنے تمامی امور میں سپید و سیاہ کا مالک کر دیا۔

یقطین علی ابن یقطین کے پدر عالیمقدار ناقل ہیں کہ ایک سال خراج سلطانی مجھ سے ادا نہو سکا۔ حاکم اہواز کی طرف سے جو بنی عباس کا عامل تھا مجھے سخت اندیشہ لگا تھا۔ ہرچند لوگ کہتے تھے کہ وہ مرد شیعہ مؤمن ہے۔ اُس سے کوئی خوف نہیں۔ مگر مجھے اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

آخر کار میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض حال کی۔ آپ نے ایک مختصر سا رقعہ اس مضمون کا لکھدیا کہ زیر عرش الہی ایک مقام ہے جہاں کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ الا وہ شخص جس نے مظلوم کی داد دی ہو اور اُسکے غم و غصہ کو برطرف کر دیا ہو۔ اور بدلجوئی و احسان اُس سے پیش آیا ہو۔ ہرچند کہ نصف دانہ خرما ہی کیوں نہو۔ حامل رقعہ ہذا تیرا برادر مؤمن ہے میں اسے تیرے حوالے کرتا ہوں میں وہ خط لیکر اہواز میں گیا اور اطلاع کر دی کہ ایک قاصد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا دروازے پر حاضر ہے۔ حاکم یہ سُنتے ہی سر و پا برہنہ باہر نکل آیا اور میری پیشانی پر بوسہ دیکر کہا اے میرے سید! تو ہی میرے مولا اور میرے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام کا قاصد ہے۔ اگر یہ راست ہے تو تو میرے لیے باعث نجات آتش دوزخ ہے۔

اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لے گیا اور اپنی جگہ مسند پر بٹھلا دیا۔ خود بزانوئے ادب سامنے بیٹھا اور کہا اے سید میرے! میرے آقا کو کس حال میں چھوڑا۔ میں نے کہا وہ خیر و عافیت سے ہیں۔ پس رقعہ لیکر مجھ سے پڑھا اور پھر اپنے سر اور آنکھوں سے لگایا۔ اور منہ سے چوما اور کہا آج سے تو میرا بھائی ہے۔ جو خواہش رکھتا ہو بیان کر۔ میں نے کہا کہ کچھ روپیہ اموال دیوان سے میرے ذمے باقی ہیں کہ اُنکا ادا کرنا اس وقت میرے امکان سے باہر ہے۔ اور وہ میری تباہی کا باعث ہے۔ فوراً حکم دیا کہ وہ رقم میرے نام سے محو کر دیں۔ چنانچہ اُسی وقت اُسکی تعمیل کی گئی۔ پھر اپنے اموال کے صندوق منگائے اور تمام روپیہ نصفا نصف بانٹ دیا۔ بعد ازاں اسپ و شتر و دیگر دواب جملہ رخت و اسباب خانہ حتےٰ کہ تمام غلام اور کنیزیں بالتسویہ تقسیم کر دیں اور کہا آیا تو خوش ہوا؟ میں نے کہا اب اس سے زیادہ اور کیا خوش ہونگا۔

موسم حج آیا تو میں نے دل میں کہا کہ مقتضائے احسان امام زمان

علیہ السلام یہ ہی کہ آن حضرتؑ کا شکریہ حضور میں حاضر ہو کر بالمشافہ بجا لاؤں۔ اور اس مردِ مومن کا شکریہ بھی۔ اور خانۂ کعبہ میں اسکی لیے دعائے خیر کروں۔ اور امام علیہ السلام سے ملتجی ہوں کہ اُسکے لیے آپ بھی دعا فرمائیں۔ میں یہ ارادہ کرکے حجاز کو روانہ ہوا۔ در دولت پر پہنچا تو مجھ کو آتا دیکھکر آثارِ مسرت و خوشحالی چہرۂ اقدس سے ظاہر ہوئے۔ نزدیک گیا تو پوچھا کہ فلاں شخص نے تیرے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ میں روداد بیان کرتا تھا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سُن سُن کر بشاش ہوتے جاتے تھے۔ پھر ارشاد کیا کہ مجھ کو اور میرے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین و جناب امیرالمومنین علیہ السلام و نیز حضرت ختم المرسلین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم بلکہ حضرت رب العالمین کو اُسنے خوشنود اور رضامند کیا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدنیا والاخرۃ۔

کیفیت علوم جناب امام جعفر صادق علیہ السلام

قبل اسکے کہ ہم آپکی جامعیتِ علوم اور کیفیتِ استعداد آپ کے اقوال و ارشاد سے ثابت کریں مناسب ہی کہ اوپر کے لکھے ہوئے مضامین کی نسبت مختصر سی تفصیل ذیل میں قلمبند کریں۔
ان واقعات سے جو اوپر لکھے گئے ہیں آپکی جاہ و جلالت کے سوا ہمارے ابنائے زمانہ کی ہدایت بھی پوری طور سے ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے بعض ذی وجاہت اور جلیل المراتب حضرات جو موجودہ زمانہ میں گورنمنٹ کے اعلےٰ اعلےٰ عہدوں پر سرفراز ہوتے ہیں وہ بالعکس اس کے اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ ہم مذہبی، ہم قومی اور ہموطنی کی عایتوں سے برفق و مدارا پیش آئیں اکثر اوقات انتہا سے کج خلقی کرتے ہیں اور ان سے ملنا جلنا اپنی موجودہ شان کے خلاف سمجھتے ہیں وہ عبرت کی نگاہوں سے اپنے قدیم بزرگوں کے اخلاق و اشفاق کو دیکھکر ہمدردی۔ رعایتِ اسلامی اور اخوتِ ایمانی کا سبق حاصل فرمائیں تو انشاء اللہ تعالےٰ اُنکی صلاحِ دارین کا باعث ہوگا واللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

استعداد و جامعیت

ہم اپنی کتاب کی تمام سلسلوں میں اوپر لکھ آئے ہیں کہ امام منصوص من اللہ کے لیے ظاہری تعلیم ضروری نہیں۔ اُنکی تحصیل تکمیل کی ایسی تمام نوع وہبی ہوتے ہیں کسبی نہیں۔ وہ عام بچوں کی طرح کسی خاص شخص کے کتاب کھولکر نہیں پڑھتے ہیں۔ نہ اُن کو جزئیات کی تعلیم دی جاتی ہے نہ اُن کے لیے کوئی نصابِ علمی تیار ہے۔ اُن کا معلم معلمِ اصلی ہے یا اسکا رسول (علیہ السلام) اور رسول کے بعد امام سابق امام لاحق کی تعلیم کا ذمہ دار ہے۔ انکی طبائع۔ اُنکے قلوب اُنکے شعور غرض تمام احساسات اور کیا عام لوگوں کی طرح نہیں ہوتے۔ تمام حقائق و معارف۔ انکے قلوب نورانی پر ذرا سی تحریک و تنبیہ کے بعد قالباً منکشف اور کلیتاً منجلی ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام امام کے علوم کی نسبت فرماتے ہیں۔ علمنا غابر و مزبور و نکت فی القلوب و نقر فی الاسماع۔ جو ان کلمات کی تفسیر یوں ارشاد فرمائی جاتی ہی کہ علم غابر سے مراد علم آیندہ اور علم مزبور سے علم گزشتہ ہے۔ اور نکت فی القلوب سے دلوں میں جاگزیں ہونا یعنی خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ اور نقر فی الاسماع یعنی ملائکہ کا کان میں کہنا جو انکے جسم دکھلائی نہ دیں۔

امام اور نبی میں فرق

امام اور نبی میں بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ نبی کو سامنے فرشتہ ظاہر ہو کر پیغامِ ربانی پہنچاتا ہے اور امام کے کان میں وقت ضرورت ایک آواز آجاتی ہے بغیر اسکے کہ کسی کہنے والے کو دیکھیں۔
اسی لیے ان بزرگواروں کو محدّث بھی کہتے ہیں۔
پھر آپ ایک دوسرے موقعہ پر فرماتے ہیں عندنا جفر ابیض و جفر احمر۔ جفر کے لغوی معنی گوسفند۔ چارپایہ کی ہیں جو اپنی ماں سے جدا ہوا ہو۔ اور ثانیاً جلد گوسفند کو بھی کہتے ہیں۔ اُس زمانہ میں قریب قریب کاغذ نایاب تھا اور تحریریں زیادہ تر پوست و استخوانہائے حیوانات پر لکھی جاتی تھیں۔ علمائے اہلسنت کا عقیدہ ہی کہ جفر ایک کتاب ہے جسکو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے جمع فرمایا تھا۔ اس میں وہ تمام علوم درج فرمائے گئے ہیں جسکی ضرورت قیامت تک انسان کو ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ صواعق محرقہ میں محی الدین عربی کی کتاب درِ مکنون کی اسناد سے لکھا ہے:۔

قال الامام جعفر صادق علیہ السّلام علمنا غابر و مزبور وکتاب مسطور و نکث فی القلوب ومفاتیح اسرار الغیب ونقر فی الاسماع و عندنا الجفر الابیض والجفر الاحمر والجفر الاکبر والجفر الاصغر ومنا الفرس الغواص الفاذ القناس فافہم ھذا اللسان الغریب فی البیان العجیب۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ ہمارے علوم غابر و مزبور ہیں اور ظاہر کتاب میں مسطور ہیں وہ فرشتوں کے ذریعہ سے ہمارے قلوب میں ثبت ہیں اور کانوں میں بھی سنائی دیتے ہیں۔ ہمارے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اور ہمارے پاس علم جفر ابیض جفر احمر جفر اکبر و جفر اصغر ہیں اور ہم ہی لوگوں میں کے ذی ہیں غواص اور فارس قناس ہیں۔ جو اس لسانِ غریب اور بیانِ عجیب کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ہم اس سلسلہ کی پہلی کتاب میں لکھ آئے ہیں کہ علمائے اہلسنت کا یہ قول بھی ہے کہ علمِ جفر کی کتاب جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام نے جمع فرمائی ہے اور اس میں منصبِ عالی اور آپکے مفاخر بزرگ ہیں چنانچہ اسی کی طرف ابوالعلائے معری نے اشارہ کیا ہے[5]

لقد عجبوا الآل البیت لما ❊ علمہم فی جند جفر
ومراۃ المنجم وھی صغیری ❊ تریہ کل عامرۃ وقفر

ہر آئنہ تعجب کرتے ہیں وہ دربارہ حضرات اہلبیت علیہم السّلام کے جبکہ ظاہر ہوا علم اُن کا جلد جفر میں۔ حالانکہ منجموں کا آئینہ اس سے بھی چھوٹا ہوتا ہے لیکن وہ اسی میں تمام آباد اور غیر آباد مقاموں کو دیکھ لیتا ہے۔ ابن قتیبہ اپنی کتاب ادب الکاتب میں اور امام شبلنجی مصری نور الابصار میں بھی ایسا ہی لکھتے ہیں۔

ملا عبد الرحمٰن جامی شواہد النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ کتاب جفر مشہور ہے اور اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام علوم و اسرار درج ہیں۔ امام علی ابن موسے الرضا علیہ الصّلوۃ والسلام کے کلام میں صریح طور پر اس کا ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ جب مامون رشید نے انکو ولیعہد مقرر کیا تو اسی وقت آپنے ارشاد فرما دیا کہ الجفر والجامعہ یدلان علی خلاف ذالک۔ جفر و جامعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عہد کبھی پورا نہ ہوگا۔

علامہ شریف جرجانی شرحِ مواقف میں لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہ دونوں کتابیں جناب امیر المؤمنین علی علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے ہیں اور ان میں سے دنیا کے واقعات روزِ قیامت تک استخراج کرسکتے ہیں اور میں نے مصر میں اس کا ایک ورق دیکھا تھا جس میں اس ملک کے بادشاہوں کا حال لکھا تھا۔ قریب قریب یہی عبارت امام یافعی۔ امام عبد الرحمٰن بسطامی۔ خواجہ محمد پارسا اور امام قندوزی نے بھی لکھی ہے۔ یہ روایتیں خاص سوادِ اعظم کے علمائے اعلم کی ہیں علمائے اہلبیت علیہم السّلام و رضوان اللہ علیہم کے نزدیک علمِ جفر۔ اسرارِ امامت میں داخل ہیں جسکا علم سوائی امامِ منصوص و منصوب منجانب اللہ اور کسی کو نہیں ہوسکتا مگر یہ بڑا ہو تعصب او نفسانیت کا کہ ان علومِ مخصوصہ کو بھی عام کردیا۔ اور جسکو چاہا لکھدیا کہ وہ علمِ جفر میں کامل دستگاہ رکھتا تھا چنانچہ تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے:-

کتاب علمِ جفر جو جناب امیر المؤمنین علیہ السّلام کی جمع کی ہوئی ہے وہ اولادِ عبد المؤمن ابن علی کو جو غالباً جناب اسمٰعیل ابن جعفر امام جعفر صادق علیہ السّلام کی اولاد میں ہے۔ وراثت میں پہنچی تھی۔ چنانچہ ابو محمد عبد المؤمن ابن علی القیسی الکوفی نے محمد ابن تومرت معروف بہ مہدی کے مرنے پر اسکے افواج و سامان کی بدولت بلادِ مغرب کی حکومت و فرمانروائی پائی۔ ابن تومرت مذکور کو کہیں سے کتاب جفر مل گئی تھی۔ اس میں اُسنے پڑھا تھا کہ عبد المؤمن سلطنتِ بزرگ پر فائز ہوگا۔ بنا بریں اُسکو تفحص کرکے نکالا اور ابھی وہ کمسن لڑکا ہی تھا کہ اُسکو اپنے ہمراہ لیا اور بہت عظمت و آداب کرتا تھا۔ تاکہ اسکے ذریعہ سے بادشاہی حاصل کرے۔ مگر یہ امید اُسکی بر نہ آئی اور وہ اُسی وقت سے پہلے فوت ہوگیا۔ اسکے مرنے کے بعد عبد المؤمن بہت سے ممالک مغربیہ فتح کیے تھے حتّٰی کہ ۵۴۴ھ ہجری میں اسکی حدودِ سلطنت ممالکِ افریقہ سے گزر کر حدودِ اسپین (اندلس) تک پہنچ گئی تھیں اس وقت اُسنے اپنا نام امیر المؤمنین مقرر کیا۔

حقیقت امر تو یہ ہے کہ جفر و جامعہ وغیرہ یہ تمام مقدس اشیا کسی کو مل نہیں سکتیں۔ یہ تمام واقعات جو اسکی نسبت مشہور ہیں ہوئی اور ساقط از اعتبار ہیں۔ یہ تبرکات مخصوصہ کسی کو مل نہیں سکتے۔

وہ ایک امام منصوص سے وراثتاً دوسرے امام کو پہنچتے ہیں اور سب کے بعد حضرت صاحب الامر علیہ السلام عجل اللہ ظہورہ کی طرف منتقل ہوئے اور تا ایندم آپ ہی کے پاس مخزون ہیں۔
عبد المؤمن کی سلطنت والی روایت کا جفر سے مستخرج ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ بلا وساطت امام علیہ السلام اُن تک پہنچ گئی اور تمام کتاب کا کسی کے پاس یا کسی کو یاد ہونا امکان سے باہر ہے۔ (کاشف الحقائق)

ہمارے فاضل معاصر اگر زیادہ تحقیق سے کام لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ سواد اعظم کا بھی ان علوم مخصوصہ کی نسبت یہی عقیدہ ہے چنانچہ محمد محی الدین عربی لکھتے ہیں:-

ان الجفر یظہر آخر الزمان مع الامام المہدی علیہ السلام ولا یعرف عن الحقیقۃ الا ہو۔ یعنی علم جفر آخر زمانہ دنیا میں جناب امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام وعجل اللہ ظہورہ کے ساتھ ظاہر ہوگا اور سوائے اُن کے کوئی اُس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہوگا۔

علمائے شیعہ کے نزدیک علم جفر کی حقیقت

ب علمائے اہلبیت رضوان اللہ علیہم کی تحقیق اس کی نسبت کیا ہے؟
کتاب مستطاب کافی میں مرقوم ہے کہ جفر ابیض ایک ظرف کا نام ہے جس میں توریت موسیٰ علیہ السلام اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام اور زبور داؤد علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام کتب سابقہ رکھی ہیں۔ اور اس میں تمام علوم انبیاء علیٰ نبینا وآلہ وعلیہم السلام کے محفوظ ہیں۔
جفر احمر ایک ظرف چرمی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلاح رکھے ہوئے ہیں۔ اس ظرف کو حضرت صاحب العصر امام مہدی علیہ السلام کھولیں گے اور اسی سے آراستہ و پیراستہ ہو کر کفار مشرکین سے جہاد فرمائیں گے۔ یہ وہی سلاح ہے جسکو ہشام ابن عبد الملک نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے طلب کیا تھا۔ اور اسکے لے لینے کی صدہا کوششیں کی تھیں۔ مگر آپ نے نہ دی۔ نہ دی۔
صحیفہ جامعہ ایک مکتوب کا نام ہے جو پوست گاو پر لکھا ہوا ہے۔ اس مکتوب کا عرض وطول ستر ہاتھ ہے اور جب یہ لپیٹا جاتا ہے تو ایک ران شتر کے برابر مدور ہو جاتا ہے۔ یہ علوم و اسرار کا وہ ذخیرہ ہے جسے جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا اور حضرت

امیر المومنین علی مرتضےٰ علیہ السلام نے اپنے خاص دست مبارک سے لکھا۔ اس میں حلال و حرام کے احکام تمام درج ہیں جس کی ضرورت عام طور سے تمام مخلوقات کو ہوتی ہے یہاں تک کہ ایک خراش تک کی پاداش اس میں ... ہوتی اور ایک تازیانہ و نصف تازیانہ تک کی تعذیر تک درج ہے۔

ابو بصیر جو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اوریائے مستند اور اصحاب معتمد سے ہیں۔ نقل کرتے ہیں کہ ایک بار میں کئی چیزوں کی علامتیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابو محمد اگر تو زندہ رہا تو دیکھے گا تمہارے ایک فرزند ہوگا جس کا نام ... ہوگا ... کے بعد ... ہوگا۔ ان دونوں کے بعد دو لڑکیاں ہونگی۔ تمہارے ان دونوں بیٹوں کا نام ہمارے صحیفہ میں درج ہے۔ جہاں ہمارے شیعوں کے نام مع انکے والدین کے ناموں کے درج ہیں۔

انہی کتب مخصوصہ اور علوم محفوظہ کی طرح ایک اور کتاب مطہر ہے جسے صحیفہ فاطمہ علیہا السلام کہتے ہیں۔ اسکی ماہیت یوں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جناب سیدۃ نساء العالمین بضعۃ حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین جب پدر عالیقدر حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کل پچھتر روز دنیا میں زندہ رہیں بسبب مفارقت جناب ختمی مرتبت سلام اللہ علیہ وآلہ والتحیۃ ہمیشہ ملول و محزون رہا کرتی تھیں۔ لہٰذا حضرت جبرئیل امین منجانب رب العالمین آتے تھے اور اُنکی تعزیت وتسلی فرماتے تھے اور احوال جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مقام قیام آنحضرت کا بیان فرماتے تھے۔ اور حالات آیندہ آپکی اور آپ کی ذریات طاہرہ کی و دیگر واقعات و حادثات دنیا دی تا یوم قیامت جناب سیدۃ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی تشفی اور تسلی کے لیے نقل فرماتے تھے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام ان جملہ کوائف و وقائع کو قلمبند فرماتے تھے تا اینکہ رفتہ رفتہ وہ کتاب قرآن مجید سے بھی زیادہ ضخیم ہو گئی۔
جناب صادق آل محمد علیہ السلام اس صحیفہ مقدس کی متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس میں احکام حرام و حلال مطلق نہیں ہیں۔ صرف واقعات آیندہ تحریر ہیں۔ اور روز قیامت تک جس قدر بادشاہ

روئے زمین پر ہوتے ہیں سب کے نام اس میں درج ہیں۔
آپ کے اس قول کی تصدیق اس واقعہ سے پورے طور پر ہوتی ہے کہ جب محمد نفسِ زکیہ نے تصدیق درج کرنی کی تو حضرت نے انہیں منع فرمایا اور ارشاد کیا تمہارا نام ہماری کتاب (مصحف فاطمہ علیہا السلام) میں نہیں ہے۔

نیز ابوبصیر سے مروی ہے کہ حضرت داؤد وارثِ علومِ انبیاء تھے۔ اور سلیمان علیہ السلام کو ان سے میراثِ علم، اور جنابِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے اور ہم (یعنی جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام) وارثانِ جنابِ ختم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ہمارے پاس ہیں صحفِ ابراہیم علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام، الواحِ موسےٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام۔ ابوبصیر نے کہا کہ ان ھذا لھو العلم۔ بیشک جسے علم کہتے ہیں وہ یہی ہے۔

ابوبصیر کا یہ قول سنکر آپ نے فرمایا یہی علم نہیں ہے۔ اسکے سوا بھی ہم کو رات دن بلکہ ہر ساعت تازہ علوم اور جدید واقفیات برابر حاصل ہوتی رہتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہمارے علوم تمام ہو جائیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اذا اراد الامام ان یعلم شیئًا اعلمہ اللہ ذٰلک جب امام کسی امر کی حقیقت معلوم کرنیکا خواہشمند ہوتا ہے تو حق سبحانہ تعالےٰ اسکو بتلا دیتا ہے۔

اسی طرح ابو حمزہ ثمالی سے فرمایا کہ الواحِ موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام اور ان کا عصا ہمارے پاس ہے اور ہم وارث ہیں تمام انبیاء علیہم السلام کے۔

امام اسلحۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث ہے۔

کسی نے عرض کی کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شمشیر جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد اللہ ابن حسن کے پاس ہے۔ فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ عبد اللہ نے کبھی اس شمشیر کو دیکھا بھی نہ ہوگا مگر ہاں شاید امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس دور سے دکھائی دی ہو۔ اگر وہ اسے دیکھ چکے ہیں تو بتائیں کہ اسکا قبضہ کیسا ہے اور اسکی دھار کے پاس کیسا نشان ہے؟ پھر فرمایا وہ تلوار میرے پاس ہے۔
اسکے علاوہ ایک علم (نشان) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے جسکو مغلبہ کہتے ہیں۔ اور الواحِ موسےٰ وخاتمِ سلیمان اور طشتِ موسیٰ علی نبینا وآلہ وعلیہم السلام جس میں وہ قربانی کیا کرتے تھے۔ یہ سب چیزیں ہمارے پاس ہیں۔ نیز وہ اسم بھی ہمارے پاس ہی جسکو جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار و مسلمین کے درمیان رکھدیتے تھے تو مشرکین کا ایک تیر بھی مسلمانوں پر کارگر نہیں ہوتا تھا۔ تحقیق کہ ہم لوگوں کی (ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم اجمعین کی) اس تابوت کی مثال ہے جسے ملائکہ طالوت کے لیے لائے تھے۔ کیونکہ سلاحِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے نزدیک بھی وہی حکم ہے جو تابوتِ بنی اسرائیل کا۔ اور وہ یہ تھی کہ جس گھر میں تابوت ہوتا تھا اسی گھر میں نبوت ہوتی تھی۔ ایسا ہی ہمارے یہاں۔ جہاں سلاحِ رسولِ مقبول ہو وہیں امامت ہے۔

فرقۂ دہریہ یا منکرانِ وجودِ باری تعالیٰ سے مناظرے

اب ہم اپنے آیندہ مضامین میں آپکے علوم و جامعیت کے متعلق وہ واقعات لکھتے ہیں جن سے آپ کے فضل و کمال کا پورا پتہ لگتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپکے علوم و معارف کی شہرت سنکر دور دور سے لوگ آپکی زیارت کو آتے تھے۔ ان لوگوں سے جو مکالمے اور مباحثے پیش آئے ہیں۔ خصوصًا منکرینِ وجود سے۔ وہ اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ اگر ہم انکو اپنے سلسلۂ بیان میں بالترتیب مندرج کریں تو غالبًا ہم کو علمِ کلام کا ایک کامل دفتر علیحدہ مرتب کرنا ہوگا۔ لہٰذا ہم ان واقعات کی تفصیل سے قطع نظر کرکے صرف چند واقعات ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

جعد ابن درہم نے جو اس وقت فرقۂ دہریہ کا راس الرئیس تھا کچھ مٹی اور پانی ایک شیشہ میں رکھ چھوڑے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس میں کرم پیدا ہو گئے تو وہ دعوے کرنے لگا کہ میں نے انکو پیدا کیا ہے۔ کیونکہ انکی علت اور خلقت کا باعث میں ہوا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے سنا تو اسے بلایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تو ان کا خالق ہے تو بتلادے کہ تیرے یہ بنائے ہوئے کیڑے تعداد میں کتنے ہیں۔ اور جو ان میں سے ایک سمت کو جارہے ہیں انہیں امر کردے کہ دوسری جانب کو پلٹ جائیں۔ آپکے یہ کلام ہدایت التیام سنکر اسکے حواس جاتے رہے۔ کچھ جواب نہ بن سکا۔ آخر نادم ہو کر چلا گیا۔

ابو شاکر دیصانی جو منکر خدا اور دہریہ تھا۔ ایک مرتبہ ہشام سے کہنے لگا کہ قرآن مجید میں ایک آیہ ہے جو ہمارے عقیدے کے موافق اور تمہارے

عقائد کے مخالف ہے۔ کہا وہ کونسی آیت ہے؟ وہ بولا وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ یعنی خدا وہ ہے کہ آسمان میں خدا ہے اور زمین میں خدا ہے۔ ہشام نے اس آیہ کے معنی میں غور نہ کیا۔ خاموش ہو گئے۔ مدینہ میں آئے تو جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ ارشاد ہوا ایسا سوال کرنیوالا بڑا خبیث ہے۔ اب تم سے ملے تو کہنا کہ تیرا نام کیا ہے؟ وہ بتلائیگا۔ پھر پوچھنا کہ بصرے میں تمہارا کیا نام ہے تو وہ وہی بتلائیگا۔ تم اُس وقت اُس سے کہدینا کہ ایسا ہی ہمارا بھی خدا ہے کہ آسمان پر بھی خدا ہے اور زمین پر بھی خدا ہے۔ اور خشکی و تری و دشت و جبل میں بھی وہی ایک خدا ہے۔ ہشام نے شاکر سے جب ایسے ہی سوال کیے تو وہ کہنے لگا ھذا ما نقلتہ الابل من الحجاز یہ جواب حجاز سے اونٹوں پر لدکر آئے ہیں۔ تمہارے نہیں ہیں۔

ابو شاکر تائب ہوا

ایک مرتبہ یہی دیصانی صاحب جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لائے اور عرض کرنے لگے کہ مجھے عقائد حقہ بتلائیے۔ اور چاہِ ضلالت سے نکالکر راہِ ہدایت پر لگائیے۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔ ذرا صبر کرو اور بیٹھ جا۔ اتنے میں ایک لڑکا ایک مرغی کا انڈا ہاتھ میں لیے اُدھر سے نکلا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُسے بلایا۔ اور وہ بیضہ مرغ اُس سے لے لیا اور ہتھیلی پر رکھکر فرمایا کہ اے دیصانی دیکھ۔ یہ ایک قلعہ محکم اور استوار ہے۔ کوئی دروازہ اس میں نہیں ہے۔ اسکے اوپر ایک جلد سخت اور پتھر کے ایسی ہے۔ اور اُسکے نیچے ایک نرم اور باریک جھلی ہے۔ ان دونوں کے اندر ایک سفید و زرد شے مثل طلاؤ نقرۂ مائع کے الگ تھلگ ہے۔ نہ زردی اُسکی سفیدی سے مخلوط ہوتی ہے نہ سفیدی زردی سے۔ یہ دونو شے اس حالت پر ہیں۔ نہ کوئی اصلاح کرنیوالا اور سنوارنیوالا اس میں داخل ہوتا ہے۔ نہ بگاڑنیوالا اس سے باہر نکلتا ہے۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اس سے نر پیدا ہوگا کہ مادہ مگر وہ دفعتاً شق ہوتا ہے اور ایک طائر خوشنما مثل طاؤس اس سے باہر آتا ہے۔ آیا تیری عقل باور کرتی ہے کہ یہ سب کچھ بغیر صانع علیم و قدیر اور لطیف و خبیر کے آپ ہی آپ وجود میں آجاتا ہے۔

دیصانی نے یہ سُنکر اپنا سر جھکا لیا اور پھر سر اُٹھا کر کہنے لگا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ گواہی دیتا ہوں کہ سوائے خدا کے کوئی اور معبود نہیں ہے۔ اور جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اُسکے برحق رسول اور فرستادہ ہیں اور تم حجتِ خدا اور نائب رسول صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم ہو۔ اب اس وقت سے میں اپنے عقائد باطلہ سے تائب ہوا۔

ایک مرتبہ ایک مصر کا رہنے والا دہریہ آپکی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ آپ اُن دنوں مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں تشریف رکھتے تھے مجلس ہمایوں میں پہنچا تو آپ نے اُس سے اُسکا نام پوچھا۔ اُسنے کہا عبد الملک اور کنیت پوچھی تو کہا ابو عبد اللہ۔ یہ سنکر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ملک تو جسکا عبد اور بندہ ہے آیا ملوک آسمان سے ہے یا ملوک زمین سے؟ اور وہ خدا جس کا تیرا بیٹا بندہ ہے خدائے آسمان ہے یا خدائے زمین؟ زندیق نے کچھ جواب نہ دیا۔ خاموش رہ گیا۔ پھر آپ نے پوچھا تو کبھی زمین کے نیچے گیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا جانتا ہے کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ کہا نہیں۔ مگر گمان ہے کہ کچھ نہ ہوگا۔ فرمایا گمان کا کام نہیں۔ یہاں یقین درکار ہے۔ پھر پوچھا کبھی آسمان پر چڑھا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا جانتا ہے کہ وہاں کیا ہے؟ کہا نہیں۔ پھر پوچھا مشرق و مغرب کی بھی سیر کی ہے اور انکی حدود کے آگے کا کچھ حال بھی تجھے معلوم ہے؟ کہا نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ تعجب ہے کہ جب تجھے زیر و بالائے زمین و آسمان اور پشتِ مشرق و مغرب کا حال نہیں معلوم ہے۔ باوجود اس جہالت کے وجودِ حضرت باری تعالےٰ سے انکار ہے۔ ای مردِ جاہل نادان کو مردِ دانا پر کوئی حجت نہیں ہے۔ پھر فرمایا تو دیکھتا ہے کہ چاند۔ سورج۔ رات و دن ایک طریقہ پر رواں ہیں۔ ضرور مضطر اور مجبور ہونگے جو اس طریق کو تجاوز نہیں کرسکتے۔ اگر مقدور ہوتا تو ایک مرتبہ جاکر واپس نہ آتے۔ اگر وہ مجبور نہیں تو کس لیے رات کی جگہ دن اور دن کی جگہ رات نہیں ہو جاتی۔ تو اس آسمانِ بلند اور زمینِ پست پر غور نہیں کرتا کہ کیوں آسمان زمین پر آ نہیں رہتا اور کس واسطے زمین اُسکے نیچے دب نہیں جاتی۔ کس نے انہیں تھام رکھا ہے جس نے انہیں تھام رکھا ہے وہی قادرِ مطلق ہے اور وہی ہمارا اور اُن کا خدا ہے۔ یہ سُنکر اُس دہریہ نے کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

علمائے نصاریٰ کا ایک مولوی شخص (وفد) مناظرے کے قصد سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ حضرت موسےٰ و عیسےٰ اور جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رتبہ میں سب برابر ہیں کیونکہ ان تینوں بزرگواروں کو ایک ایک کتاب عطا ہوئی ہے اور علیحدہ علیحدہ شریعتیں رکھتے ہیں۔ اسکے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علم و فضیلت میں اُن حضرات سے بڑھے ہوئے ہیں کیونکہ حق سبحانہ و تعالےٰ نے جو علم انہیں دیا ہے وہ کسی کو نہیں۔

نصاریٰ نے عرض کی کہ کسی آیۂ قرآنی سے اسکا ثبوت دیجیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ دیکھو حضرت موسےٰ کے لیے فرمایا گیا ہے وکتبنا له فی الالواح من کل شئ۔ ہم نے تمام چیزوں سے تھوڑا تھوڑا اُس کے لیے تختیوں میں لکھدیا ہے۔ اور جناب عیسےٰ کی طرف ارشاد ہے ولابین لکم بعض الذی تختلفون فیہ جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو اُن میں سے بعض کو میں بیان کرونگا۔ اور ہمارے حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ارشاد ہوتا ہے ونزلنا علیك الكتاب تبیانا لکل شئ۔ ہم نے تیرے لیے ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کی شرح اور بیان موجود ہے

معتزلہ کی تنبیہ

عمر ابن عبید معتزلی جو فرقۂ معتزلہ کا پیشوا اور امام وقت تھا اور جس کے چند مسائل کا جواب ہم جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی کتاب میں لکھ بھی چکے ہیں۔ ایک مرتبہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آیۂ وافی ہدایہ کو تلاوت کیا الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش۔ عرض کی کہ گناہان کبیرہ کو ازروئے نصوص قرآنی بیان فرمایئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ شرک ہے جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے ومن یشرك باللہ فقد حرم علیہ الجنۃ جس نے شرک ذاتِ خدا میں کیا اُسپر بہشت حرام ہوگئی۔ **خدا کی ذات اور رحمت سے مایوس ہونا** بھی گناہ کبیرہ ہے۔ ارشاد ہوا ہے ولا ییئس من روح اللہ الا القوم الکفرون ۔ نہیں مایوس ہوتے رحمتِ خدا سے مگر وہی لوگ جو کافر ہوتے ہیں **عقوقِ والدین** بھی گناہ کبیرہ ہے۔ خدا فرماتا ہے وجعلنی جبارا شقیا۔ **خون ناحق** بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے فجزاءہ جہنم خالدا فیہا ہمیشہ جہنم میں رہنا اُس کا بدلہ ہے۔ **زنِ شوہردار کو زنا کی تہمت لگانا** بھی گناہِ کبیرہ ہے ارشاد فرماتا ہے لعنوا فی الدنیا والاخرۃ ولهم عذاب الیم۔ اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت ہوا۔ وہ ہمیشہ عذاب میں رہینگے۔ **مالِ یتیم کھالینا** بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ فرماتا ہے انما یاکلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا۔ بجز اسکے نہیں کہ وہ اپنے شکموں میں آگ کھاتے ہیں اور وہ عنقریب جہنم کی آگ میں جھونک دیے جاینگے **معرکۂ جہاد سے بھاگنا** بھی گناہ کبیرہ ہے ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماواہ جہنم وبئس المصیر جو انکی جانب سے منہ پھیرے اُس روز سوائے اسکے کہ پھیرے وہ لڑائی کی طرف [illegible] ہونیکے کسی گروہ کے درمیان۔ پس پھرا وہ غضب [illegible] کی طرف اور اسکی جگہ پناہ کی جہنم ہے۔ اور اُسکا ٹھکانا [illegible] **سود کھانا** بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ ارشاد ہوا ہے الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس جو لوگ کہ سود کھاتے ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جنہیں شیطان نے مس کر کے مخبوط بنا رکھا ہے۔ **سحر کرنا** بھی گناہ کبیرہ ہے۔ فرمایا گیا ہے ولقد علموا لمن اشتراہ ما لہ فی الاخرۃ من خلاق **زنا کرنا** بھی گناہِ کبیرہ میں داخل ہے۔ فرماتا ہے من یفعل ذلک یلق اثاما ویخلد فیہا مهانا۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ سخت گناہ سے دوچار ہوتے ہیں۔ **جھوٹی قسم کھانا** بھی گناہِ کبیرہ ہے حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے یشترون بعہد اللہ وایمانهم ثمنا قلیلا اولئك لا خلاق لهم فی الاخرۃ۔ جو خدا کے عہد سے اور اپنے معاہد کو تھوڑے داموں پر بیچ ڈالتے ہیں اُنکی خلقت کو اخلاق سے واسطہ نہیں ہے **خرید و فروخت میں گھٹ بڑھ کرنا** بھی گناہ کبیرہ ہے حق تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے ومن یغلل یات بما غل یوم القیمۃ جیسی گھٹ بڑھ کریگا اُسی کے ساتھ قیامت میں گرفتار اور مشغول الذمہ ہوگا۔ **زکوٰۃ واجب کا نہ دینا** بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے فتکوی بها جباههم

وجنوبھم وظھورھم یعنی چاندی اور سونے سے اُنکی پیشانیاں
انکے پہلو اور انکی پیٹھ داغ دی جائیگی۔ کتمانِ شہادت
بھی گناہِ کبیرہ میں داخل ہے۔ خالق عزوجل قرآن مجید میں ارشاد
فرماتا ہے ومن یکتمها فانه اٰثم قلبه۔ جو اسے چھپائے اُسکا
دل گنہگار ہوجاتا ہے۔ شراب کا پینا بھی ویسا ہی گناہ ہے
جیسا کہ بتوں کا پوجا کرنا۔ اور عمداً نماز کا ترک کرنا بھی ایسے
لوگوں کے حق میں جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد
ہے فقد برئ من ذمة الله و ذمة رسوله۔ خدا اور رسول کی ذمہ داری
سے ایسا شخص نکل گیا۔ نقضِ عہد اور قطع رحم بھی اسی میں
شامل ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے لهم اللعنة ولهم
سوء الدار۔ اُن پر لعنت ہے اور اُنکے لیے برا گھر ہے۔
جب عمرو بن عبید نے آپ کے یہ ارشاد سُنے تو بیاختہ رونے لگا
روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا هلك من قال برأيه ونازعكم
في الفضل والعلم۔ جس نے اپنی رائے اور قیاس سے کام لیا
اور تم سے علم وفضل میں مقابلہ کیا وہ ضرور ہلاک ہوا۔

ابوالعوجاء سے مناظرے

ابن ابی العوجاء اسکی خلقت میں تھا ہی جس پر اسکا نام ہی دلالت
کرتا ہے اور حسن بصری کے پاس رہکر اسکی تلوّن مزاجی اور رنگارنگ
کی عقیدت کے سونے پر سہاگہ ہوگیا۔ اور اُسکے قیاسی شیطان
نے اُسکو ایسا بھڑکایا اور اسلام کی طرف سے اُسکو ایسا متنفر بنایا
کہ پھر دینِ اسلام کی طرف رجوع نہ ہوا۔
یہ شخص دہریہ ہونے کے علاوہ منہ پھٹ بدزبان بھی انتہا درجہ
کا تھا۔ اسی وجہ سے عرب میں کوئی شخص اس دریدہ دہن
کے ساتھ بات کرنے کا روادار نہیں ہوتا تھا۔ اسی انکار اور تمرد
کے جوش میں مکہ معظمہ میں آیا اور وہاں اپنے لوگوں کی ایسی
ایک جماعت کو ساتھ لیکر جناب صادق آلِ محمد علیہ السلام کی
خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے ابوعبداللہ علیہ السلام
اگرچہ مجلس تعلیم وادب ولحاظ کے مقامات ہوتی ہیں مگر جس شخص
کو کھانسی آئے وہ بغیر کھانسے نہیں رہ سکتا پس آپ مجھے
اجازت دیں کہ میں آپ سے کچھ کلام کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا
ہاں۔ اجازت ہے جو چاہو پوچھو۔ ابوالعوجاء نے مراسم حج
اور حجاج کے متعلق استہزا کرتے ہوئے اپنے سلسلۂ بیان
کو یوں شروع کیا کہ یہ لوگ کب تک اس بین کو پاؤں تلے
روندا کرینگے اور کہاں تک ان پتھروں کو اپنا ملجا و ماوا بنائے
رہینگے۔ اور کتنے عرصہ تک پتھروں اور ڈھیلوں کی پرستش
کیا کرینگے۔ اور شتران گریختہ کی طرح اسکے چاروں طرف
گھومتے رہینگے۔ اور یہ لوگ تھوڑا غور کریں معلوم ہو جائیگا کہ
یہ تمام جاہلوں اور نادانوں کے افعال ہیں۔ چونکہ آپ تمام
مسلمانوں کے سید وسردار اور بانی اسلام علیہ وآلہ السلام
کے لختِ جگر اور یادگار ہیں اس لیے عرض ہے کہ ان امور کے
متعلق کچھ ٹھکانے کی باتیں ارشاد فرمائی جائیں۔ اور ان
حرکات وسکنات کے اصلی اور حقیقی اغراض بیان ہوں۔
جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی
چشم بصیرت جاتی رہتی ہے اور جو آدمی کہ چاہِ ضلالت میں
گر پڑتا ہے تو اُس کے نزدیک بہتر حق صریح بھی امرِ باطل وقبیح
معلوم ہوتا ہے اور شیطان اُس کا رفیق وہمدم بنکر اُسکو گرداب
غوایت اور ہلاکت سے کسی طرح نہیں نکلنے دیتا اور اُس میں
ایسی دھکیل دیتا ہے کہ اُس سے بہتری کی کوئی امید
نہیں کیجاتی۔
اب اپنے اعتراضات کا جواب بھی سُن لے حقیقت میں یہ مقام محترم
خانۂ خدا ہے کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں
کی بندگی کا امتحان لیتا ہے۔ اس لیے اُسکی تعظیم وحرمت کی
تاکید اور اُسکی زیارت کی ترغیب فرمائی ہے اور اُسکو انبیاء
علیہم السلام کا مقام عبادت اور دینداروں کا قبلہ قرار دیا ہے
یہ اُسکی رحمت و رضوان کا وسیلہ اور اُسکی بخشش و غفران کا
ذریعہ ہے جس نے اُس کو اپنی عظمت وجلال سے تمام دنیا
کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل پیدا کیا ہے۔ ہمارے عبودیت
کی شان اور ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم اپنے خدائے عزوجل کے
حکم کی پیروی کریں۔ اور جس غرض سے اُسنے اسے پیدا کیا اور
بنا فرمایا ہم ویسا ہی سمجھیں۔
یہ سُنکر ابوالعوجاء کہنے لگا کہ آپ نے خدا کا ذکر کرکے ایک غائب شے پر

اپنے کلام کی استدلال قائم کی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے۔ وہ تو ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ اور تیری شہ رگ سے قریب تر ہے۔ یعنی اقرب الیہ من حبل الورید وہ ہماری باتوں کو سنتا ہمارے اشخاص کو دیکھتا اور ہمارے دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

ابوالعوجاء نے کہا کہ خدا کا ہر جگہ رہنا آپ کیسے ثابت کر سکتے ہیں اگر وہ زمین پر ہے تو آسمان پر کیسے گیا اور اگر آسمان پر ہے تو زمین پر کیسے آیا جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ ایک مکان میں ہو تو البتہ اُس سے دوسرا خالی ہو سکتا ہے۔ مگر یہ صفات مخلوق سے ہے۔ خدائے عظیم الشان اور جلیل البرہان اس سے بھی بزرگ تر ہے کہ کوئی مکان اُسی احاطہ کرے۔ یا ایک جگہ ہو تو اُس سے دوسرا مقام خالی ہو۔ وہ لطیف و خبیر ہر مقام میں موجود ہے اور ہر شے کے حال سے پورا واقف ہے۔ علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اس روایت کو یہیں تک لکھکر تمام کر دیا ہے اور ارشادِ شیخ مفید نور اللہ مرقدہ میں اتنا اور اضافہ فرمایا ہے کہ جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ بہت بڑی دلیل وجودِ حضرت باری تعالٰے و اقدس کی یہی ہے کہ اُسنے محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسا برگزیدہ نبی اپنے بندوں پر مبعوث فرمایا۔ خدا کے وجود کے علاوہ اب اگر تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں بھی کچھ شبہہ رکھتا ہو تو بیان کر۔ اُسکو بھی میں دلائل و براہین سے تجھ پر واضح کر دوں حضرت یہ کلام فرماتے جاتے تھے اور ابوالعوجاء نقش بدیوار بنا خاموش بیٹھا تھا۔ آخر وہاں سے اُٹھا اور ابنِ طالوت۔ ابن اعمٰے اور ابنِ مقنع وغیرہ سے جن لوگوں نے اُسکو آپ سے مقابلہ و مباحثہ کرنیکے لیے اُبھارا تھا کہنے لگا کہ میں تو تمہاری فرمائش کو کھیل سمجھتا تھا مگر تم نے تو آتشِ سوزاں میں جھونک دیا۔ اُن لوگوں نے کہا خموش رہ۔ تیرے حیران اور لاجواب رہجانے نے ہم لوگوں کو رسوا اور ذلیل کر دیا۔ اُسنے کہا تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ مگر تم نہیں جانتے کہ یہ کون ہیں اور کس کے فرزند ہیں؟ یہ اُس کے فرزند ہیں جس نے ان سب کے (حاضرین حجاج کی طرف اشارہ کرکے) سر منڈوائے ہیں۔ یعنی آپ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ہیں۔

دوسرا مناظرہ

ابن ابی العوجاء پھر ایک بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ اے ابوالعوجاء تو مصنوع و مخلوقِ خدا ہے یا غیر مصنوع؟ کہا میں کسی کا مصنوع و مخلوق نہیں ہوں۔ آپ نے اُس خود نما سے پوچھا کہ اگر تو غیر مصنوع ہے تو کیسے؟ ابوالعوجاء اسکا کوئی جواب نہ دے سکا۔

تیسرے سوال کا جواب

ایک مرتبہ اُس دریدہ دہن نے کہا کہ حشر نشر۔ حساب۔ کتاب اور دوزخ کچھ بھی نہیں۔ آپ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ صحیح ہے۔ جیسا تو کہتا ہے تو تو نے نجات پائی اور ہمارے لیے بھی کوئی وجہ اندیشہ نہیں۔ اور اگر تیرا قول غلط نکلا اور ہمارا عقیدہ انکی نسبت درست رہا تو پھر تیرے لیے نجات کی صورت نہیں۔

چوتھا مکالمہ

حفص ابنِ غیاث جو اعظم ترین تابعینِ اہلسنت سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابن ابی العوجاء نے حاضرِ خدمت ہو کر عرض کی کہ آپ اِس آیہ کے کیا معنی لگاتے ہیں کلما نضجت جلودھم بدّلنا ھم جلودا غیرھا۔ یعنی جب اُنکی (اہلِ جہنّم کی کھالیں جل جائینگی تو ہم اُنکو اور کھالیں بدلینگے جن جلدوں نے معصیت کی تھی جب وہ جل گئیں تو اب دوسری جلدوں کا کیا قصور؟ فرمایا۔ یہ پہلی ہی کھالیں ہونگی۔ صرف صورت کی الٹا پلٹی ہے جس طرح خشتِ خام کو کوئی توڑے تو وہ مٹی ہو جائیگی۔ پھر اُس کو تر کرکے سانچے میں ڈھالنے سے خشت ہو جائیگی۔ ایسا ہی جلدیں اہلِ دوزخ کی جلنے کے بعد خدائے قدیر کے حکم سے درست و تیار ہو جائینگی۔ پھر اُس نے سوال کیا کہ آدمیوں کو مختلف طریقوں سے موت آتی ہے کوئی مرضِ شکم سے مرتا ہے کوئی سِل سے کوئی دق سے۔ اگر ایک مرض موت کے لیے مقرر ہوتا تو کیا بُرا تھا حضرت امام جعفرِ صادق

علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایسا ہوتا تو خلائق مرض کے ہونے تک وقت موت سے بے خوف ہو جاتی۔ اور جناب باری تعالیٰ مقدمۂ موت سے کسی بندہ کا کسی وقت بے خوف ہو جانا پسند نہیں کرتا ہے۔

غافل ز احتیاطِ نفس یک نفس مباش
شاید ہمیں نفس نفسِ واپسیں بود

تلاشِ معاش اور اعتدال اختیار کرنیکے لیے مفید ہدایتیں

سفیانِ ثوری سوادِ اعظم کے اکابر دین اور ائمہ مجتہدین سے ہیں۔ اور آج تک خیر التابعین کے ممتاز لقب سے یاد کیے جاتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے کہ اوّل سرآمدِ علمائے اعلام حضرت عبداللہ ابن عباس پھر عمر بن شعبی پھر سفیانِ ثوری (وفیات الاعیان لابن خلکان) بہرحال سفیانِ ثوری بھی جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کے خوانِ علم و معرفت کے زلّہ رباؤں اور آپ کے شاگردوں میں تھے۔ مگر طمعِ دنیاوی بہت بری شے ہے۔ یہ بھی رفتارِ زمانہ دیکھکر ابو حنیفہ کی طرح اپنا علیحدہ رنگ جمانا چاہتے تھے۔ اس لیے امام علیہ السلام کا فروغ ان سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت امام جعفرِ صادق علیہ السلام مسجد الحرام میں تشریف رکھتے تھے اور لباسِ سفید و باریک آپ کے بدن پر تھا۔ سفیان نے اس لباس سے آپ کو دیکھکر اپنے اصحاب سے کہا کہ میں جاتا ہوں اور اس شخص کو کہ امامِ روافض ہے بند و لاجواب کرتا ہوں۔ یہ کہکر آپ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ایسے جامہائے بیش قیمت کبھی آپکے جدِ امجد سید المرسلین صلے اللہ علیہ و آلہ اجمعین بھی پہنا کرتے تھے؟

آپ نے اس اعتراض کا جوابِ معقول اس طرح دیا کہ اے سفیان! وہ زمانہ مسلمانوں کی ثروت اور فلاحت کا نہیں تھا۔ اس لیے جنابِ ختمی مرتبت علیہ و آلہ السلام والتحیۃ عامۃ المسلمین کی رعایت فرماتے تھے اور گرانبہا لباس نہیں پہنتے تھے۔ اب وہ بات نہیں۔ تو ایسے لباس کے پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں رہا۔ اُسپر بھی یہ لباس میں نے اپنے واہب العطایا کے اظہارِ شکریہ کی غرض سے پہنا ہے۔ یہ کہکر اپنے دامنِ قبا کو اٹھایا اور دکھلا کر ارشاد فرمایا کہ یہ پیرہن خشن (بالوں کا بنا ہوا موٹا کپڑا) ہے۔ پھر دستِ مبارک بڑھا کر سفیان کا دامن کہ موٹے کپڑے کا تھا۔ اُٹھایا اور فرمایا تو نے برخلاف میرے۔ از روئے ریا خلقتِ خدا کو صرف دکھلانے کی غرض سے یہ موٹا لباس اوپر پہن لیا ہے اور اُس کے نیچے یہ لباسِ باریک و نرم اپنے جسمِ خاکی کی آسائش کے لیے پہن رکھا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سفیان بجائے اس کے کہ حضرت کو بند و لاجواب کریں خود بھرے مجمع میں ذلیل و رسوا ہو گئے۔ سچ ہے ؎

باآلِ نبی ہر کہ در افتاد بر افتاد

تابعینِ سفیان کے ساتھ پھر مکالمہ

اس واقعہ کے بعد سفیان کی چشمک سے اکثر زہّاد ریائی کچھ لوگ جو ترکِ دنیا کے پردے میں دنیا کے طالب تھے جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ سفیان تو آپ کا جواب دے نہ سکا۔ ہم اُسکی طرف سے اور اپنی جانب سے آپ سے معارضہ کرنے آئے ہیں۔ کیا زہد اور ترکِ دنیا آپ کے نزدیک مذموم ہے؟ حالانکہ حق تعالےٰ بعض اصحابِ پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی اس امرِ خاص کے لیے مدح و ثنا کرتا ہے۔ وہ آیۂ وافی ہدایہ یہ ہے۔ ویؤثرون علیٰ انفسہم ولوکان بہم خصاصۃ۔ کہ وہ غیروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ گو وہ برہنگی اور گرسنگی کی حالتوں میں ہوتے ہیں۔ نیز فرماتا ہے۔ یطعمون الطّعام علیٰ حبّہ مسکیناً ویتیماً واسیراً۔ کھلاتے ہیں خدا کی محبّت میں مسکینوں کو۔ یتیموں کو اور اسیروں کو۔

جناب امام جعفرِ صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیتیں ہم اہلبیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور ہمارا ہی بیانِ حال اس سے مقصود ہے۔ تم لوگ ناسخ اور منسوخِ قرآن کو نہیں پہچانتے۔ اسی لیے گمراہ ہوتے ہو۔ سُن لو اور سمجھ لو کہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں اُن کو ایسا کرنا حلال و مباح تھا۔ اور وہ اس کے لیے مثاب و ماجور ہوئے۔

پھر حق سبحانہ و تعالےٰ نے مومنین کے حال پر رحم و شفقت فرما کر تاکہ اُن کو اور اُن کے اہل و عیال کو ضرر نہ پہنچے۔ یہ حکم منسوخ فرما دیا۔ کیونکہ انکے کمسن بچے اور ضعیف و ناتوان بوڑھے اور عاجز عورتیں۔ ایک روٹی جس کے سوا ان کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ اگر یہ اُسے بھی خیرات کر دیا کریں تو یہ امر ان کی ہلاکت کا باعث ہوگا۔ اسی واسطے جناب رسولِ خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس دانۂ خرما یا پانچ درہم یا پانچ روٹیاں ہوں اور وہ اُنہیں خرچ کرنا چاہے تو اُسے لازم ہے کہ اُن میں سے ایک اپنے والدین کو دے۔ دوسرے اپنے اور اپنے عیال کے اوپر انفاق کرے۔ تیسرے اپنے محتاج اقربا اور رشتہ والوں کو دے۔ چوتھی کو اپنے پریشان ہمسایوں کو بخشدے۔ پانچویں کو راہِ خدا میں خیرات کر دے۔ یہ پانچواں مقام اُن پہلے چاروں سے پست رتبہ اور کم ثواب ہوگا۔ چنانچہ ایک مردِ انصاری کے پاس چار یا پانچ لونڈیاں اور غلام تھے۔ اُن کے سوا اُس کی ملکیت میں کچھ اور نہ تھا۔ اُس نے مرتے وقت ان سب کو آزاد کر دیا۔ اور اپنے صغیر السن بچوں کے لیے کچھ نہ چھوڑا۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سُنا تو فرمایا کہ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ گیا کہ بھیک مانگیں۔ اگر میں پہلے سے یہ جانتا تو اُسکو مسلمانوں کے قبرستان میں کبھی دفن ہونے کی اجازت نہ دیتا۔

نیز حق تعالےٰ فرماتا ہے الذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک قواما۔ ایسے لوگوں کی مدح فرماتا ہے جو انفاق میں اسراف کو راہ نہیں دیتے۔ اور اعتدال کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ اِسی سے تم دیکھ لو کہ جس امر کی تم مدح کرتے ہو اور اُس کے ترک کو عیب اور قابلِ مذمت بتلاتے ہو۔ حق عزّ و جلّ نے اُسی کا نام اسراف رکھا ہے اور قرآنِ مجید میں چند مقام پر فرماتا ہے انّ اللّٰہ لا یحبّ المسرفین۔ خدا فضول خرچ کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اور جناب سید المرسلین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں چند ایسے اشخاص ہیں کہ جن کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ ایک تو وہ جو اپنے والدین کو نفرین کرے اور بد دعا دے۔ یہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ دوسرا جو اپنا مال کسی کو قرض کے طور پر یا بطورِ دیگر کہ ارادہ اُسکے واپس لینے کا رکھتا ہو۔ دیوے اور وثیقہ نہ لکھوالے اور کسی کو گواہ نہ کرے۔ اور پھر وہ گیرندہ مال اُسکو نہ دے اور یہ اُسکے لیے بد دعا کرے۔ تیسرے جو اپنی عورت کو لعن و نفرین کیا کرے حالانکہ حق تعالےٰ سبحانہ نے اسکو طلاق دینے اور علیحدہ کرنے کا پورا اختیار دیا ہے۔ چوتھے جو گھر میں بیٹھ رہے اور تلاشِ معاش نہ کرے اور حق تعالےٰ سے رزقِ حلال طلب کرے تو جناب باری تعالےٰ عزّ اسمہ اُس کے بارے میں فرماتا ہے کہ آیا میں نے تجھے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء و جوارح نہیں بخشے اور طلب معاش کی راہیں تیرے لیے نہیں کشادہ کر دیں۔ پانچویں جس کو خدا تعالےٰ نے بہت سا مال عنایت کیا ہے اور وہ بے حساب بخشش میں لُٹا کر مفلس قلاش بنجائے اور خدا سے دعا کرے کہ مجھے روزی عطا فرما۔ تو خدا تعالےٰ اُس کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے تجھے مالِ کثیر نہیں دیا تھا؟ باوجودیکہ منع کر دیا تھا۔ مگر پھر بھی تو نے اسراف و فضول خرچی کی۔ ایسے ہی ایک مرتبہ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس کہیں سے طلا آیا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ صبح ہو تو اس میں سے قلیل و کثیر کچھ میرے پاس باقی نہ رہے۔ اس لیے تمام کو خیرات کر دیا۔ دوسرے روز ایک سائل آیا اور سوال کیا۔ کچھ پاس نہ تھا کہ اُسکو عنایت فرمائیں۔ سائل نے اصرار پر اصرار کیا۔ چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نہایت رقیق القلب اور رحیم تھے۔ از حد ملول ہوئے۔ حق تعالےٰ نے یہ آیہ بھیجا۔ ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ اپنے ہاتھوں کو گردن میں باندھ لے کہ کسی کو کوڑی نہ دے اور نہ بالکل ان کو کھولدے کہ ملول و مغموم بیٹھ رہے۔

اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ آیات و حدیث کہ ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتی ہیں۔ آیا ان افعال کی ناسخ ہیں جن سے تم تمسک کرتے ہو۔ یا نہیں۔ اسکو بھی جانے دو۔ حضرت ابو بکر جنہیں تم صدیق کہتے ہو باوجودیکہ حق تعالےٰ نے ثلث مال کا اختیار

مرنے والے مریض کو دیا ہے مگر انہوں نے اپنے مال ہی ایک چہارم کی وصیت کی۔ اور کہا یہ بھی زیادہ ہے۔ اگر ثلث کو بہتر جانتے تو اسی کی وصیت کرتے۔ بلکہ اگر تمام کا خیرات کر دینا حق سبحانہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہوتا تو ثلث کی حد نہ لگائی جاتی۔ اور مالک کو ثلث سے سلب اختیار نہ کیا جاتا۔

علاوہ بریں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ باوجود اس فقر و قناعت کے جب ان کا حصہ عطایا سے برآمد ہوتا تو پہلے اس میں سے قوت سالانہ کو نکال لیتے۔ باقی کو تصدق فرما دیتے۔ بعض کم خرد کوتہ اندیش معترض ہوئے تھے۔ ابو عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ باوجود اس زہد و تقویٰ کے کیا کرتے ہیں۔ کیا آپکو سال بھر اپنے زندہ رہنے کا یقین ہے جو ایک سال کی خوراک پہلے سے مہیا کر رکھتے ہیں۔ اور باقی کو دے ڈالتے ہیں۔ فرمایا تم میرے دوست ہوکر کس لیے میری حیات کی امید نہیں کرتے۔ اور کیوں میرے مر جانے کے احتمال کو میرے جینے کے خیال پر ترجیح دیتے ہو۔ اے نادانو! تم نہیں جانتے کہ جب آدمی کے پاس سال بھر کا گزارہ موجود رہتا ہے تو وہ دنیا و آخرت کے کام دلجمعی سے انجام دیتا ہے۔ اور خالی ہاتھ آدمی ہمیشہ پریشان حال ہوتا ہے۔ کوئی دینی یا دنیوی کام اس سے اچھی طرح نہیں ہو سکتے۔

پھر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب ابی ذر رضی اللہ عنہ کو دیکھو کہ باوصف اس فقیری اور گوشہ نشینی کے محض تہی دست رہنا گوارا نہ فرماتے تھے۔ چند شتر اور گوسفند پال رکھے تھے جن کو اپنے عیال اور مہمانوں پر انفاق کیا کرتے تھے۔ اور اعراب قرب و جوار سے جس کو فقیر و محتاج پاتے تھے اُس کے ساتھ مواسات فرماتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شتر یا گوسفند کو ذبح کیا ہے اور اُس کا گوشت تمام لوگوں پر تقسیم فرما دیا اور اپنے لیے بھی اُتنا ہی حصہ رہنے دیا۔

دیکھو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا زہد و تقویٰ مسلمہ ہے کسی کو گنجائش شک و شبہ کی نہیں ہے۔ اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انکے اوصاف جمیلہ کی تصدیق فرمائی ہے۔ اس پر بھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ کچھ ان کے پاس نہ رہتا ہو۔ یا جو کچھ آپ کے پاس ہو اسے دیکر محض نادار ہو جائیں جیسا کہ تم تمام لوگوں کو بنانا چاہتے ہو۔

یہ امر بھی تم کو معلوم ہے کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار علیہ السلام سے سُنا ہے اور انہوں نے اپنے آبائے طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین سے روایت فرمائی ہے کہ جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مومن کا بدن مقراضوں سے ریزہ ریزہ کیا جائے تب بھی اُس کے لیے مصلحت ہے۔ اور اگر اسے دنیا کی بادشاہی دیدی جائے تو بھی مصلحت ہے کیونکہ حق سبحانہ و تعالےٰ بندۂ مومن کے لیے جو اصلح جانتا ہے وہی عمل میں لاتا ہے۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میں نے بیان کیا وہ تمہارے لیے کافی ہے۔ یا کچھ اور کہوں۔ سُنو! حق تعالےٰ شانہ نے اوّل مومنوں پر فرض کیا کہ اپنے دس گنا کفار سے جہاد کریں۔ پھر اُن پر رحم فرمایا اور اس تعداد میں تخفیف کر دی یعنی دو گُنا کے ساتھ جہاد کیا جائے پس آخری تخفیف نے پہلے کلام کو منسوخ کر دیا۔ تیسرا اگر کوئی عورت قاضی کے پاس استغاثہ پیش کرے کہ میرا شوہر مجھے نفقہ نہیں دیتا اور قاضی حکم کرے شوہر کو نفقہ دینے کا۔ ہر چند وہ عذر کرے کہ میں زاہد ہوں۔ کوئی شے مال دنیا سے میرے پاس نہیں ہے۔ وہ اسکا عذر نہ سنے اور وہ اُس کو مجبور کرے تو وہ قاضی تمہاری دانست میں ظالم و ستمگار ہوگا یا عادل و دیندار؟ اگر تم کہو کہ ظالم ہے تو مسلمان تم کو ظالم کہینگے۔ اور جو عادل کہوگے تو یہ امر تمہاری رائے کے خلاف ہوگا۔

دیگر یہ کہ اگر تمام عالم زاہد تارک الدنیا ہو جائے اور کوئی دوسرے مال کی پروانہ کرے تو یہ صدقات و خیرات کہ حق تعالےٰ نے فرض منتخب کیے ہیں اور اس قدر ثوابہائے عظیم ان پر مقرر فرمائے۔ اسکے زکوٰۃ۔ کفارات۔ نذر۔ خیرات۔ سونا۔ چاندی۔ خُرما۔ مویز۔ گندم۔ شتر۔ گاؤ اور گوسفند وغیرہ کس کو دیں۔ اور کہاں سے انکے مستحق پیدا کریں۔ پس درحقیقت تم نے کتاب خدا و سنت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو کما حقہ نہیں سمجھا۔ اور اپنی کوتہ نظری کے باعث اُن کی کُنہ حقیقت کو نہیں پہنچے۔ نہ اسکے ناسخ و منسوخ کو سمجھے اور نہ اُس کے امر و نہی کو معلوم کیا۔ کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ جناب سلیمان علےٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام پیغمبر خدا تھے انہوں

نے خدا تعالیٰ سے ایسی بادشاہی چاہی جو کسی کو نہ ملی ہو۔
اور خداوند عالم نے اُن کی دعا کو قبول فرمایا۔ اور ویسی ہی
بادشاہی اُنہیں عنایت فرمائی۔ کسی نے اُن پر اعتراض
نہیں کیا۔
ایسے ہی ان کے پدرِ بزرگوار داؤد علیہ السلام بھی بادشاہ
تھے۔ جنابِ یوسف علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام نے بھی مصر میں
یہ دعا فرمائی تھی۔ ربّ اجعلنی علی خزائن الارض۔
پروردگارا! خزانہائے روئے زمین پر مجھے متصرّف کر دے۔
چنانچہ وہ عزیزِ مصر ہو گئے۔
ایسے ہی سکندرِ ذوالقرنین علیہ السلام بھی خدا کے پیارے
بندے تھے اور اسبابِ سلطنت ان کے لیے آمادہ بحکومتِ
مشرق و مغرب ان کو عطا ہوئی۔ تاہم کسی نے ان کو کوئی
ملامت نہیں کی۔ پس اے لوگو! خدا سے ڈرو اور آدابِ
الٰہی سے متادّب ہو۔ اور اُس کے اوامر و نواہی پر کاربند
ہو۔ اور جس امر کو نہ جانو اور وہ تم پر مشتبہ ہو اُس کو اُسکے
اہل کے لیے چھوڑ دو۔ تاکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک معذور
ہو۔ اور ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ کو نہیں پہچانتے ہو۔ اور
اُس کے اوامر و مناہی کو نہیں جانتے۔ تم کو لازم ہے کہ
خدا کے حلال و حرام میں تمیز پیدا کرو کہ جاہل اہلِ علم سے
ضرور کم رتبہ ہیں۔ و فوق کل ذی علم علیم۔

ایک دہریہ کے سوال کا جواب

ایک دہریہ نے جنابِ امام جعفرِ صادق علیہ السلام کی
خدمت میں آ کر بہت سے مختلف سوال کیے۔ آپ نے
اُن سب کے جواب دیے۔ از آنجملہ اُس نے آپ سے
پوچھا کہ شیطان تو عدوِّ خدا ہے۔ سزاوار نہیں ہے کہ
ایسا حکیمِ مطلق اور دانائے برحق اپنے دشمن کو اپنی
مخلوق پر برانگیختہ کرے۔ حالانکہ بقول تمہارے خدا تعالیٰ
نے شیطان کو پیدا کیا۔ اور اپنے بندوں پر پھر اُسی کو مسلط
کیا کہ اُنہیں اغوا کرے اور اطاعت کے راستہ سے ہٹائے
اور عصیاں کی راہ پر لگائے اور انہیں وسوسوں میں ڈالے کہ
وہ خدا کے منکر ہو کر دین و یقین اپنا بالکل کھو ڈالیں۔
آپ نے اُس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ شیطان
خدا کا دشمن ہے۔ مگر ایسا نہیں کہ اُسکی دوستی سے اُس
جل شانہ کو کوئی نفع یا اُس کی دشمنی سے اُسے کسی نوع کا
نقصان پہنچے۔ خوف و اندیشہ اُس دشمن سے ہوتا ہے
جس سے نفع یا ضرر کی امید قائم ہو۔ حق تعالیٰ نے اُس
کو مثل دیگر بندوں کے عبادت کے لیے پیدا کیا۔ ہر چند
اُس کا علمِ الٰہی میں مآل کار موجود تھا۔ پس وہ بشمول دیگر
ملائکہ مشغولِ عبادتِ پروردگار رہا۔ حتّٰی کہ سجدۂ حضرت
آدم علےٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام کے معاملہ میں اُس کا
امتحان ہوا تو حسد و نفسانیت اُس پر غالب آئی اور منشاءِ
امرِ الٰہی سے انکار کر بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صفوفِ ملائکہ سے
نکال کر پستی زمین کی طرف پھینکدیا گیا۔ وہ اولادِ حضرت
آدم کا دشمن تو ہے مگر صرف اس قدر کہ اُن کے دلوں میں
وسوسہ پیدا کرے اور بہکائے۔ اسکے سوا کسی طرح کا تسلط
اور قدرت حاصل نہیں ہے۔
دہریہ نے عرض کی کہ خدائے سبحانہ و تعالیٰ کے سوا اور کے
لیے بھی سجدہ جائز ہے یا نہیں؟ جنابِ امام جعفرِ صادق
علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ نہیں۔ اُس نے کہا پھر حضرت
آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا کیسا؟ یہ سُنکر امام جعفرِ صادق
علیہ السلام نے فرمایا۔ جو سجدہ حکمِ خدا سے ہو وہ خدا ہی کا
سجدہ ہے۔ پھر اُس نے عرض کی کہ آیا جائز ہے کہ کوئی خدا
کی صنعت میں عیب نکالے۔ یا جو جس طرح اُس نے پیدا
کیا ہے سب میں مصلحت و حکمت ہے؟ جنابِ امام جعفرِ صادق
علیہ السلام نے فرمایا کہ جو اُس نے پیدا کیا وہ عین مصلحت و
حکمت ہے۔ کسی کو اُس میں عیب لگانا جائز نہیں۔ اُس نے
کہا اسلام والے ختنہ کر کے پھر صنعتِ خدا کو کیوں بگاڑتے
ہیں؟ فرمایا یہ تیری غلط فہمی ہے۔ ختنہ کرنے سے خدا کی
صنعت یا اُس کی خدائی میں کوئی عیب نکالا نہیں جاتا۔ ختنہ
کرنا خود اُس سبحانہ و تعالیٰ کی سنّت ہے جیسا کہ بچہ پیدا
ہونیکے وقت بچّہ کی ناف کو قطع کرنا۔ اور اگر اُسکو بحالِ خود

باقی رہنے دیں تو موجب فساد ہے۔ اسی طرح ناخن اور بالوں کا لینا سخت ہے۔ اور اپنے حال پر ان کو چھوڑ دینا کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ چاہتا تو اس صورت پر اسکو پیدا کرتا کہ کبھی ضرورت قطع و برید ہی کی نہ پڑتی۔ اور یہ اپنی مقدارِ معین سے تجاوز نہ کرتے۔

علاوہ بعض حیوانات ایسے ہیں کہ ان کا خصی کرنا ہی مصلحت اور ضروری ہے۔ حالانکہ خدا تعالٰے نے انہیں اپنی حکمت سے نر پیدا کیا تھا۔ کیا وہ حق تعالٰے انکو پہلے خصی نہیں پیدا کر سکتا تھا؟

پھر اُس نے عرض کی غسلِ جنابت کس غرض سے فرض ہوا جب آدمی نے ایک فعل حلال کیا جس کے لیے وہ ہمیشہ کے لیے ماذون ہے۔ تو پھر اُس میں نجاست کیسی؟ فرمایا جنابت کی ناپاکی بھی حیض کی گندگی کی ایسی ہی ہے کیونکہ منی حقیقت میں خون ہے جو کامل طور پر پختہ نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ جماع میں سخت حرکت ہوتی ہے جس سے مسامات کھل جاتی ہے اور بعدِ فراغت جسمِ انسان سے ایک قسم کی بو آنے لگتی ہے اور یہ قاعدہ انسان سے لیکر حیوان تک ہے۔ اس تعفن اور آلائشوں کے پاک کرنے کے لیئے غسل کی سخت ضرورت واقع ہوتی ہے۔

پھر اُس نے مجوسیوں کے اعتقاد سے بحث کی اور آپ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک دینِ مجوس اسلام سے ملتا جلتا ہے یا اہلِ عرب کا قدیم مذہب؟ حضرت صادقِ آلِ محمد علیہ السلام نے فرمایا۔ عرب قدیم دینِ حنیف اسلام سے قریب تر ہے۔ مجوسی جملہ انبیاء و آلہ وعلیہم السلام کے صریح منکر ہیں۔ اُن کی حجتوں اور دلیلوں کو نہیں مانتے۔ کیخسرو ان کے بادشاہ نے زمانہ پیشین میں تین سو انبیاء کو قتل کیا علاوہ اس کے مجوس غسلِ جنابت نہیں کرتے تھے اور عرب اسکو کرتے تھے۔ اور غسلِ جنابت خالص سنتِ انبیاء ہے مجوس ختنہ نہیں کرتے تھے۔ عرب کرتے تھے۔ اور سب سے پہلے جس نے ختنہ کی سنت قائم کی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علٰی نبینا و آلہ وعلیہ السلام تھے۔ مجوس اپنے مُردوں کو غسل و کفن نہیں کرتے۔ جنگلوں میں یا پہاڑوں پر پھینک دیتے تھے۔ عرب ہمیشہ سے غسل و کفن کرتے تھے اور پھر زمین میں مدفون کرتے تھے۔ مُردوں کا گاڑنا حضرت آدم علٰی نبینا و آلہ وعلیہ السلام کے وقت سے رائج ہے۔ مجوس ماں بہنوں سے مقاربت کرتے تھے اور بیٹیوں تک کو چھوڑتے نہ تھے۔ عرب اس کو قطعی حرام جانتے تھے۔ مجوس منکرِ بیت اللہ تھے اور اسے (معاذ اللہ) شیطان کا گھر کہتے تھے عرب اس کی تعظیم کرتے تھے اور وہ خدا کا گھر سمجھتے تھے اور انجیل و توراۃ کا اقرار کرتے تھے اور کبھی کبھی اہلِ کتاب سے کوئی مسئلہ بھی پوچھ لیا کرتے تھے۔ ان وجوہ سے عرب قدیم دینِ حنیف اسلام سے اقرب تھے بہ نسبت مجوس کے۔

دہریہ نے کہا کہ مجوس بہنوں سے نکاح کرنے میں سنتِ آدم علیہ السلام کی حجت لاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اور ماں بیٹیوں کے ازدواج پر کونسی حجت قائم کرتے ہیں؟

پھر اُس نے کہا کہ شراب تو بڑے لطف کی شے تھی۔ شرع نے کیوں حرام کیا؟ آپ نے فرمایا۔ بحث ام الخبائث ہے اور تمام برائیوں کی جڑ۔ شراب خوار کی عقل بالکل سلب ہو جاتی ہے۔ وہ خدا کو نہیں پہچانتا اور کسی قسم کا فسق و فجور اُس سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ اور کسی طرح کا پاس و لحاظ اسے باقی نہیں رہتا۔ اُس کی ناک شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ جس طرح چاہے اُس کو نچائے اور اگر چاہے تو اس سے بتوں کا سجدہ کرائے۔

پھر اُس نے پوچھا خونِ ذبیحہ کیوں حرام ہوا؟ فرمایا خون کا کھانا موجب قساوتِ قلبی و سنگدلی ہے۔ دل سے رحم کو دور کرتا ہے۔ بدن کو گندہ اور بدبو دار اور رنگ کو بگاڑ دیتا ہے۔ جذام کی بیماری ہو جاتی ہے۔

پھر اُس نے پوچھا۔ ذبیحہ و میتہ میں کیا فرق ہے۔ کیوں اُسے حلال اور اِسے حرام فرمایا؟ جنابِ صادق آلِ محمد علیہ السلام نے فرمایا بڑا فرق ہے۔ وہ خدا کا نام لیکر

حلال کیا جاتا ہے جو تمام ادیان و شرائع میں مقبول و مطبوع ہے۔ اور میتہ کا خون چونکہ نکلتا نہیں ہے۔ اُسی میں جذب ہوتا ہے تو اس کا گوشت ثقیل اور غیر مطبوع ہوتا ہے۔ اُس نے کہا مچھلی کو تو ذبح نہیں کرتے۔ وہ بھی تو میتہ ہے۔ فرمایا اُس میں خون نہایت ہی کم ہے۔ اُسکا ذبح کرنا یہی ہے کہ اُسے زندہ پانی سے نکالیں اور رہنے دیں تاآنکہ وہ خود مرجائے۔ اسی طرح سے ٹڈی میں خون اتنا نہیں ہوتا۔ اسی لیے اُسے ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

اُس نے پوچھا کہ بروزِ قیامت اعمال انسان میزان میں تولے جائینگے۔ یہ کیا؟ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عمل کوئی مجسّم شے نہیں ہے کہ اُسے وزن کریں۔ وہ صرف اوصاف و اعراضِ انسانی ہیں جو قابلِ وزن نہیں۔ یا وزن کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں چیزوں کا وزن مشتبہ ہو۔ خدائے علیم و خبیر کو جو ہر شے کے وزن و مقدار سے آگاہ ہے تولنے یا وزن کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ عرض کی پھر میزان کیا چیز ٹھیری؟ فرمایا وہ حق تعالےٰ کی عدالت ہے۔ کہا پھر ثقلت موازینہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا جس شخص کے اعمال راجح ہوں۔

پھر اُس نے پوچھا۔ اہلِ دوزخ کے لیے عذابِ دوزخ ہی کافی تھا۔ سانپ بچھوؤں کی کیا ضرورت تھی؟ ارشاد فرمایا۔ یہ اُن کے لیے ہیں جو خدا کو تنہا ان کا پیدا کرنیوالا نہیں سمجھتے۔ بلکہ اور لوگوں کو بھی اس میں اُس کا شریک و سہیم جانتے ہیں۔ اِن کو سانپ بچھو کاٹینگے کہ اپنے اِس عقیدے کا مزا چکھیں کہ کوئی شے اُس نے اکیلی نہیں پیدا کی۔ پھر اُس نے کہا۔ اہلِ بہشت غذا کھائینگے اور فضلہ اُن سے جُدا نہ ہوگا؟ ارشاد فرمایا کہ اُن کی غذا ایسی ہی لطیف و رقیق ہوگی جس میں سفل کا نام بھی نہ ہوگا۔ ہلکا سا پسینہ آکر خالی شکم ہوجائینگے اور بھوک لگ جائیگی۔

پھر پوچھا کہ حوریں ستر ستر حُلّے ایک پر ایک پہنیں گی۔ اور تاہم مغزِ استخوان اُن کا دکھائی دیگا۔ فرمایا یہ اُن کے بدن اور لباس کی لطافت اور نفاست ہے۔ جیسا کہ صاف اور شفاف پانی میں کوئی شے گرا دی جائے اور وہ تہ کے نیچے نظر آئے۔ عرض کی بہشتیوں کے عیش و عشرت میں کیا مزہ آئیگا جب ان کے عزیز قریب۔ دوست۔ آشنا خود وہاں نہ ہونگے۔ انھیں یاد آئیں گے اور وہ جانیں گے کہ وہ دوزخ میں ڈالدیے گئے۔ فرمایا حق سبحانہ و تعالےٰ نے اُنکی یاد کو اُن کے دلوں سے محو فرما دیگا۔

ایک جاہل عالم نما کی دلچسپ حکایت

جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے جدِّ بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اھدنا الصراط المستقیم کے معنی پوچھے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مراد اس آیت سے یہ ہے کہ ہم خداوند سبحانہ و تعالےٰ سے دعا کریں کہ پروردگارا ہم کو راست و درست ہمکو ہدایت فرما کہ تیری محبّت اور واقعی متابعت کریں اور نہ ہوا و ہوس میں گرفتار ہوں۔ ایک ایسے شخص کی طرح جس کا واقعہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اُس کے افعال کا خود براے العین مشاہدہ کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک بار میں نے ایک شخص کو سُنا کہ عوام اُسکی بڑی توقیر کرتے ہیں۔ پس ہم نے چاہا کہ ہم اُس کو اس طرح دیکھیں کہ وہ ہم کو نہ دیکھنے پائے تاکہ ہم اُس کے علم و دانش کا اندازہ کرسکیں۔ اور تحقیق کامل ہوجائے۔ اتفاقاً وہ شخص ایک دن ہمیں مل گیا۔ عوام کالانعام کی ایک جمِ غفیر اُس کے ساتھ تھی۔ ہم ان سے ذرا علٰحدہ ہوکر کھڑے ہوگئے۔ اور اپنا چہرہ اپنی ردا سے ڈھانپ لیا۔ اور آنکھیں کُھلی تھیں۔ پھر دیکھا کہ وہ مریدوں سے خلاف کرتا ہے اور نزاع و تکرار اُنکے فیما بین ہو رہی ہے۔ وہ آخرکار ان لوگوں سے جدا ہوکر ایک طرف کو چلدیا اور وہ مجمع متفرق ہوگیا۔

غرضکہ میں اُسی کے پیچھے پیچھے چلا تاکہ دیکھوں کہ یہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ تھوڑی دور جاکر ایک نانبائی کی دوکان پہ ٹھیرا اور اُسے غافل پاکر دو روٹیاں وہاں سے اُڑائیں اور انہیں بغل میں دابکر آگے بڑھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید

اس کی نابینائی سے اور اس سے کوئی معاملہ ہے کہ جس کی خبر نہیں ہے۔

آگے چل کر ایک کنجڑے کی دوکان پر ٹھیر گیا۔ اُسنے ذرا سی پیٹھ پھیری کہ اس نے دو انار اٹھا لیے اور آگے بڑھ گیا۔ اب تو مجھے گمان غالب کیا یقین ہو گیا کہ یہ شخص زہد و عبادت پیشہ سے نہیں تو اس صبح عام دوکانداروں کی آنکھیں بچا کر چیزیں اُٹھانے اور آگے لیجانے کے کیا معنی؟

دفعتاً میں نے ایسا پر بھی اُس کا پیچھا نہ چھوڑا اور ساتھ ساتھ چلا جاتا تھا۔ یہ ایک شخص بیمار کے پاس ٹھیرا اور وہ دونوں انار دو روٹیاں اُس کو دیدیں اور آگے چلا۔ چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچکر پھر ٹھیر گیا۔ اُس وقت میں نے نزدیک جا کر کہا اے بندۂ خدا! میں نے تمہاری بڑی تعریف سُنی تھی۔ اس لیے تیرے دیکھنے کا از حد مشتاق تھا۔ اب جو تجھ کو دیکھا تو امر عجیب تجھ کو مشاہدہ کیا جس نے مجھے سخت حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

اُس نے کہا قبل اس کے کہ میں تمہیں تمہاری باتوں کا جواب دوں تم مجھے بتلا دو کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ میں امت مرحومہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک مرد ہوں۔ اُس نے کہا تم کس قبیلے کے آدمی ہو؟ میں نے کہا قبیلۂ اہلبیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ پھر اُس نے پوچھا کس شہر کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا اسی شہر مدینہ کا رہنے والا ہوں۔ اُس نے کہا غالباً جناب امام جعفر صادق علیہ السلام تم ہی ہو؟ میں نے کہا۔ ہاں۔

تب اُس نے کہا کہ تمہاری یہ شرافت نسبی تو سبھی اللہ اکبر کیسا کمال ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد علیہم السلام کے علوم سے بھی واقف نہیں۔ میں نے کہا وہ کونسے علوم ہیں؟ وہ بولا قرآن مجید جو تمہارے جد امجد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا ہے۔ میں نے کہا کیونکر؟ اُس نے کہا آج تک تم کو آیۂ من
جاء بالحسنة فله عشر امثالها ومن جاء بالسيئة فلا يجزى الا مثلها
کے مفہوم تو معلوم ہی نہیں جس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جو ایک نیکی کریگا اُسے دس گنا ثواب ملیگا اور جس سے ایک گناہ صادر ہوگا تو وہ ایک ہی بدلہ پائیگا۔ دیکھو میں نے دو روٹیاں چُرائیں تو دو گناہ کیے اور دو انار اُٹھائے تو دو اور ہوئے۔ مجموع چار گناہ مجھ سے سرزد ہوئے اور جب ان چاروں کو خدا کی راہ میں خیرات کر دیا تو آیۂ بالا کی رو سے چالیس حسنات حاصل ہوئے۔ تو ایسی حالت میں میرے چار گناہ مجرا ہو کر چھتیس نیکیاں میرے لیے باقی رہیں۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان ہے کہ میں نے جب اُس کے یہ کلام سُنے تو اُسکی فقہ و بصیرت پر کمال تعجب ہوا اور میں نے اُس کے جواب میں کہا ثکلتک امک (تیری ماں تیرا ماتم کرے) حقیقت میں تو ہی قرآن مجید سے جاہل مطلق ہے۔ کیا تو نے اُسی قرآن میں خدائے سبحانہ وتعالےٰ کا یہ قول نہیں دیکھا ہے انما يتقبل الله من المتقين۔ یعنی خدا تعالیٰ انہی لوگوں کی نیکیاں قبول کرتا ہے جو پرہیزگار اور صاحب احتیاط ہوتے ہیں۔ جب تو نے دو روٹیاں چُرائیں دو گناہ کیے۔ پھر دو انار چُرائے۔ دو گناہ اور صادر ہوئے۔ اور جب ان کو خیرات کیا تو چوری کے مال کو خیرات کرنے کی چار معصیتیں تجھ کو سرزد ہوئیں تو مجموع اور پہلے کی آٹھ معصیتیں ایسی حالت میں تجھ سے سرزد ہوئیں اور اس وقت تک ایک نیکی نہیں کی۔ اتنا سُننا تھا کہ وہ سناٹے میں آگیا اور میں لاحول پڑھتا ہوا گھر واپس آیا۔

ایک طب کے عالم سے مکالمہ

ایک مرتبہ منصور کے پاس تشریف رکھتے تھے۔ اُس وقت ایک طبیب منصور کو کسی کتاب سے بعض مضامین سُنا رہا تھا۔ فارغ ہوا تو آپ سے پوچھا کہ اس علم کی آپکو بھی ضرورت ہے؟ فرمایا ہمکو اسکی ضرورت نہیں۔ جو کچھ تو جانتا ہے ہم اُس سے بہتر جانتے ہیں۔ اُس نے کہا کیسے؟ فرمایا کہ سردی کی وجہ سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اُنکی اصلاح گرم دواؤں سے کرتے ہیں۔ اور گرم بیماریوں کی سرد سے۔ اسی طرح خشکی سے پیدا ہوئے امراض کا تر دواؤں سے علاج کرتے ہیں۔ اور تر کا خشک سے۔ اور پھر ان جملہ امور میں ہمارا پورا اعتماد اور کامل اعتقاد خدا پر رہتا ہے نیز ہمارا عمل اپنے جد بزرگوار جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

قول پر بھی ہے جیساکہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ مضر اشیاء سے پرہیز کرنا اصل دوا ہے یہ انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے لیے وہی غذا اختیار کرے جسکی اُسے عادت پڑی ہوئی ہے۔ سنکر اس طبیب نے کہا کہ ہماری طب بھی تو یہی ہے۔

بنفشہ کا مزاج

عبدالرحمٰن ابن کثیر ناقل ہے کہ میں آپکی خدمت میں حاضر تھا کہ مہزم آیا۔ آپ نے اپنی کنیز کو آواز دی۔ وہ ایک شیشہ روغنِ بنفشہ سے بھرا ہوا لائی۔ حضرت نے مہزم کی طرف ایک کفِ دست پر تھوڑا سا ڈال دیا۔ مہزم نے عرض کی میں آپ پر فدا ہوں۔ یہ روغنِ بنفشہ ہے؟ ارشاد فرمایا۔ ہاں۔ اُسنے عرض کی یہ سردی اور بنفشہ! ہمارے کوفہ کے طبیب تو اسے سرد بتلاتے ہیں۔ فرمایا سرد ہے مگر تابستان میں۔ اور آجکل زمستان میں مائل بہ گرمی ہو جاتا ہے۔

ایک طبیب عامہ سے مکالمہ

ایک طبیب عامہ سے کبھی کبھی حضور میں حاضر ہو جایا کرتا تھا اُسکا بیان ہے کہ میں نے کبھی ایسی عالیجاہ مجلس اپنی عمر میں نہیں دیکھی تھی ایک مرتبہ عطسہ (چھینک) کا ذکر آیا۔ فرمایا۔ ہر چند بظاہر یہ ناک سے نکلتی ہے مگر حقیقتاً یہ تمام بدن سے نکلتی ہے۔ کیا تم نے خیال نہیں کیا ہے کہ چھینکنے میں تمام بدن میں حرکت ہو جاتی ہے بتحقیق چھینکنے والا سات روز تک موت سے امان میں ہے۔

طعامِ برنج کے اوصاف

طعامِ برنج کی مدح فرماتے تھے اور ارشاد کرتے تھے کہ امعاء کو فراخ کرتا ہے اور بواسیر کو نافع ہے حقیقت میں ہمکو عراقیوں کی دو چیزوں پر رشک آتا ہے۔ ایک طعامِ برنج پر دوسرے غورہ خرما پر۔ اور یہ دونوں چیزیں امعاء کی فراخ کرنیوالی اور مادۂ بواسیر کی دفع کرنیوالی ہیں۔ انگور بھی بغایت مطبوع تھا۔ فرمایا جب جناب نوح علیٰ نبینا و آلہٖ علیہ السلام کشتی سے اُترے تو مردوں کی استخوان دیکھکر غم و الم ہوا۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے اُن پر وحی کی کہ انگورِ سیاہ تناول کرو اور مویزِ خالص کی تعریف میں فرمایا کہ بدن کے پٹھوں کو مضبوط کرتا ہے اور ماندگی اور سستی جسم کو دور کرتا ہے اور آدمی کو خوشحال رکھتا ہے۔

کسی شخص نے آپ سے شکایت کی کہ میں نے دودھ پیا تھا اُس سے تکلیف ہوئی۔ ارشاد ہوا دودھ تو تکلیف نہیں دیتا کوئی اور چیز اُسکے ساتھ کھائی ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں کہ انسان کے بدن کو خراب کرتی ہیں بلکہ اکثر اوقات آدمی کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ گوشت قدید (خشک گوشت) بدبودار کھانا پیٹ بھرے حمام میں جانا اور بوڑھی عورت کے ساتھ ہم بستر ہونا۔

آنکھوں کے درد کا علاج

بکیر ابن اعین اصحابِ مخصوصین سے تھے۔ بیان فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں دُکھتی تھیں جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کی کہ کوئی ایسی دوا بتلایئے کہ میری آنکھیں نہ دُکھا کریں۔ ارشاد فرمایا۔ کھانا کھا کر ہاتھ دھو اور وہی ہاتھ اپنی آنکھوں پر پھیر لیا کرو۔ بکیر کہتے ہیں کہ میں نے اُسی وقت سے یہ معمول کر لیا۔ اسکے بعد کبھی میری آنکھیں نہ دُکھیں۔

لطائفِ جوابات

جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام ایک صحبت میں تشریف رکھتے تھے جہاں بہت سے اشخاص اہلبیت علیہم السلام سے حاضر تھے۔ ایک مرد نے کہا اے اولادِ علی و فاطمہ علیہما السلام تمکو کونسی فخر و فضیلت ہے جو اوروں کو نہیں ہے۔ کسی نے اس کا جواب نہیں دیا جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام نے جواب دیا۔ وہ فخر یہی ہے کہ جو مسلمان ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ ہم میں شامل ہو جائے۔ بخلاف ہمارے کہ ہمکو کسی کی محامد و اوصاف میں داخل ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

کسی نے عرض کی یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم میں اپنے والدین کی شرائطِ خدمت بجا لایا تا اینکہ وہ پیر و ناتوان ہو گئے۔ اُس وقت بھی میں اُن کی ایسی خدمت کرتا تھا جیسا کہ ماں باپ اپنے صغیر السن بچوں کی پرداخت کرتے ہیں۔ آیا اب بھی مجھ سے اُنکے حقوق ادا ہوئے یا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں۔ اُنہوں نے جو بالالتزام پرورش کی اور خدمت کرتے رہے تو اُس کے ساتھ تیری طولِ عمر کی بھی دعا کرتے رہے اور ہر گھڑی اور ہر آن تجھ پر فدا اور قربان ہوتے رہے بخلاف تیرے کہ تیری یہ حالت اور خواہش نہیں بلکہ عجب نہیں کہ تو اُنکی طولِ عمر سے ملول ہو کر

اہلِ بیعت سے کراہت اور ان کی ہلاکت کا انتظار کرتا ہو۔
ایک دن منصور نے حضرت سے کہا کہ اوروں کی طرح آپ میرے پاس کیوں نہیں آتے اور اسکی کچھ وجہ بیان فرمائیے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تیرے پاس دنیا سے کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ میں اس سے خائف ہوں اور نہ کوئی نعمت ما فیہا سے تیرے پاس ایسی ہے کہ میں اسکی مبارکباد دینے کو تیرے پاس آیا کروں۔ اسنے عرض کی آپ تشریف لائیں تو مجھے نصیحت و ہدایت ہی فرمائیں۔ ارشاد ہوا کہ جو دنیا کا طالب ہوگا وہ کبھی تجھ کو نصیحت نہ کریگا۔ اور جو دین کا طالب ہوگا وہ ہرگز تیرے پاس نہ آئیگا اور تجھ سے صحبت نہ رکھیگا۔ منصور یہ سنکر لاجواب ہوگیا اور کہنے لگا خدا کی قسم دین و دنیا کے امور آپنے بیان فرما دیے اور مجھ سے کہا کہ آپ دیندار سچے ہیں نہ اہلِ دنیا سے۔
کچھ لوگ اہلِ مکہ و مدینہ سے منصور کے دروازے پر حاضر تھے اور اندر جانے کی اجازت چاہتے تھے۔ ربیع حاجب نے مکہ والوں کو اجازت دی۔ بعد ازاں مدینہ والوں کو۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ تو نے اہلِ مکہ کو کیوں ترجیح دی؟ عرض کی المکۃ ھی العش مکہ اصل آشیان ہے۔ فرمایا۔ آشیانہ ہے مگر الا طارت خیارھا و بقیت شرارھا۔ اچھے طائر اس آشیانہ سے اڑ گئے اور برے باقی رہ گئے۔
کسی نے عرض کی حق تعالےٰ اہلِ بہشت و دوزخ کو ابد الآباد بہشت و دوزخ میں رکھیگا۔ حالانکہ دنیا میں انکی عمریں کوتاہ تھیں۔ پس جو اطاعت و غیر اطاعت خدا اُن سے ظہور میں آئیں وہ بھی تھوڑی ہی عمر تک رہیں۔ پھر اس قدر جزا و سزا دینا تو قرینِ انصاف نہیں معلوم ہوتا۔ فرمایا۔ اہلِ بہشت اطاعتِ خدا پر عازم تھے۔ اگر ان کو ابد الآباد دنیا میں رہنے دیا جاتا تو بجز طاعت و بندگی خدا دوسرا کام نہ کرتے۔ علیٰ ہذا دوزخی تمرد و نافرمانی کا شیوہ ہرگز چھوڑنے والے نہیں تھے۔ انکی یہ زندگانی چند روزہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھی گئی اور جزا و سزائے استمرار اس پر مترتب کی گئی۔
کسی دیدہ دہن نے براہِ طنز آپکی خدمت میں شکایت کی کہ آپکے شیعہ نماز روزہ اس سرگرمی سے نہیں بجا لاتے جیسے کہ مخالفین جسکو آپ بھی اچھا نہیں سمجھتے ہونگے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ شیطان مخالفین کی اصول کو بگاڑ چکا ہے۔ اسلیے انکی فروعات سے زیادہ پرخاش نہیں کرتا۔ ہمارے شیعوں کی اصول لطافِ الٰہی سے درست ہیں اس لیے انکے فروع کو خراب کرنے میں انتہا ساعی ہے۔
جس زمانہ میں منصور کے حسب الطلب حیرہ میں فروکش تھے ایک دن منصور نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ اے ابو عبداللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے شیعوں کے پیٹ میں بات نہیں پچتی جو دل میں ہوتا ہے اُسے بلا اختیار کہہ ڈالتے ہیں حتیٰ کہ ہر ایک کو انکا مذہب معلوم ہوجاتا ہے۔ فرمایا اس کا باعث اُن کی حلاوت ایمانی کا کمال ہے کہ ان کا کام جان سے شیریں ہوتا ہے پس شیرینی بے اختیار انکے لبوں تک آجاتی ہے۔
شیعوں سے ایک شخص آکر جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں فقر و فاقہ کی شکایت کرنے لگا۔ فرمایا تعجب ہے کہ تو اپنے آپ کو ایسا فقیر بتلاتا ہے۔ حالانکہ ایک بہت بڑا خزانہ تیرے پاس ہے۔ اُس نے عرض کی کہ میرے پاس تو کوئی دولت نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر تمام دنیا کا سونا چاندی تجھے دیدیں اور اس کے عوض میں تجھ سے ہماری محبت پھیرنا چاہیں تو کیا تو اپنے دین سے پھر جائیگا۔ اُس کامل الایمان نے عرض کی کہ اگر مجھے دنیا و ما فیہا تمام دیڈالیں تب بھی میں آپ کی محبت کو نہ چھوڑونگا۔ فرمایا جب ایسی نعمت الٰہی تیرے پاس موجود ہے تو تو اپنے آپ کو فقیر کیوں کہتا ہے؟ پھر آپنے اپنی جیب خاص سے مال [illegible] اُسے عنایت فرمایا۔
ایک باہر کا رہنے والا دہقان جناب صادق آلِ محمد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک بار نہ آیا۔ تو آپ اُس کا حال پوچھنے لگے۔ ایک شخص نے حقارت کی نظر سے کہا۔ وہی دیہاتی نا؟ آپنے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی اصل عقل و دانائی ہے اور اُسکی دینداری کے اندازے پر اُسکی پرہیزگاری سے۔ بعد ازاں تمام بنی آدم اطرافِ عالم میں مساوی ہیں۔
ایک اصحابِ خاص نے جنابِ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ کوئی فضیلت ایسی ارشاد ہو جس میں جناب امیر المومنین علیہ السلام کی ایسی خصوصیت پائی جائے کہ پھر اُس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک و سہیم نہ ٹھیرے۔ فرمایا۔ آپ کو اقربا پر تو اس لیے فضیلت حاصل تھی کہ آپ سب سے پہلے اسلام لائے اور غیر لوگوں پر قربتِ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ شرافت و فضیلت حاصل تھی۔
کسی نے عرض کی کہ جب سے منصور نے خلافت پائی ہے مال کے

جمع کرنے پڑا تنا حریص ہو گیا ہے کہ اچھا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے موٹے جھوٹے کپڑے پہنتا ہے۔ اور کھانا بھی محض معمولی کھاتا ہے۔ فرمایا الحمد للہ الذی حرمہ من دنیاہ ما لہ ترک دینہ خدا کا شکر ہے کہ اسی نے اسکو دنیا سے بھی ویسا کر دیا جیسے کہ اُسنے دین کو چھوڑ دیا تھا۔

زید شحام نے عرض کی کہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نیۃ المؤمن خیر من عملہ۔ مومن کی نیت اسکے عمل سے بہتر ہے۔ یہ کیونکر؟ فرمایا عمل میں بعض وقت یا دکھاوا ہو جانے سے آدمی دکھانے کے لیے کوئی کام کرتا ہے۔ مگر نیت میں یہ نہیں ہوتا۔ وہ خالص حضرت رب العالمین کے لیے ہوتی ہے۔

توام بچوں کے بڑے چھوٹے ہونے میں کلام تھا۔ پہلے پیدا ہونے والے کو بڑا کہتے تھے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ بڑا وہ ہے جو پیچھے پیدا ہوا کیونکہ اُسکا حمل پہلے رہا۔

منصور کے پاس بیٹھے تھے۔ ایک مکھی اُسکے بدن پر بیٹھی۔ اس نے اسے اُڑا دیا۔ پھر آئی۔ پھر اُڑا دی۔ غرضکہ متواتر ایسا ہی کرتا رہا۔ زچ ہو گیا تو جھنجھلا کر کہنے لگا کہ اے ابو عبداللہ علیہ السلام مکھی کو تو حق تعالے نے ناحق پیدا کیا۔ بھلا اسکی خلقت سے کیا فائدہ ہے؟ فرمایا لیذل بہ الجبارین۔ اسکی خلقت سے یہی مقصود ہے کہ اُس سے جبارین زمانہ ذلیل و خوار ہوں۔

یہ واقعہ مستند بین الفریقین ہے۔ شیعوں نے منصور ربیع سے اور سنیوں نے احمد ابن عمر ابن مقدام رازی سے نقل کیا ہے۔

قاضی ابن خلکان وفیات الاعیان میں لکھتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک بار ابو حنیفہ سے پوچھا کہ تم اُس محرم کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے ہرن کا رباعیہ (دانتوں کا چوکا) توڑ ڈالا ہو۔ کہا یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو تو معلوم نہیں کہ اس کا کیا کفارہ ہے۔ یہ سُنکر حضرت متبسم ہوئے اور فرمانے لگے کہ تم تو اپنے آپ کو بڑا عالم جانتے ہو۔ مگر ابھی تک تم کو یہ تو معلوم ہی نہیں کہ ہرن کے چار دانت اکٹھا ہوتے ہی نہیں۔ اس کے ہمیشہ دو دانت ہوتے ہیں۔

فیصلے اور محاکمے

زمانہ کی نصیب اُس وقت ایسی کہاں تھی کہ وہ اپنے معاملات میں ان فیصلوں اور محاکموں پر عمل کریں جو بالکل عدالت الٰہیہ حضرت رسالت پناہی کی پوری پوری مطابق تھی اور اسی سلسلہ کئی مقاموں پر لکھ آئی ہیں کہ ان ذواتِ مقدسہ کو ملکی کاروبار سیاست سے کوئی تعلق باقی نہیں تھا مگر ہاں جب کسی پیچیدہ مسئلہ تھا اور سلطنت کے تمام قاضی مفتی علماء فضلاء اور حکماء کی عقلیں عاجز رہجاتی تھیں تو پھر انہی الراسخون فی العلم کی خدمت میں رجوع یہ واقعات کچھ اسی سلطنت میں پائے نہیں جاتی بلکہ اور سلطنتوں کا یہی دستور قائم رہا ہے چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت اولے کے وقت سے لیکر اس زمانہ تک اپنے سلسلوں میں اس مضمون کو کافی وضاحت کے ساتھ دکھلا بہرحال جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے استمداد اس سلطنت کو بھی واقع ہوئی۔ انہیں سے چند ذیل میں درج کی ایک صورت قضا کی اور وصیت کر گئی کہ بہرحال میری متروکہ دولت باقی میں سے ایک حج کرا دیا جائے اور ایسے ہی ایک غلام کر دیا جائے۔ مگر اُسکا مال اتنا نہ تھا جو ان تمام مصارف کو ابو حنیفہ کوفی اور سفیان ثوری سے اسکا حکم پوچھا گیا۔ دونو کہا کہ ایک ایسا شخص تلاش کیا جائے جو حج کو گیا ہو اور رہزنوں نے لوٹ لیا ہو پس اُسکو تھوڑا سا مال اس میں سے دیں پھر ایسا غلام تلاش کریں جو اپنی آزادی کی کوشش کرتا قیمت سے کچھ ادا بھی کر چکا ہو اور کچھ باقی ہو۔ وہ جزو ترکہ عورت آزاد کرا دیں اور ما بقی کو اُسکی جانب سے خیرات کر دیں معاویہ ابن عمار جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے اُنہوں نے آپ کی خدمت میں اس تمام قضیہ کا ذکر کیا۔ اور دریافت کیا تو ارشاد فرمایا گیا کہ حج واجب ہے۔ اول وہ کرا بچے اُسے خیرات میں صرف کریں۔ ابو حنیفہ نے جب سُنا تو کہا ہے۔ اسی کو نافذ کیا اور اپنا استفادہ واپس لیا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو حنیفہ نے کرنے کو حج کرنے سے مقدم بتلایا تھا حضرت نے سُنا تو حج ولی بردے آزاد کرنے سے زیادہ ہے۔ اُسنے یہ خیا

ہم کیسے آزاد کرتے ہیں طواف کعبہ سعی مابین صفا و مروہ۔ وقوف عرفہ متعلق اس درمی الجمرات کہاں۔ خانہ کعبہ صرف حج کرنے کے لیے وضع ہوا ہے۔ اگر ایسا ہو جیسا کہ وہ کہتا ہے تو حج ختم ہو جائے۔

منصور دوانقی طواف کعبہ میں مشغول تھا۔ ربیع حاجب آیا اور کہا کہ امیر المومنین آپکا فلاں غلام مر گیا۔ اُسکے بعد فلاں شخص نے اُسکا سر کاٹ لیا۔ منصور کو یہ سنکر سخت طیش آیا۔ ابن شبرمہ اور قاضی ابو لیلیٰ وغیرہ چند فقہائے زمانہ بیٹھے تھے۔ منصور نے ان سے پوچھا کہ اس جرم کی کیا سزا ہے جس نے مردے کا سر کاٹا۔ انہوں نے کہا۔ مرنے کے بعد مُثلہ کی ہمارے نزدیک تو کوئی سزا نہیں ہے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام اُس وقت صفا و مروہ کے درمیان سعی فرما رہے تھے۔ منصور نے اشارہ کیا کہ حضرتؑ سے اس مسئلہ کا حکم دریافت کیا جائے۔ ربیع نے حاضر ہو کر پوچھا تو فرمایا گیا کہ سر کاٹنے والا ایک سو دینار اُسکی دیت ادا کرے۔ ربیع نے عرض کی کہ اسکی علت بھی ارشاد ہو۔ فرمایا کہ نطفہ کی دیت بیس۲۰ دینار قرار ہے پھر مضغہ، علقہ، استخوان اور گوشت کے بیس۲۰ بیس۲۰ دینار مقرر ہیں۔ یہ سب قبل اس کے کہ نفخ روح ہو۔ چونکہ میت بھی روح کے نکل جانے کے بعد ویسی ہی بیجان ہے جیسی کہ قبل از نفخ روح تھی۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ حکم محکم ربیع نے آکر منصور سے بیان کیا تو جملہ حضار سنکر بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔ پھر منصور نے ربیع کو بھیجکر دریافت کیا کہ یہ مال دیت کس کو دیا جائے۔ وارثان سر بریدہ کو یا کسی اور کو؟ اس کے جواب میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرمایا کہ ورثہ کو اس میں سے کچھ نہ دیا جائیگا کیونکہ متوفی بعد موت کے اس مال کا مستحق ہوا ہے۔ اس مال سے اُسکے لیے ایک حج کر دیا جائے اور دیگر امور خیرات میں صرف کیا جائے۔

حجام ایک شخص کا ختنہ کرتا تھا۔ اتفاقاً اُسکا عضو کلیتاً قطع ہو گیا۔ یہ قصہ آپکی خدمت میں فیصلہ کی غرض سے پیش کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ اگر لڑکا اس صدمہ سے مر جائے تو حجام پر اسکی نصف دیت واجب ہو جائیگی۔ اور نصف حق تعالیٰ پر کیونکہ موت میں وہ اُسکا شریک تھا اور اگر زندہ رہا تو تمام خونبہا حجام کو دینا ہوگا کیونکہ قطع نسل کا باعث ہوا ہے۔

ایک مرتبہ ایک مرد نے ایک عورت سے عقد کیا۔ رات کو قبل اسکے کہ اسکا شوہر اُسکے پاس خلوت میں جائے منکوحہ نے اپنے پہلے آشنا کو بلا کر اپنے حجلہ میں اپنے ساتھ بٹھا لیا تھا۔ شوہر آیا تو وہ اُٹھا اور دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ آخرش شوہر نے اپنے رقیب کو قتل کر دیا۔ عورت نے یہ دیکھا تو پیچھے سے اُسکے شوہر کو ایسی ضرب لگائی کہ اسکا کام بھی تمام ہو گیا۔ یہ مقدمہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ کے لیے لایا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ عورت کو تو آشنا کا خونبہا ادا کرنا ہوگا۔ اسلیے قتل کا باعث وہی ہوئی ہے اور شوہر کے قصاص میں خود قتل کیجائیگی کہ بلا واسطہ اپنے شوہر کی قاتل ہوئی۔

ایک شخص رات کے وقت ایک عورت کے گھر میں گھسا کہ اسکا مال و متاع چرائے۔ اسباب کا گٹھر باندھ لیا تھا کہ اسکا دل اس عورت کی طرف مائل ہوا اور اسکی نیت بد ہوئی۔ اور وہ اُسی حالت میں اس عورت پر جا پڑا۔ اس حرکت سے اسکا بچہ جو اُسکے پیٹ پر لیٹا تھا جاگ اُٹھا۔ چور نے ایک خنجر مار کر بچہ کا کام تمام کر دیا۔ پھر اپنے کام میں مشغول ہوا جب فارغ ہوا تو اسباب کا گٹھر اٹھا چلتا ہوا۔ عورت نے وہی خنجر اُسکا لیکر پیچھے سے اُسی مارا اور اسے قتل کیا۔ صبح کو چور کے عزیزوں نے جمع ہو کر اُس عورت پر خون کا دعوے کیا۔ مفتی شہر نے یہ قضیہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حکم کے لیے بھیجدیا۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ اہالیان سارق بچہ کے خون کے ذمہ دار ہیں۔ اور چور کے ترکہ سے چار ہزار درہم زنا بالجبر کی عوض میں عورت کو دلوائے۔ اور عورت کو قتل سارق کے جرم سے بری کیا چونکہ وہ چوری کرنے آیا تھا۔

ایک شخص منصور دوانقی کے پاس دعویدار ہوا کہ یہ دو شخص میرے بھائی کو رات کے وقت گھر سے بلا کر لے گئے۔ پھر واپس نہیں کیا نہیں معلوم انہوں نے اُسکے ساتھ کیا سلوک کیا کہاں اُسکو کھو دیا۔ مدعا علیہم کہتے تھے کہ ہم نے صرف چند باتیں اُس سے کیں۔ پھر وہ اپنے گھر کو واپس گیا۔ منصور نے اُنکو حضرتؑ کے پاس بھیجا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص رات کو کسی کو گھر سے لیجائے وہ اُس وقت تک اسکا ضامن ہے جبتک کہ وہ اسکی نسبت بادائے شہادتین یہ ثبوت نہ پہنچائے کہ اُسنے اُسے گھر واپس کر دیا۔ دو شخصوں میں سے ایک کی نسبت آپنے حکم دیا کہ اُسکو قصاص میں قتل کیا جائے۔ وہ چلایا یا ابن رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے تو

اُسکو نہیں مارا۔ میں آپ سے راست راست بے کم و کاست بیان کرتا ہوں۔ میں تو صرف اُسکو پکڑے ہوئے تھا۔ اِس دوسرے نے مارا۔ دوسرا بولا کہ میں نے صرف ایک ضرب لگائی تھی کہ وہ مرگیا۔ یہ سُنکر آپ نے حکم دیا کہ قاتل مقتول کے قصاص میں قتل کیا جائے اور دوسرا اُسکی تاقید کے جرم میں حبسِ دوام کی سزا پائے۔

عباد مکی نے ایک مرتبہ ایک مریض کا حکم دریافت کیا جس نے زنا کیا تھا۔ اگر اُس پر اقامتِ حد کی جاتی تو اُسکے مرجانیکا احتمال تھا۔ آپنے دریافت کنندہ سے پوچھا کہ یہ مسئلہ تو اپنے لیے پوچھتا ہے یا کسی دوسرے نے تیرے ذریعہ اور معرفت سے دریافت کرایا ہے؟ اُس شخص نے کہا کہ سفیانِ ثوری نے میری معرفت دریافت کیا ہے۔ حضرت صادقِ آلِ محمد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ جبان کو لائے کہ عارضۂ استسقا میں مبتلا تھا سے کہ لاغری کی وجہ سے اُسکی رانوں کی رگیں نمودار تھیں۔ اُس نے ایک مریضہ عورت کے ساتھ زنا کیا تھا۔ جنابِ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شاخِ خرما کہ سو تیلی اُس میں تھی منگائی اور ایک بار اُن دونوں کے مارکر اُن کو رہا کردیا۔ چنانچہ حق سبحانہ وتعالےٰ اسکی خبر دیتا ہے وخذ بیدك ضغثا فاضرب به۔ اپنے ہاتھ میں دستہ گیاہ (عام اِس سے کہ خشک ہو یا تر۔ یا شاخ) لو اور اُس کو مارو۔

ابو ولاد خیاط ناقل ہیں کہ مجھے ایک قرضدار کی تلاش میں قصرِ ابن ہبیرہ تک جانا تھا۔ کوفہ سے وہاں تک ایک خچر آمد و رفت کے لیے کرایہ کیا۔ کوفہ کے پُل پر پہنچا تھا کہ وہ قرضدار نیل کو چلا گیا جب وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ بغداد کو چلا گیا۔ پھر بغداد جاکر اُس سے ملا اور اپنا معاملہ طے کرکے کوفہ واپس آیا۔ اس دوا دوش میں پندرہ روز لگ گئے۔ مالکِ اشتر کو پندرہ درم دیے مگر وہ راضی نہ ہوا۔ آخرش ہم دونوں ابو حنیفہ کے پاس گئے اور حال بیان کیا۔ ابو حنیفہ نے

اشتر کے مالک سے پوچھا کہ تیرا خچر تجھے مل گیا ہے... مل تو گیا مگر پندرہ روز کے بعد۔ مجھے اتنے دنوں کا... ابو حنیفہ نے کہا کہ قصرِ ابن ہبیرہ تک صرف کرایہ کیا گیا... آگے بڑھ گیا تو قیمتِ خچر کا وہ ضامن دار ہوا۔ اور کر... ہوا۔ اب جو خچر صحیح و سالم لاکر تجھے واپس دیدیا تو... حق حاصل نہیں ہے۔ الغرض ابو حنیفہ کا یہ عجیب... میں نے کہا کہ یہ شخص جو مجھے پہلے رقم دیتا تھا وہ بھی آپ... یہ کہا اور وہاں سے روانہ ہوا۔ راستہ میں کہتا جاتا... حکامِ وقت میں جب ہی آسمان سے بارش نہیں ہوتی اور... کی قوت زائل ہوگئی۔ راوی حدیث کا بیان ہے کہ مجھے... رحم آیا اور وہ پندرہ درم اُسکے حوالے کردیے۔ جب امام... کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ ماجرا بیان کیا اور حکمِ صحیح کا خواہ... فرمایا کہ کوفہ سے پل تک جو اور پھر بغداد اور بغداد سے پھر کو... تجھے ادا کرنا واجب تھا۔ عرض کی کہ دانہ گھاس جو میں نے دیا... نہیں کیونکہ تو اسکا غاصب تھا۔ پھر کہا وہ تو مجھے مجلز... ابو حنیفہ کا حکم جو رسم ایسا فیصلہ کی بیان کرنے کے بعد... تو البتہ معافی کی سند ہوسکتی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے... قصہ بیان کیا اور کہا اب جو کچھ تجھے دیا جائے۔ اُسے... وقت امام علیہ السلام کی محبت اور فضیلت کو میرے دل... میں اب تجھ سے کچھ نہیں چاہتا بلکہ اگر کہو تو وہ پندرہ درم...

تمت بالخیر والع...

الحمد للہ والمنۃ کہ بتاریخ دوازدہم ماہ محرم الحرام روز... نبوی صلعم از نقل این کتاب بے علے صاحبہا الف اللہ... حساب فراغت ساختم و الا خود عجب بگزاشتم والحمد... رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد و آلہ... المعصومین النجیبین الی یوم الدین امین۔

سید اولاد حید... غفر... والد...

الحمد للہ

کرکتاب مستطاب آثارِ جعفریہ دربیان حالات سوانح مبارک جناب امام جعفر صادق علیہ السلام خادمان ملک و ملت کا ... دہلی کے اہتمام سے دوسری مرتبہ چھپکر ہدیۂ ناظرین کیجا رہی ہے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

ذیقعدۃ الحرام ۱۳۳...

حمائل شریف مترجم
ترجمہ بالبیت
جو لوگ سفر میں زیادہ رہتے ہیں یا جن لوگوں کو بڑے بڑے ضخیم اور وزنی قرآنوں میں
تلاوت کرنا دشوار گزرتا ہے اُن کے لیے یہ حمائل شریف ضرور نعمت غیر مترقبہ ہے
جو نہایت اعلےٰ درجہ کے کاغذ پر نہایت خوشخط اور
صاف کمال احتیاط اور صحت کے ہیچ اہتمام کے ساتھ
مقبول پریس دہلی میں چھاپی گئی ہے متن میں کلام الٰہی
کی تلاوت فرمائیے اور حاشیہ پر مقبول ترجمہ کا لطف اُٹھائیے
اس حمائل میں صرف ترجمہ ہے حواشی تفسیری وغیرہ بصورت کتاب علاحدہ چھاپے جائینگے جنکا ہدیہ
علاحدہ مقرر ہوگا۔ یہ حمائل شریف بلحاظ کاغذ تین قسموں پر مشتمل ہے ہدیہ ہر قسم کا حسب ذیل ہے
قسم اول کاغذ اعلیٰ درجہ کا رنگین عہ قسم دوم کاغذ اعلیٰ درجہ کا سفید للعہ قسم سوم کاغذ معمولی سفید سعہ
المشتہر امین الدولہ مالک مقبول پریس گندہ نالہ۔ دہلی